
القاء المزمل ﷺ
سیرۃ المزمل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جلد اٹھارہ
www.KitaboSunnat.com
افتخار احمد افتخار



افتخار احمد افتخار

رہائش؛ ڈنگہ ضلع گجرات تحصیل کھاریاں

فون ؛ 03006281898

میل ایڈریس ؛ ift1167@gmail.com

نام کتاب؛ سیرۃ المزمل ﷺ

جلد نمبر؛ جلد اٹھارہ (القاء المزمل ﷺ)

سنہ تحریر؛ اگست 2015ء

اہتمام؛ کتاب وسنت ڈاٹ کام

مطالعہ کے لیے؛ https://kitabosunnat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

حرفِ چند

قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لیے اتاری گئی یہ اور بات ہے کہ لوگوں کی اکثریت نے حسب معمول اللہ کے پیغام کو نظر انداز کیا ور اپنے نفس کی آواز پہ کان لگائے ۔ ہدایت کے صحیفے تو قرآن سے پہلے بھی اترتے رہے مگر قرآن حکیم بہت سے پہلوؤں سے اپنی خاص انفرادیت لیے ہوئے ہے ۔ خصائص قرآن کا تذکرہ تو اس جلد کا موضوع ہے ہی ہم یہاں صرف اس قدر بیان کر دینا چاہتے ہیں کہ قرآن ہی اب قیامت تک وہ واحد کتاب ہے جس کی طرف ہدایت کے لیے رجوع کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ حقیقی ہدایت کا اور کوئی ذریعہ آج کے انسان کو

دستیاب نہیں جس کے اصولوں پر عمل کر کے وہ منزل کی راہ معلوم کر سکے ۔ قرآن عظیم الشان پیغاموں اورلازوال منزلوں کی نوید ہے ۔ قرآن انسان کو مخاطب کر کے اُس کے عمل کی تطہیر کرتا ہے اور انسان کو اسلوب اخلاق و تھذیب کی دعوت دیتا ہے ۔ آج دنیا کے ایک ارب اسی کروڑ لوگ قرآن کے پیرو کار ہیں اور باقی ساری دنیا قرآن کی مخاطب ہے ۔ قرآن حکیم انسان کو زندگی کی مقصدیت و اھمیت سے آگاہ کرتا ہے اور اُس کو اُن احکامات کی اطاعت کی طرف مائل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی اصلاح و فلاح کے لیے اس کتاب میں اتارے ہیں ۔ ایک مسلمان اپنے اعمال کو اُس نھج تک کبھی نہیں لے جا سکتا جو اُسے کامیابی سے ھمکنار کرے جب تک کہ وہ اس کتاب سے مضبوط تعلق قائم نہ کرے ۔ ھماری بد قسمتی یہ ہے کہ ھم براہ راست قرآن سے استفادہ کرنے سے قاصر ہیں اس لیے کہ قرآن کی زبان عربی ہے اور ھم عجمی ہیں اس لیے ھمیں لامحالہ قرآن کے اُن تراجم و تفاسیر کی طرف مراجعت کرنی پڑتی ہے جو لوگوں نے اپنے علم و فھم سے مرتب کی ہیں ۔ اگرچہ اُن کا یہ کام بھت سے افادی پھلو بھی رکھتا ھے کہ انسان اِن تراجم اور تفاسیر کو پڑھ کے قرآن کے بنیادی مفھوم تک ضرور پھنچ جاتا ہے اگر اُس کی نیت قرآن سے ھدایت حاصل کرنے کی ھو۔ تاھم بھت سے لوگ ایسے ہیں جو قرآن اس لیے پڑھتے ہیں کہ اُنھیں اپنے مسلک اپنے مذھب کی ترویج واشاعت کے لیے کچھ موضوں آیات مل جائیں چنانچہ کھا جا سکتا ہے کہ ھمارے ھاں جو تفرقے کی شدت اور بلکہ کسی حد تک مخالف مسالک سے نفرت پائی جاتی ہے اُس کے پیچھے اِن تراجم اور تفاسیر کا بھی ایک حصہ ہے ۔ تاھم قرآن

کتاب ھدایت ھے اور اُسے ھدایت ھی کے لیے ھی پڑھنا چاھیے۔جب ھم اسے ھدایت کے لیے پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ ھمیں ھدایت عطا فرمائے گا ورنہ گمراھوں کے لیے اس کتاب میں بھی کوئی ھدایت نھیں۔

حقیر افتخار احمد افتخار

حسنِ ترتیب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن

اِن دوالواح کے بیچ انگنت مناظر ہیں جن کو علم والے دیکھتے ہیں اور عقل والے اُن کا اتباع کرتے ہیں، اِن دوالواح کے بیچ عظمت ورفعت کے وہ نشان ہیں جو انسان کو منزل سے آگاہی فراہم کرتے ہیں۔ شان وشوکت اور علوم ومعارف کا وہ سیل رواں ہے جس سے تابعداروں کی ارواح شرابور ہوتی ہیں۔ یہ مقدس اوراق الہامیات کا واحد سرمایہ ہیں جو انسان کی ہدایت کے لیے باقی رہنے والا ہے۔ یہ رحمت اور راستی کا منتہٰی خزینہ ہے جس سے جتنا نکالو کمی کی بجائے اُس میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اِن دوالواح کے بیچ روشنی ہے، ہدایت ہے، حکایت ہے، عبرت ہے، محبت ہے، عقیدت ہے، جنت ہے ، قیامت ہے، امانت ہے، دیانت ہے، نجات ہے، عظمت ہے، رفعت ہے شان ہے، شوکت ہے، نسبت ہے، بعثت ہے، نبوت ہے، رسالت ہے، شہادت ہے، شہامت ہے، نظامت ہے، قیامت ہے، وراثت ہے، بشارت ہے، طہارت ہے، سیادت ہے، قیادت ہے، لعنت ہے، ملامت ہے برکت ہے، فصاحت ہے، بلاغت ہے، عزت ہے، نصرت ہے، شہرت ہے، رحمت ہے، آخرت ہے

،موت ہے،انسیت ہے،بصیرت ہے،بصارت ہے،حقیقت ہے،شرافت ہے،اقامت ہے،دعوت ہے،استقامت ہے،نصیحت ہے،فصیحت ہے،انذار ہے،وقار ہے،تبشیر ہے،تعذیر ہے تقدیر ہے، تعبیر ہے،تعمیر ہے،تقریر ہے،اقرار ہے،قرار ہے،اسرار ہے،تقرار ہے،بہار ہے،نور ہے،صور ہے ،،حور ہے،توحید ہے،اسلام ہے،پیام ہے،انعام ہے،جہنم ہے،سلامتی ہے،امن ہے،سچ ہے، راستی ہے،آس ہے،امید ہے،صلواۃ ہے،روزہ ہے،حج ہے،زکواۃ ہے،جہاد ہے انفاق ہے،علم ہے،تقویٰ ہے،تاکید ہے، خدا ہے،انسان ہے،احسان ہے،امتحان ہے،تکریم ہے تاریخ ہے، عذاب ہے،ثواب ہے،معیار ہے،شعار ہے،آزار ہے،پیار ہے،رحم ہے،ترحم ہے،قسم ہے،زمین ہے،آسمان ہے،ستارہ ہے،اشارہ ہے،نظارہ ہے،اکرام ہے،پیغام ہے،دوآم ہے انتظام ہے، احتشام ہے،التزام ہے،اہتمام ہے،فرقان ہے،عرفان ہے،الہام ہے،نوید ہے شنید ہے،ابر ہے،ہوا ہے،دنیا ہے،زندگی ہے،اعلان ہے،رہنمائی ہے،دُعا ہے،شفا ہے،القا ہے دوا ہے،سزا ہے،شکر ہے،وسیلہ ہے،صبر ہے،ابتدا ہے ،انتہا ہے،دن ہے،رات ہے اور وہ بہت کچھ ہے انسانی عقل جس کا ادراک کرنے سے قاصر ہے۔قرآن اُن جہانوں کی نوید ہے جہاں راستی ہے،امن ہے ،آشتی ہے،قرآن انسان کو دکھ سے دور لے جاتا ہے اور راحت کے احساس سے معمور کر دیتا ہے۔

قرآن اللہ کی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن انسانوں کی ہدایت کے لیے قرآن اتارا ہے۔یہ وہ کتاب ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔پندرہ سو سال سے لوگ اس کتاب سے ہدایت حاصل کر رہے ہیں،یہ واحد کتاب ہے جس کو محفوظ کتاب کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔قرآن حکیم قیامت تک لوگوں کی رہنمائی کرنے والا ہے۔خطہ ارض پر لوگوں کی مہیب تعداد ہے جو اللہ کی اس کتاب سے والہانہ محبت رکھتی ہے۔یہ اللہ کی آخری کتاب ہے جو آنحضرت محمد ﷺ پر اتاری گئی۔610ء سے 632ء کے درمیان تئیس کی سال کی مدت میں اس کتاب کا نزول مکمل ہوا۔تمام الہامی کتابوں میں قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ اُس کی صداقت وحقانیت کے بارے میں لوگ یک سو ہیں۔وہ بھی جو اس کتاب پر ایمان لائے اور وہ بھی

جو ایمان لانے سے گریزاں ہیں یکساں طور پہ اس کتاب کی عظمت کے قائل ہیں۔قرآن حکیم اپنے مضامین، انداز و اسلوب اور زبان و بیان کے اعتبار سے بے نظیر ہے ماہر لسانیات اور اصحابِ فکر و نظر اس کی خوبیوں اور گہرائیوں کا پتا لگانے سے قاصر ہیں۔اس آب زلال سے تا قیامت تشنگانِ علم و معرفت سیراب ہوتے رہیں گے مگر چشمہ صافی و شافی میں کوئی کمی ہونے والی نہیں ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ کتاب قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کے لیے اتاری گئی ہے اور ہر دور میں علوم و فنون کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس کے عجائب و تفردات منظر عام پہ آتے رہیں گے ۔قرآن حکیم میں بھی اس امر کی طرف اشارات موجود ہیں۔

جیسا کہ سورہ سجدہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (53) أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ (54)

القرآن الحکیم (سورۃ حم سجدہ 52.54/41)

ترجمہ؛

''ہم اُن کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور خود اُن کے اندر سے بھی یہاں تک کہ حق اُن پر ظاہر ہو جائے اور وہ جان جائیں کہ قرآن بالکل حق ہے اور کیا تیرے رب کا شاہد ہونا کافی نہیں ہے؟ دراصل تو یہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے سے شک میں مبتلا ہیں مگر یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو اپنے احاطہ علم میں لیے ہوئے ہے''۔

قرآن حکیم کے بارے خود اللہ تعالیٰ کا فرمانا یہ ہے کہ!

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ (192) نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ (193)

عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ (194)

القرآن الحکیم(سورۃ شوری192.194/26)

ترجمہ؛

''اور یہ قرآن اللہ رب العالمین کا بھیجا ہوا کلام ہے اوراس کو لے کر ایک امانت دار فرشتہ اترا ہے آپ ﷺ کے قلب پر، تاکہ آپ منجملہ ڈرانے والے ہوں''۔

آگے مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

تَنزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (5) لِتُنذِرَ قَوْماً مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ (6)

القرآن الحکیم(سورۃ یاسین 5/36)

ترجمہ؛

''یہ قرآن خدائے زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے، سو اسی لیے یہ بے خبر ہیں''۔

پھر فرمایا کہ!

ذَلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (2)

القرآن الحکیم(سورۃ البقرۃ 2/2)

ترجمہ؛

اس کتاب میں کوئی شبہ نہیں یہ تو راہ بتانے والی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو''۔

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

تَنزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (2) أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْماً مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ (3)

القرآن الحکیم (سورۃ السجدہ 2.4/32)

ترجمہ؛

''یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کچھ شبہ نہیں یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے، کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اپنے دل سے بنالیا ہے بلکہ یہ سچی کتاب ہے آپ کے رب کی طرف سے تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ لوگ راہ راست پر آ جائیں''۔

مزید ارشاد ہوا کہ!

تَنزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (2) كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (3) بَشِيراً وَنَذِيراً فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (4)

القرآن الحکیم (سورۃ حم سجدہ 2.4/41)

ترجمہ؛

''یہ کلام رحمان ورحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے، یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن جو عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے ایسے

لوگوں کے لیے ہے جو دانشمند ہیں، بشارت دینے والا، ڈرانے والا سو اکثر لوگوں نے اس سے روگردانی کی"۔

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 185/2)

ترجمہ؛

"ماہ رمضان ہے جس میں قرآن اتارا گیا یہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے"۔

مزید ارشاد ہوا کہ!

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَهُدًى وَّبُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ (97)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 97/2)

ترجمہ؛

"سو انھوں نے یہ قرآن آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے نازل کیا، اس کی حالت یہ ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے، خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو"۔

آگے ارشاد فرمایا گیا کہ!

تَبْصِرَةً وَذِكْرَى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ (8)

القرآن الحکیم (سورۃ ق 8/50)

ترجمہ؛

”جو ذریعہ ہے دانائی کا اور بینائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لیے“۔

آگے مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (51)

القرآن الحکیم (سورۃ العنکبوت 51/29)

ترجمہ؛

”بلاشبہ اس کتاب میں ایمان لانے والوں کے لیے رحمت و نصیحت ہے“۔

آگے مزید ارشاد فرمایا کہ!

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِأُولِي الْأَلْبَابِ (21)

القرآن الحکیم (سورۃ الزمر 21/39)

ترجمہ؛

”اس میں اہل عقل کے لیے بڑی عبرت ہے“۔

آگے مزید ارشاد فرمایا کہ!

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ (41) وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا
تَذَكَّرُونَ (42) تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (43)

القرآن الحکیم (سورۃ الحاقہ 41.43/69)

ترجمہ؛

”وہ کہتے یہ کسی شاعر کا کلام ہے مگر تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کلام ہے تم میں عقل ہی نہیں یہ تو اللہ رب العزت کا نازل کیا ہوا کلام ہے“۔

اوپر تحریر کی گئی آیات سے یہ بات کھل کے سامنے آ گئی ہے کہ قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے یہ بے مثل کلام ہے جس کی کوئی مثل نہیں ، یہ کلام انسان کو پستیوں سے اٹھا کر بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے۔انسان کو خرافات و باطل اعمال سے ہٹا کر حقائق اور راستی کی راہ تک لے جاتا ہے۔ یہ کلام کائنات کے خالق کا کلام ہے اس لیے اس کی برتری دیگر تمام کلاموں پر اسی طرح واضح ہے جس طرح دیئے کی روشنی کو سورج کی روشنی سے کوئی نسبت نہیں ہے۔اللہ تمام جہانوں کا رب ہے، عزیز و رحیم ہے، رحمان ہے، اللہ کا کلام شک وشبہات سے پاک ہے۔ چونکہ یہ فطرت کی آواز ہے اس لیے یہ کلام نہایت نرم و نازک ہے اور انسانی دل کو مسخر کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ کلام انسان کو مسحور کر دیتا ہے، انسانی دل کی سختی کو دور کرتا ہے، آنکھوں کو نمناک کرتا ہے، انسان کے ارادہ کو مثبت راہ کی طرف لے جاتا ہے، انسان کو ہمہ تن گوش کر دیتا ہے، اس کلام کا سکوت اور ہیبت انسان کے دل میں خالق کا ڈر پیدا کر دیتا ہے اور یہی امر مقصود ہے اس لیے کہ جو خالق سے ڈر گیا وہ یقیناً خالق کا مطیع و فرمانبردار بن گیا اور خالق کا مطیع وفرمانبردار بن کے رہنا ہی اس دنیا میں انسان کو بھیجے جانے کا مقصد ہے اور یہی کامیابی کی اولین اور واحد راہ ہے۔کلام الٰہی نور ہے ظلمتوں اور ضلالتوں کی ضد ہے انسان

کا اس کلام کی طرف متوجہ ہونا ہی اُس کے ارفع مقدر کی ضمانت ہے۔افسوس کہ خطہ ارض پہ بسنے والے لوگوں کی بہت بڑی اکثریت قرآن حکیم کو دوسری ہزاروں لاکھوں کتابوں جیسی ایک کتاب سمجھتے ہیں اوراس بات پر ایمان لانے کو تیار نہیں کہ یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے۔لوگوں کے اس انکار نے انھیں گمراہی اور ضلالت کی کن اندھی راہوں کا مسافر بنادیا ہے انسان کو اس کا شعور نہیں۔
اگر چہ انسان موت سے آگاہ ہے مگر موت کے بعد اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہونے کے تصور سے انکاری ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے اثبات کے لیے انسان کو بہت دور جانے کی ضرورت نہیں ہے، خالق کی بے انت نشانیاں اُس کی نظروں کے سامنے موجود ہیں اگر کوئی کمی ہے تو ہے تفکر اور تدبر کی اور قرآن حکیم میں اس بات کو کھول دیا گیا ہے کہ وہی لوگ شرف کا حق ادا کر رہے ہیں جو نظروں کے سامنے پھیلی اس بسیط کائنات پر غور کرتے ہیں۔
کائنات کا یہ عظیم کارخانہ اللہ رب العزت کے حکم کے تابع ہے اور کائنات کی کوئی جز ایسی نہیں جو اللہ کے حکم سے بغاوت کا تصور بھی کر سکتی ہو اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ سورج اپنے وقت پر طلوع ہوتا ہے اور اپنے وقت پر غروب ہو جاتا ہے، موسم اپنے وقت کے مطابق تبدیل ہوتے ہیں۔ہوائیں اپنے خالق کے حکم کے مطابق چلتی ہیں، بادل اللہ کے حکم سے برستے ہیں اور فصلیں اللہ ہی کے حکم سے اناج اگاتی ہیں۔یہ سب اس لیے ہے کہ روز اول سے خالق نے کائنات کے لیے جو قوانین مرتب کر دیئے ہیں کائنات کا ہر جز اُس کی تکمیل کے لیے عمل پیرا ہے اور تمام اجزا کی پیروی سے کائنات کے وہ رنگ سامنے آتے ہیں جو نہ صرف انسان کو متحیر کر دیتے ہیں بلکہ اللہ کی خلاقیت پر ایمان لانے کا جواز بھی فراہم کرتے ہیں۔انسان سائنس میں جس قدر چاہے ترقی کر لے کبھی مصنوعی گلاب پیدا نہیں کر سکتا اس لیے کہ گلاب کی نرمی، ملائمت، حسن، خوشبو اور دعوت مل کر ایسا منظر پیدا کرتے ہیں جو انسان کا سر خالق کے سامنے جھکا دے، کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس زمین پر کروڑوں اربوں سر ہیں جو خالق کے سامنے نہیں جھکتے بلکہ برملا خالق کے وجود سے ہی انکاری ہیں تو اِن کے لیے جواب یہ ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو سرے سے انسان کہنا ہی پسند نہیں کرتا بلکہ انھیں جانور کہتا ہے۔سورۃ الاعراف

کی اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ انھیں جانور کے طور پہ قبول کرنے کو بھی تیار نہیں بلکہ فرمایا گیا کہ یہ تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!

أُوْلَـئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (179)

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 179/7)

ترجمہ؛

”یہ لوگ تو جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو اصل میں گمراہ ہیں“۔

بات ہو رہی تھی کہ کائنات کا کوئی جز اللہ کے احکامات سے انحراف کی جرأت نہیں کر سکتا چنانچہ ثابت ہوا کہ زمین و آسمان اور جو کچھ زمین و آسمان کے بیچ ہے اُن سب پر اللہ ہی کی حکمرانی ہے صرف انسان ہے جسے اللہ نے کسی قدر اختیار دیا اور اُسے آزمایا کہ پوری کائنات کی طرح کیا یہ بھی میرا مطیع وفرمانبردار بن کے رہتا ہے یا انحراف کی راہ اختیار کرتا ہے، باغی بن جاتا ہے کہ غلام، سرکش بن جاتا ہے یا تابعدار، مستشرکین کی ایک بڑی اکثریت نے انسانوں کی راہ کھوٹی کی اور انھوں نے اللہ کی ذات کو لوگوں کے سامنے ایک من موجی جابر (Tyrant) کی صورت پیش کیا کہ وہ چاہے تو کسی کو جہنم میں پھینک دے چاہے تو کسی کو جنت میں لے جائے۔

ساتھ ہی انھوں نے کہا کہ یہ کائنات خود سے خود ہی چل رہی ہے اور محض ایک کھیل تماشا ہے۔ کائنات کی بے مقصدیت سے انسان کی بے مقصدیت ظاہر ہوتی ہے اور مغرب کا دانش ور یہی چاہتا ہے کہ انسان اس دنیا کو کھیل تماشا سمجھے اور ایک غیر سنجیدہ زندگی گزار کر مٹی ہو جائے حالانکہ اس طرح مٹی ہو جانا اُسے کوئی فائدہ نہ دے گا بلکہ اللہ کا عذاب اُسے ہر حال میں آلے گا۔ حقیقت تو یہ

ہے کہ یہ دنیا یہ زندگی نہایت سنجیدگی اور تفکر و تدبر کی متقاضی ہے۔ کیونکہ تفکر و تدبر کے بغیر انسان کبھی اپنے خالق تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ کبھی اُسے اُن احسانوں کا شعور حاصل ہو سکتا ہے جو خالق نے اُس کی ذات پر کیئے۔ سیرت المزمل ؐ میں کئی مقامات پر اس امر کا تفصیلی تذکرہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کو سجدہ کرو۔ فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا اور آدم کا اکرام مسلّم ہو گیا۔

تاہم شیطان نے اس سے انکار کیا اور باغی ہو گیا، اللہ نے اُسے مہلت دی اور شیطان نے تہیہ کیا کہ اب وہ انسان کو اللہ کی راہ سے بھٹکائے گا اور یہ ثابت کرے گا کہ وہ انسان سے افضل تھا اسی لیے اُس نے انسان کے سامنے سر جھکانے سے انکار کیا تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی اکثر و بیشتر آیات میں انسان کو شیطان کے وسوسے اور دھوکے سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی گئی اور اُسے باور کرایا گیا کہ وہ تمہیں خالق سے بغاوت کی راہ دکھائے گا اس سے بچ کر رہنا۔ شیطان کا یہی وہ دائمی چیلنج ہے جو انسان کی ساری زندگی کو اخلاقی کشمکش کی آماجگاہ بنا کے رکھ دیتا ہے۔ قرآن انسان کو غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن اگرچہ علم و عرفان کو بھی بیان کرتا ہے مگر دلائل و براہین کے ساتھ وہ انسان کو اندھی تقلید سے بھی روکتا ہے بلکہ انسان کو اس امر کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اگر تم غور کرو تو خود تمھارے اندر سے آواز آئے گی کہ ایک خالق ہے، ایک مالک ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور پیدا کر کے یونہی بیچ منجدھار نہیں چھوڑ دیا بلکہ اُس کی رہنمائی کے لیے نبی بھیجے، رسول بھیجے، کتابیں بھیجیں اور ساتھ ہی عقل بھی عطا کی تا کہ غور کرنے والے منزل کو پا لیں۔ یہی حقیقی قرآنی اسلوب ہے جس کے نظائر قرآن حکیم میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں، چند آیات سے استفادہ کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!

ِ الْـعَـفْـوَ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّـٰهُ لَكُمُ الآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ (219) فِي الدُّنْيَا وَالآخِـرَةِ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 219/2)

ترجمہ؛

''اللہ تعالیٰ اسی طرح احکام کو صاف صاف بیان کرتے ہیں تا کہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں غور کرو''۔

آگے مزید ارشاد فرمایا کہ!

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (24)

القرآن الحکیم (سورۃ محمد 24/47)

ترجمہ؛

''تو کیا یہ لوگ قرآن پہ غور نہیں کرتے کیا اِن کے دلوں پر تالے پڑے ہیں''۔

آگے مزید ارشاد فرمایا کہ!

كَذَلِكَ يُحْيِي اللّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (73)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 73/2)

ترجمہ؛

''اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا، وہ تم کو اپنی نشانیاں اس لیے دکھاتا ہے تا کہ تم عقل سے کام لو''۔

آگے مزید ارشاد فرمایا کہ!

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (190) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذا بَاطِلاً ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 190-191/3)

ترجمہ؛

"بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لیے، جن کی یہ حالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی لیٹے بھی اور آسمان اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو عبث پیدا نہیں کیا اس لیے کہ تیری ذات اس سے پاک ہے کہ تو کوئی عبث کام کرے"۔

آگے مزید ارشاد فرمایا کہ!

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ O مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ O

القرآن الحکیم (سورۃ زمر 12/39)

ترجمہ؛

"یہ زمین اور آسمان اور جو کچھ اِن زمینوں اور آسمانوں کے درمیان ہے اُس کو ہم نے یونہی بے مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ اس کے پیچھے بہت بڑی حکمت ہے اگرچہ اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں"۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثاً وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ O

القرآن الحکیم (سورۃ المومنون 12/11)

ترجمہ؛

''ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ ہم نے تم کو یونہی مہمل خالی از حکمت پیدا کیا ہے اور تم لوٹ کر ہمارے پاس نہ آؤ گے''۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَمَا هَـٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ O

القرآن الحکیم (سورۃ العنکبوت 64/29)

ترجمہ؛

''اور یہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے حقیقت یہ ہے کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اگر اُن کو علم ہوتا تو وہ ایسا ہرگز نہ کرتے''۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً

Oوَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْداً جُرُزاً O

القرآن الحکیم (سورۃ الکہف 7/18)

ترجمہ؛

''ہم نے زمین کی چیزوں کو انسان کے لیے باعث رونق بنایا تا کہ اس کی آزمائش کر سکیں کہ اِن میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے اور زمین کی تمام چیزوں کو ایک روز ہم فنا کر دیں گے''۔

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (1) الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُورُ (2) الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقاً مَّا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِن فُطُورٍ O

القرآن الحکیم (سورۃ الملک 1-3/67)

ترجمہ:

''خدا بڑا عالیشان ہے جس کے قبضہ وقدرت میں ساری کائنات ہے۔اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اُسی نے موت وحیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھا عمل کرنے والا ہے وہ زبردست ہے اور بخشنے والا ہے۔اُس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے اور تو اُس کی کاریگری میں کوئی کمی نہ پائے گا''۔

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (22) أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الجاثیہ 21-23/45)

ترجمہ؛

''اللہ نے زمین و آسمان کو برحق پیدا کیا ہے تا کہ ہر شخص کو اُس کے عمل کا بدلہ دیا جا سکے اور وہاں کسی کے ساتھ ظلم نہ کیا جائے گا۔کیا آپ نے اُس شخص کی حالت دیکھی ہے جس نے اپنے نفس کو خدا بنا رکھا ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے تو اب اس کو کون ہدایت دے گا؟؟؟

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (26) وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُونَ (27) وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَى إِلَى كِتَابِهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الجاثیہ 26-28/45)

ترجمہ؛

"کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے اور اللہ ہی جب چاہے گا تم کو موت دے گا اور قیامت کے دن جس کے ہونے میں ذرا بھی شک نہیں لوگوں کو اکٹھا کرے گا اگر چہ اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں۔اور اللہ ہی کی حکمرانی ہے زمین میں اور آسمانوں میں اور محشر کے روز جس روز انکار کرنے والے خسارے میں پڑ جائیں گے۔اُس روز آپ دیکھیں گے کہ ہر گروہ خوف کے مارے گرا جاتا ہے جہاں ہر ایک کو نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ آج تم کو تمہارے عمل کا ٹھیک ٹھیک بدلہ دے دیا جائے گا "۔

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ○

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 185/3)

ترجمہ؛

"ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو پورا بدلہ قیامت کے روز ہی دیا جائے گا اور جو شخص دوزخ کی آگ سے بچ گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہی کامیاب قرار پائے گا ۔اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف دھوکے کا سودا ہے"۔

اوپر تحریر کی گئی آیات سے پورے قرآن کی مجموعی ماہیت کا اظہار ہو رہا ہے، کائنات کی مقصدیت

زندگی کی مقصدیت، آخرت کی حیثیت، دنیا کی ثانوی حیثیت، موت کا یقین، امتحان کی کیفیت انسان کی آزمائش، سزا اور جزا کا تصور، قیامت کا خوف، جنت کے انعام کا وعدہ، دوزخ کے مہیب عذاب سے بچنے کی تلقین، انسان اور زندگی اور زندگی میں اللہ کی اطاعت کی طرف رغبت، الغرض انسان کو زندگی میں پیش آنے والے اکثر مراحل سے آگاہی بیان کردی گئی۔قرآن حکیم کا انداز یہ ہے کہ وہ انسان کو اپنی بات سمجھانا چاہتا ہے اُس کے لیے مثالیں دیتا ہے اور یہ اللہ کی انسان سے محبت کا اظہار ہے، اللہ کی خواہش ہے کہ انسان اُس امتحان میں کامیاب ہو جائے جس میں اُس کو ڈالا گیا ہے اسی لیے تو مثالیں دے دے کے سمجھاتا ہے ذیل میں دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں‘‘۔

ارشاد ہوا کہ!

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا
ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاء (24) تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا
وَيَضْرِبُ اللّهُ الأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (25) وَمَثلُ كَلِمَةٍ
خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ (26)
يُثَبِّتُ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ
وَيُضِلُّ اللّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللّهُ مَا يَشَاءُ (27) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ
بَدَّلُواْ نِعْمَةَ اللّهِ كُفْراً وَأَحَلُّواْ قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (28) جَهَنَّمَ
يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ (29) وَجَعَلُواْ لِلّهِ أَندَاداً لِّيُضِلُّواْ عَن سَبِيلِهِ
قُلْ تَمَتَّعُواْ فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ (30)

القرآن الحکیم (سورۃ مریم 23.29/14

ترجمہ:

’’کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان کی ہے کلمہ طیبہ کے بارے میں کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ انتہائی مضبوط اور گہری ہے اور اُس

کی شاخیں اونچی جا رہی ہیں اور وہ خدا کے فضل سے ہر فصل میں اپنا پھل دیتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ایسی مثالیں اس لیے بیان فرماتے ہیں تا کہ وہ بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔اور گندہ کلمہ (یعنی کفر و شرک) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب درخت ہو جسے زمین کے اوپر سے ہی اکھیڑ لیا جائے اور اُس کو کچھ ثبات نہ ہو،اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ) سے دنیا اور آخرت میں محفوظ رکھتا ہے ۔اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت سے انکار کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں پہنچا کر چھوڑا جس میں وہ رہیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے"۔

درخت کی ہیت پہ غور کریں جس کی اللہ نے اِن آیات میں مثال دی ہے کہ درخت ایک زندہ حقیقت ہے جس کی اصل بیج ہے، بیج جب اپنی توسیعی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو وہ ایک تناور درخت دکھائی دیتا ہے جو لوگوں کو پھل اور سائے کی راحت فراہم کرتا ہے۔بیج جب اپنی زمین میں متمکن ہو جاتا ہے تب وہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے، وہ اپنے اطراف کی پوری دنیا سے اپنی خوراک لیتے ہوئے آگے بڑھتا ہے یہاں تک کہ وہ آخری توسیعی صورت میں ایک تناور درخت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔یہ درخت، بیج، پودا، جڑ، تنا، شاخ، پتی، پھول اور پھل کا مجموعہ بن جاتا ہے۔اب اُس بیج سے اِسے کوئی نسبت نہ رہی جو پہلے دن زمین میں ڈالا گیا تھا۔بیان کیا گیا کہ یہی ایمان کی حقیقت ہے کہ اللہ پر ایمان ایک ایسی حقیقت ہے جو توسیع پذیر ہے۔جس طرح کہ درخت کا بیج بڑھا اسی طرح ایمان بھی ہر لمحہ بڑھتا رہتا ہے۔ایمان جب انسان کے سینے میں جگہ بنا لیتا ہے تو اُس کے بعد بڑھنے لگتا ہے ،خدا کی پوری کائنات اُس کے لیے زرق خیر کا دسترخوان بن جاتی ہے۔حیات انسانی کے ہر پہلو سے اس کا ظہور جاری رہتا ہے۔یہاں تک کہ لوگ ایک مومن شخص کا دیدار کرتے ہیں جو اپنے رب

کا پوری طرح تابعدار ہوتا ہے اور اُس کے چہرے کا نور لوگوں کی نگاہوں کو چندھیا دیتا ہے۔ یاد رکھیں کہ جس طرح درخت تنا شاخ اور پھول اور پھل کی صورت ظاہر ہوتا ہے اسی طرح ایمان بھی ایک فرد کی زندگی میں مختلف اور متنوع صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے یہاں تک کہ باایمان فرد ایک ایسی شخصیت بن جاتا ہے جو اپنے توسیعی پہلو کے لحاظ سے زمین وآسمان کی وسعتوں میں پھیلا ہوا ہو۔ایمان کا یہ توسیعی اضافہ مختلف صورتوں میں الگ الگ ممیّز کیا جائے تو ان کو شکر، خشوع تواضع، توکل، عبادت ، صبر ،اخلاق ،حسن معاملہ ،ایفاء عہد، عدل، امانتداری، ادائیگی حقوق ، امر بالمعروف، دعوت الی اللہ کے صورت بیان کیا جاسکتا ہے۔

ایک اور مثال دیکھئے ارشاد ہوتا ہے کہ!

أَوَ مَن كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ (122)

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 122/7)

ترجمہ؛

''وہ شخص مردہ تھا ہم نے اس کو زندگی دی اور ہم نے اس کو روشنی دی کہ اس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کیا ایسا شخص کافروں کی طرح ہوسکتا ہے جو تاریکیوں سے نکلنے ہی نہیں پاتا اور کافروں کو اُن کے اعمال بھلے معلوم ہوتے ہیں''۔

یعنی ایمان جب کسی فرد کی اندرونی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے تو زندگی کے خارجی پہلوؤں میں بھی اُس کا عکس دکھائی دینے لگتا ہے اور لوگ اسے بھلے آدمی کے طور پر جاننے لگتے ہیں ایسے آدمی کو عرف عام میں شریف آدمی بھی کہا جاتا ہے۔یادرہے کہ شریف شرف سے ہے جو اللہ نے انسان کو بطور خاص

عطا کیا ہے اور باقی تمام مخلوق کو اس سے عاری رکھا ہے۔اوپر تحریر کی گئی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن اللہ کا نور ہے جو انسان کے سینے کو روشنی سے بھر دیتا ہے جس سے ایک فرد مومن میں اصلاح کا بے پناہ جذبہ پیدا ہوتا ہے اس طرح جذبہ اصلاح کا ایک ظہور وہ ہے جو مومنوں کی جماعت کے درمیان ہوتا ہے اور دوسرا وہ ہے جس کا ظہور غیر مسلموں کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ پہلے گروہ کے درمیان مومن کے اس اصلاحی کام کا عنوان قرآن کے الفاظ میں" **امر بالمعروف و نہی عن المنکر**" ہے اور غیر مسلموں کے درمیان اس اصلاحی کام کا عنوان" **دعوت الیٰ اللّٰہ**" ہے۔اس قسم کے افراد جب قابل لحاظ تعداد میں اکٹھا ہو جائیں تو اُن کے لیے اس اجتماعی نصرت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے جس کو قرآن حکیم میں تمکن فی الارض کہا گیا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اللہ کا انسانوں پر احسان ہے کہ اُس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے یہ کتاب اتاری ورنہ انسان پتا نہیں کن کن اندھیری راہوں میں منزل کو کھوجتا پھرتا۔غیر مسلم بھی اگر انصاف پسندی سے اس کتاب کو دیکھیں تو جانیں گے کہ اس کتاب نے انسانیت پر کس قدر مثبت اثرات ثبت کیے ہیں۔نگاہ حق سرعت کے ساتھ اس امر کا اندازہ کر لیتی ہے کہ قرآن حکیم عالم انسانیت کا محسن ہے یہی وہ احساس ہے جو کسی بھی شخص کو اس کتاب کی طرف سنجیدگی سے راغب کر سکتا ہے۔ایک انصاف پسند غیر مسلم اگر قرآن مجید پر نگاہ دوڑائے تو وہ بہت جلد اس نتیجے تک پہنچ جائے گا کہ اس کتاب نے انسانی تاریخ پر کس قدر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔حقیقت بھی یہی ہے کہ دنیا میں آج تک کوئی ایسی کتاب سامنے نہیں آئی جس نے دنیا پر اس قدر دور رس اثرات مرتب کیے ہوں۔صرف سائنس کے حوالے سے جانیں کہ قرآن نے انسانوں کو فطرت کے قریب جانے میں کس قدر مدد کی ہے۔

دیکھیں کہ صدیوں پہلے دنیا کے لوگوں کا اعتقاد تھا کہ جو بھی چیز انسان کے لیے فائدہ مند ہے یا اُس کو نقصان پہنچا سکتی ہے وہ مقدس ہے۔انسانوں کے اندر اس جہالت نے کم علمی کی وجہ سے بہت گہرا تاثر قائم کیا اور انھوں نے ہر نافع وضار چیز کے گرد تقدس کا ہالہ کھینچ دیا جس سے تمدن اور علم کی ترقی

رُک گئی اس لیے کہ اگر سورج دیوتا ہوتو کون اس کی تحقیق کرے گا کہ نظامِ شمسی کا یہ روشن ستارہ انسان کے لیے کون کون سی خدمات انجام دے رہا ہے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ انسانوں نے ہر کائناتی قوت کو محترم اور مقدس قرار دے دیا اور اُس کی پوجا کی جانے لگی۔ پھر کلامِ مقدس میں انسان کو بتایا گیا کہ کائنات میں جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے اُسے تمھاری خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن نے ہی لوگوں کی اس غلطی کی اصلاح کی اور کہا کہ پوری کائنات میں اللہ کے سوا اگر کوئی چیز مقدس ہے تو وہ انسان ہے اس کے علاوہ کسی چیز کا کوئی تقدس نہیں اور لوگوں نے اپنے دل سے چیزوں کا جو تقدس بنالیا ہے اُس کی کوئی حقیقت نہیں۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ○

القرآن الحکیم (سورۃ بنی اسرائیل 17/70)

ترجمہ:

”اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور اُن کو خشکی اور تری میں سواریاں دیں اور اُن کو پاک چیزوں سے رزق عطا کیا اور بہت سی اُن چیزوں پر جو ہم نے پیدا کی ہیں اِن کو ایک طرح کی فضیلت عطا کی ہے“۔

مزید ارشاد فرمایا کہ!

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِّأُولِي الألْبَابِ (190) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىَ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذا بَاطِلاً ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 190-191/3)

ترجمہ؛

''بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لیے، جن کی یہ حالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی لیٹے بھی اور آسمان اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو عبث پیدا نہیں کیا اس لیے کہ تیری ذات اس سے پاک ہے کہ تو کوئی عبث کام کرے''۔

چنانچہ جب پہاڑوں سے، دریاؤں سے، سمندروں سے، آگ سے، پانی سے، سورج سے، چاند سے، ستاروں سے تقدس کا ہالہ ہٹ گیا تب انسان اُن کو مسخر کرنے کی طرف نکلا اور یہ صرف قرآن کا اعجاز ہے کہ اُس نے لوگوں کو اشیا کے تقدس سے نکالا۔ غور کریں کہ نزول قرآن سے قبل انسان کا کائنات کے بارے میں کیا علم تھا اور نزول قرآن کے بعد انسان جستجو اور تحقیق کے کن جہانوں میں داخل ہوا۔ غور فرمایئے اگر قرآن مجید یہ بند دروازہ نہ کھولتا تو آج تحقیق کا قافلہ جہالت کے کن کن بیابانوں اور اوہام و خرافات کے کن کن صحراؤں میں بھٹک رہا ہوتا۔ قرآن حکیم کی ایک اور عطا پر غور کرتے ہیں جس سے پورا عالم انسانیت یکساں طور پر مستفید ہو رہا ہے اور وہ ہے انسانی وحدت اور مساوات کا وہ واضح اور دو ٹوک تصور جو قرآن مجید کے ذریعہ سے پہلی بار دنیا کو عطا ہوا۔ جیسا کہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ نزول قرآن سے قبل دنیا کی ہر قوم میں نسلی، لسانی، قومی، جغرافیائی بنیادوں پر امتیازی سلوک اور اونچ نیچ عام تھی۔ ایسے عوامل و عناصر کی بنیاد پر جو انسان کے اپنے اختیار میں نہ تھے انھی کی بنا پر انسانوں کے مابین تفریق کو ایک مستقل صورت دے دی گئی۔ اقوام عالم کے مابین تفریق اور دشمنیوں کی بنیاد کسی نظری یا عقلی یا اخلاقی مصلحت کے بجائے رنگ، نسل زبان اور جغرافیہ

کے امتیازات تھے جو انسان کے دائرہ اختیار میں نہیں ہوتے اس لیے کہ کوئی انسان اپنی نسل خود منتخب نہیں کرتا، کوئی شخص اپنا رنگ خود پسند نہیں کرتا، اور نہ کسی شخص کو مادری زبان منتخب کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے بلکہ یہ چیزیں وہ پیدائش کے وقت اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اِن غیر اختیاری امور کی بنیاد پر انسانی گروہوں اور قوموں کی تشکیل کو قرآن حکیم ایک تعارف کے طور پہ تو تسلیم کرتا ہے مگر وہ اِن بے معنی چیزوں کو وحدت انسانی اور مساوات آدم میں مخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ خود ہمارے عصر میں اہل مغرب نے سیاہ رنگ والے انسانوں پر جو عذاب ڈھائے ہیں تاریخ کا ہر طالب علم اُن سے واقف ہے اور کوئی بھی صاحب عدل شخص گوری چمڑی والے انسانوں کے اس عمل کو مستحسن قرار نہیں دے سکتا۔ یہ قرآن ہی ہے جس نے سب سے پہلے انسانی مساوات کا اعلان کیا اور فرمایا کہ کسی گورے کو کسی کالے پر کسی کالے کو کسی گورے پر، کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے یہ عہد آفریں اعلان کیا کہ وحدت الٰہ کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وحدت آدم کے اصول کو تسلیم کیا جائے۔ ایک معبود کے مقابلہ میں بقیہ تمام لوگوں کی حیثیت سوائے عباد کے اور کیا ہو سکتی ہے۔

زمین و آسمان کی ہر ذی روح اور ذی عقل مخلوق کی اللہ کے سامنے ایک ہی حیثیت ہے اور وہ ہے عبدیت۔ اس عبدیت میں نہ صرف تمام انسان بلکہ تمام ملائکہ و جنات ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ اس اشتراکِ عبدیت میں نہ کسی قبیلہ کو دوسرے قبیلے پر کوئی برتری یا تقدس حاصل ہے اور نہ کسی نسل کے مقابلہ میں کسی دوسری نسل کو برتری حاصل ہے۔ حتیٰ کہ خود رسول اللہ ﷺ کے خاندان قریش کو عرب کے دوسرے قبائل پر کسی قسم کی برتری عطا نہ فرمائی گئی۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل قریش عربوں کے روحانی رہنما بنے ہوئے تھے۔ تاریخ مذاہب وملل کے تناظر میں اگر انسانی مساوات کا مطالعہ کیا جائے تو قرآن کی حقیقت کھل کے سامنے آجاتی ہے اور وہ اعجاز واضح ہو جاتا ہے جو قرآن نے انسان کو مساوات کی صورت عطا کیا۔ اس کے برعکس دنیا کے بیشتر قدیم مذاہب میں عام رواج کے برعکس اسلام میں کسی نسل یا قبیلہ کو کوئی مذہبی تقدس حاصل نہیں۔ ہمارے ہاں

خانقاہی نظام نے اسلام کے اس تصور کو متاثر کیا ہے اور لوگوں کو ادنیٰ اور اعلیٰ میں منقسم کیا ہے۔ اسلام کی تاریخ دیکھیں تو بد سے بدتر حالات میں بھی کسی مسلمان فرمانروا نے خود کو آفتاب زادہ یا ماہتاب زادہ کہلانے کی جرأت نہیں کی۔ ہمارے ملک میں موجود خانقاہی نظام اور نام نہاد جھوٹے تصوف نے اسلام کے تصورِ مساوات کو کافی نقصان پہنچایا ہے جس سے لوگ کچھ اضطراب کا شکار ہیں مگر اس سے اسلام کے مجموعی تصورِ مساوات میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ یہ ایک مقامی تہذیب کا مسئلہ ہے جو علم کے عام ہونے سے ختم ہو جائے گا جب کہ مسلمان تو دنیا کے کونے کونے میں بستے ہیں۔

اسلام نے طبقات کی زد میں کچلی ہوئی انسانیت اور امتیازی سلوک کا شکار ہونے والی آدم کی اولاد کے لیے یہ پیغام تبدیلی کی ایک بہت بڑی نوید تھا جسے دنیا نے پہلے حیرت سے سنا اس کے بعد جلدی سے اپنا لیا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت سے بیس سال بعد ہی اسلام عرب سے نکل کر افریقہ اور ایشیا کی بہت سی بستیوں تک پہنچ چکا تھا اور روم و ایران کی متمدن ریاستیں خس و خاشاک کی طرح بکھر چکی تھیں اور یہ سب اسلام کے تصورِ مساوات کا نتیجہ تھا۔ عربوں کی آنکھیں پھٹنے کو آئی تھیں جب آپ ﷺ نے اعلان کیا تھا کہ آج سے بنی لاوی کو کوئی خصوصی مذہبی اختیارات حاصل نہ ہوں گے۔ چونکہ عرب جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فقرے سے قریش کا صدیوں سے سجا سجایا مذہبی نظام تلپٹ ہو کے رہ جائے گا۔ اس لیے انھوں نے اس پیغام کی مخالفت کی۔

تاہم بالآخر رسول اللہ ﷺ کا یہ فقرہ غالب ہوا اور ابو سفیان اور بلال ایک دسترخوان پر اکٹھے ہوئے جب کہ دوسری دنیا کی یہ حالت تھی اور بیشتر قوموں میں اب بھی یہی حالت چلی آ رہی ہے کہ اُن کے لوگوں کے مخصوص طبقات کو مذہبی سیادت حاصل تھی اور اب تک حاصل ہے جیسا کہ ہندوستان پر نظر دوڑائیں کہ برہمن اپنی پیدائش کے اول روز سے نسلی اور مذہبی طور پر بالادست پیدا ہوتا ہے اور اپنی موت تک اعلیٰ اور برتر تصور کیا جاتا ہے۔ جبکہ شودر جو برہما کے پاؤں سے پیدا ہوا وہ اپنی زندگی کے پہلے دن سے لے کر اپنی موت تک ایک پست اور ذلیل زندگی بسر کرتا ہے۔ یہی وہ طبقاتی تقسیم ہے جس نے انسانوں کے مابین اُس مہیب خلیج کو جنم دیا جس نے آدم کی اولاد کو متفرق کر دیا۔ یہاں تک

کہ بعض معاشروں میں مذہبی اجارہ داری کی یہ انتہا بھی دیکھی گئی کہ گناہوں کی معافی تک کے اختیارات لوگوں نے خالق کی بجائے اپنے ہاتھ میں لے لیے اور چند ٹکے وصول کر کے وہ لوگوں کو گناہوں سے پاک کرنے لگے۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ مذہبی پیشوا لوگوں سے روپے لے کر لوگوں کو جنت کے پروانے جاری کرتے رہے۔ قرآنی تعلیمات نے انسان کو جس مساوات کی تعلیم دی اُس کی روشنی سورج کی طرح واضح اور تیز ہے۔ قرآن نے اعلان کر دیا کہ اب انسان خالق سے براہ راست کسی بھی وقت کہیں بھی ہر لمحہ ہر جگہ ہر کوئی خالق کائنات سے رابطہ کر سکتا ہے۔ وہ ہر ایک کی سنتا ہے اور ہر ایک کی پکار کا جواب دیتا ہے اُس کی نگاہ اس قدر باریک بیں ہے کہ کائنات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جو اس کے علم میں نہ ہو تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا اپنے ہاتھ سے پیدا کیے ہوئے انسان کے حال سے واقف نہ ہو۔ چنانچہ قرآن کے اس تصور نے انسان کو واسطوں اور وسیلوں کے اُس مہیب سلسلے سے بے نیاز کر دیا جس سے انسان کے دکھ میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہو رہا تھا اور وہ پنڈتوں، پروہتوں، ربیوں اور پیروں کے در پہ پڑا اس بات کا منتظر رہتا تھا کہ وہ اس کی بات کو بارگاہ الٰہی تک پہنچائیں۔ وحدتِ انسانی ہی کی برکات میں ایک اہم برکت اور قرآن مجید کی سب سے اہم عطا بنی آدم کی تکریم ہے، یاد رہے کہ قرآن کے اس تصور میں کوئی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب اس کی شریک و سہیم نہیں۔ جب کہ قرآن حکیم آغاز میں ہی وحدتِ بشر اور خلافتِ آدم کے تصور کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی تعلیم قرآن حکیم میں جا بجا اور نئے نئے انداز و اسلوب سے بیان کی گئی ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ!

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ (6) وَتَحْمِلُ
أَثْقَالَكُمْ إِلَى بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُوفٌ
رَّحِيمٌ (7) وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا
تَعْلَمُونَ (8) وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْ شَاء

لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (9) هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُم مِّنْهُ
شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ (10) يُنبِتُ لَكُم بِهِ الزَّرْعَ
وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالأَعْنَابَ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لِّقَوْمٍ
يَتَفَكَّرُونَ (11) وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالْنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
وَالْنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (12)
وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الأَرْضِ مُخْتَلِفاً أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ
(13) وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُواْ مِنْهُ لَحْماً طَرِيّاً وَتَسْتَخْرِجُواْ
مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُواْ مِن فَضْلِهِ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (14) وَأَلْقَى فِي الأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ
وَأَنْهَاراً وَسُبُلاً لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (15) وَعَلامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ
يَهْتَدُونَ (16) أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ أَفَلا تَذَكَّرُونَ (17) وَإِن
تَعُدُّواْ نِعْمَةَ اللّهِ لاَ تُحْصُوهَا إِنَّ اللّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (18) وَاللّهُ يَعْلَمُ
مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ O

القرآن الحکیم (سورۃ النحل 16/19-5)

ترجمہ:

''اور ہم نے جانوروں کو پیدا کیا جن میں تمھارے لیے سردی سے حفاظت کا سامان ہے اور دیگر منفعتیں ہیں جن میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ اِن میں تمھارے لیے ایک شان و جمال ہے جب کہ تم صبح اُن کو لے کر جاتے ہو اور شام کو واپس لاتے ہو۔ وہ تمھارے بوجھ ڈھو کر اس مقام تک لے جاتے ہیں جہاں تک تم بغیر شدید دقت کے نہیں پہنچ سکتے۔ تمھارا رب بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ گھوڑے اور خچر اور گدھے تمھاری سواری کے لیے ہیں اور سامانِ زیست ہیں۔ خدا اور بہت سی چیزوں کو

پیدا کرتا ہے جن کا تم کو علم بھی نہیں ہے۔ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا، اس میں سے کچھ تمھارے پینے کے لیے ہے اور کچھ درختوں کی پرورش کے کام آتا ہے جن سے تم اپنے جانوروں کے لیے چارہ حاصل کرتے ہو۔ اسی پانی سے خدا تمھارے لیے کھیتی اور انگور اور طرح طرح کے پھل اُگاتا ہے۔ اِن چیزوں میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ اسی نے تمھارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند اور تارے مسخر کیے ہیں، یہ سب اسی خدا کے حکم سے مسخر ہیں اِن میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں اور بہت سی وہ مختلف الانوع چیزیں ہیں جو اللہ نے زمین میں تمھارے لیے پیدا کی ہیں اِن میں سبق حاصل کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ اور وہ خدا ہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کیا کہ اس سے تم تازہ گوشت (مچھلی) نکال کر کھاؤ، اور زینت کا سامان (موتی وغیرہ) نکال کے پہنو۔ اور تو دیکھتا ہے کہ کشتیاں پانی کو چیرتی ہوئیں سمندر میں بہتی چلی جاتی ہیں۔ چنانچہ سمندر کو اس لیے بھی مسخر کیا گیا کہ تم لوگ اللہ کا فضل تلاش کرو (یعنی تجارت کرو) شاید کہ تم شکر بجالاؤ۔ اس نے زمین میں پہاڑ لگا دیئے کہ زمین تم کو لے کر جھک نہ جائے اور دریا اور راستے بنا دیئے کہ تم منزل مقصود کی راہ پاؤ۔ اور بہت سی علامات بنائیں منجملہ اُن کے تارے بھی ہیں جن سے لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں اور کیا پیدا کرنے والا اُس کے برابر ہوسکتا ہے جو پیدا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرو تو اُن کو بے حساب پاؤ گے۔ اللہ واقعی بڑی مغفرت والا اور بہت رحم کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ تمھارے پوشیدہ اور کھلے ہوئے تمام رازوں سے آگاہ ہے"۔

آگے مزید ارشاد فرمایا کہ!

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ
الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا○

القرآن الحکیم (سورۃ بنی اسرائیل 17/70)

ترجمہ:

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور اُن کو خشکی اور تری میں سواریاں دیں اور اُن کو پاک چیزوں سے رزق عطا کیا اور بہت سی اُن چیزوں پر جو ہم نے پیدا کی ہیں اِن کو ایک طرح کی فضیلت عطا کی ہے''۔

یا پھر فرمایا کہ!

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا
مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ
قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (30) وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ
عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِن كُنتُمْ
صَادِقِينَ (31) قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ
الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (32) قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا
أَنبَأَهُم بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ (33) وَإِذْ قُلْنَا
لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ
الْكَافِرِينَ (34) وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا
رَغَداً حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ

(35) فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا
اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ
O

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 2/35-30)

ترجمہ؛

''اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں تو انھوں نے کہا! اے ہمارے رب کیا تو اُس کو زمین میں اپنا نائب بناتا ہے جو وہاں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا؟ حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح اور تیری تقدیس بیان کرتے ہیں۔اللہ نے فرمایا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے،اور اُس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے۔ پھر اُن کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا، اگر تم سچے ہو تو مجھے اِن چیزوں کے نام بتاؤ؟ انھوں نے کہا' پاک ہے تیری ذات، ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے جو توں نے ہم کو سکھایا ہے، اور تو ہی علم رکھنے والا ہے اور تو ہی حکمت کا مالک ہے۔خدا نے کہا! اے آدم اِن فرشتوں کو اِن چیزوں کے نام بتاؤ۔پس جب آدم نے فرشتوں کو اُن چیزوں کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرمایا' میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی سب مخفی باتیں جانتا ہوں اور جو کچھ تم چھپاتے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو مجھے اُن سب کا علم ہے۔اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو اُن سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ اُس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور نافرمانوں میں سے ہو گیا۔اور ہم نے آدم سے کہا کہ اے آدم تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو اور اس میں جہاں سے چاہو با فراغت کھاؤ مگر اس درخت کے پاس بھی نہ پھٹکنا کہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ مگر شیطان نے اُن کو جنت سے اکھاڑ دیا اور وہ جس خوشحالی میں تھے اُس سے اُن کو نکلوا دیا''۔

آج بھی مذہبی اجارہ داری کا تصور موجود ہے اور دنیا کے تقریباً ہر مذہب میں اس کا تصور موجود ہے۔ بدقسمتی سے تصوف کے راستے سے یہ قبیح عمل اسلام میں بھی راہ پا گیا ہے اور لوگ تصورِ شیخ کے پیچھے خوار ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بت خانے کا پنڈت ہو، کسی گرجا کا پادری ہو، کوئی ربی ہو، پیر ہو، راہب ہو، جوگی ہو، پروہت ہو لوگوں سے یہی کہے گا کہ اللہ رب العزت کے ہاں اُس کی خاص تکریم ہے اس لیے جس نے خدا تک پہنچنا ہے وہ پہلے ہمارے در پہ آئے۔ یہی وہ دیواریں ہیں جو انسان اور خدا کے درمیان براہ راست رابطے کے سخت خلاف ہیں اس لیے کہ اگر ہر کوئی رب کو پکارنا شروع کر دے تو اِن لوگوں کے آنگن تو ویران ہو کے رہ جائیں اور اس بات کو کوئی بھی پسند نہ کرے گا۔ چنانچہ بہت سے لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی قلیل متاع کے لیے لوگوں کو گمراہ کیا اور اللہ کے عذاب کو دعوت دی۔ کہنے کو تو یہ لوگ اللہ اور اُس کے بندوں کے درمیان رابطہ اور وسیلہ ہیں مگر حقیقت میں یہی لوگ اللہ اور اُس کے بندوں میں رکاوٹ ہیں۔ پہلے بھی دنیا میں یہی رواج تھا اور آج بھی بہت سی جگہوں پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ دوسری قومیں تو خیر اس لیے ہدایت سے عاری ہیں کہ وہ حق سے دور ہیں، اسلام سے دور ہیں، رسول اللہ ﷺ سے دور ہیں، قرآن سے دور ہیں مگر مسلمانوں کو تو سمجھنا چاہیے کہ حقیقت کیا ہے اور اللہ کی منشا کس کام میں ہے اور اُس کا حکم کیا ہے؟؟؟ قرآن نے انسان اور اُس کے رب کے درمیان سے تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا اور فرمایا کہ "**ادعونی استجب لکم** " مجھے پکارو میں تمھاری پکار سنوں گا۔ پھر فرمایا: " **اجیب دعوۃ الداع اذا دعان** " یعنی جب بھی کوئی پکارنے والا مجھے پکارے گا تو میں اُس کی پکار کو سنوں گا اس کو جواب دوں گا۔ بظاہر یہ دو چھوٹی چھوٹی آیات ہیں لیکن اِن کی اہمیت لازوال ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم کی آیات نے کس قدر عظیم انقلاب بپا ہے۔ قرآن حکیم نے ہر قسم کی غلامی کو ختم کر دیا ہے کوئی جانے تو اُس پہ ظاہر ہو جائے گا کہ قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے جس نے دنیا کو

نئے انقلاب، نئی زندگی، نئی تہذیب، نئے تمدن، نئے قانون، نئے عقیدے، نئی ثقافت، نئے چلن اور نئی روشنی سے متعارف کروایا ہے۔اگر لوگ اس نئی روشنی نئے چلن اور نئے انقلاب کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہیں تو انھیں قرآن کی طرف متوجہ ہونے پڑے گا قرآن کے نزول، وحی کی کیفیت اور زمانہ نزول کے پس منظر کو نظر میں رکھنا ہوگا کیونکہ یہی وہ راستہ ہے جس سے قرآن فہمی میں آسانی پیدا ہوتی ہے اور قرآن انسان کے سامنے نئی منزلوں کے نشان اگلتا چلا جاتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وحی کی کچھ کیفیت بیان کر دی جائے تا کہ کلام الٰہی کی عظمت کو سمجھنے میں کچھ مدد مل سکے۔ہم مسلمان ہیں ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر تیئیس سال تک وحی نازل ہوتی رہی اور قرآن مکمل ہوتا رہا، احکامات اترتے رہے،قوانین اترتے رہے، ہدایت کے صحیفے اترتے رہے۔مگر سوال یہ ہے کہ نزول قرآن کا طریقہ کیا تھا۔بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ کا احسان ہوا اور آپ ﷺ کو نبوت و رسالت کے لیے منتخب کر لیا گیا۔اللہ کے مقرب ملائکہ حضرت جبرائیل اللہ کا پیغام لے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف اترے اور آپ ﷺ کے قلب مبارک پر وہ قول ثقیل نازل کیا گیا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر اُس کو پہاڑ پر اتار دیا جاتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

اللہ کی وحی رسول اللہ ﷺ پہ اترتی ہے غارِ حرا سے اس کا آغاز ہوتا ہے اور یوں نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو کامل تیئیس سال تک جاری رہا اور گیارہ ہجری یا ایک روایت کے مطابق ذیقعدہ دس ہجری کو قرآن حکیم کی تکمیل ہوئی۔قرآن مجید کا مصدر و ماخذ وحی ہے جس کے بارے میں یہاں کچھ عرض کیا جانا مقصود ہے۔کلام عرب میں وحی کے لفظی معنی خفی اور سریع اشارہ کرنا۔یعنی خاموشی کے ساتھ کسی کو جلدی سے اس طرح کوئی اشارہ کر دینا کہ اشارہ پانے والا اشارہ کرنے والے کے پیغام کو پوری طرح سمجھ لے۔اس لطیف ابلاغ کو عربی میں وحی کہا جاتا ہے۔اصحابِ لغت کے مطابق بیان کیا کہ گیا وحی اُس امر کو کہا جائے گا کہ جلدی سے لطیف انداز میں کوئی اشارہ کر دینا جس کو سمجھنے والا اچھی طرح سمجھ لے۔لغت میں وحی کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے کلام عرب میں کثرت سے اس کی

مثالیں موجود ہیں۔یہی لفظ قرآن حکیم میں اپنے لغوی مفہوم کے ساتھ کئی جگہ مستعمل ہے۔
جیسا کہ بیان کیا گیا کہ

واوحی ربك الی النحل ۔ تمھارے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا کہ!

واحینا الی ام موسی ارضیعہ۔ ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال کی کہ بچے کو دودھ پلاؤ۔

اصطلاحی مفہوم میں وحی سے وہ پیغام مراد لیا جائے گا جو اللہ رب العزت کی طرف سے براہ راست یا فرشتے کے واسطے سے انبیاء تک پہنچے۔یادرہے کہ اللہ کے پیغمبروں پر اس لیے وحی کی جاتی ہے تا کہ وہ اسے دنیا کے لوگوں تک منتقل کر دیں اور وہ اس کی روشنی میں منزل فلاح کی طرف راغب ہو جائیں۔

علماء نے کہا کہ وحی تین بنیادی عناصر سے عبارت ہے۔

ا۔ پہلی چیز یہ ہے کہ وحی ایک ایسا ذریعہ علم ہے جو براہ راست اللہ کی طرف سے آتا ہے اور جس ذریعہ سے آتا ہے وہ عام انسانوں کو میسر نہیں ہے بلکہ صرف انبیاء سے خاص ہے۔گویا یہ وہ ذریعہ علم ہے جو ایک مابعد الطبیعی نوعیت رکھتا ہے۔اگر آپ قرآن مجید کے حوالے سے کسی کو اللہ کے کسی حکم سے آگاہ کرتے ہیں تو اُس کو وحی نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ یہ علم آپ کو انسانی ذرائع سے حاصل ہوا ہے آپ نے اپنے اساتذہ یا مطالعہ کے ذریعے سے حاصل کیا ہے اور یہ ذریعہ علم دوسرے لاکھوں لوگوں کو بھی حاصل ہے لہٰذا آپ کا یہ علم وحی نہیں ہے۔وحی سے مراد وہ ذریعہ علم ہے جو مابعد الطبیعی ہو اور دوسرے انسانوں کو حاصل نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے انبیاء کو حاصل ہو۔

۲۔ دوسری بنیادی چیز وحی کی حقیقت میں یہ ہے کہ وہ یقینی اور قطعی ہوتی ہے۔اس کا یقین اور اس کی قطعیت دنیا کی ہر قطعی اور یقینی چیز سے بڑھ کر اور ہر قسم کے شک اور ظن و تخمین سے ماوراء ہے۔ قطعیت اور یقین وحی الٰہی کے بنیادی عناصر اور خصائص میں سے ہے اور اس کی ماہیت اور حقیقت

شامل ہے۔قطعیت پر زور اور اس کو سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ وحی کو دوسرے ذرائع علم سے ممیّز کیا جا سکے۔یعنی بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام انسانوں کے دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے جسے القاء کہتے ہیں۔یہ روزمرہ کا تجربہ ہے جس سے عام آدمی ناآشنا نہیں بلکہ وہ جانتا ہے کہ کئی بار وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے مگر رُک جاتا ہے اور اللہ اُسے اس سے بہتر راہ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے ،یہ القاء ہے۔لیکن یہ امر قطعی اور یقینی نہیں ہے اس میں شک ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈالی ہو یا پھر یونہی انسانی نفس نے اُس خیال کو ابھارا ہو،یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بات واقعی اللہ نے انسان کے دل میں ڈالی ہو۔اب اس القاء اور وحی میں فرق یہ ہے کہ جو چیز قرآن اور سنت ثابتہ کے مطابق ہے اُس کے متعلق تو یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ یہ القاء ہے۔دوسری صورت میں جب وہ خیال قرآن وسنت کے خلاف جاتا ہو تو اس کو بلا کسی تردد کے شیطانی وسوسہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس وحی الٰہی ہمیشہ قطعی اور کسی بھی قسم کے شک وشبہ سے پاک ہوتی ہے۔وحی الٰہی خود میزان ہے جس میں تول کر دوسری چیزوں کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔جب کہ وحی کو وحی ثابت کرنے کے لیے کسی خارجی میزان کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

۳۔ وحی کی بابت تیسرا عنصر یہ ہے کہ وحی کی اتباع کی جاتی ہے وحی حکم کی صورت اترتی ہے اور وحی اترنے والے یعنی پیغمبر اور پیغمبر کی پیروی کرنے والے یعنی امتی کے پاس وحی اتر آنے کے بعد اُس سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی بلکہ اب صرف اور صرف اطاعت ہے۔یہی القاء اور وحی کا بنیادی فرق ہے یعنی آپ کے دل میں کوئی خیال القاء کیا جائے تب بھی یعنی القاء کے بعد بھی انسان اس امر میں آزاد ہے کہ وہ اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنائے یا رُک جائے یا کسی دیگر صورت کو اختیار کر لے مگر وحی اترنے کے بعد اُس کی اطاعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بچتا۔دیکھیں کہ وحی اپنی حقیقت میں ایک ایسا تجربہ ہے جس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے بلکہ اس کی حقیقی ماہیت کو صرف وہی جانتا ہے جس پر وحی اتاری جاتی ہے۔یہ اپنی نوعیت کا ایک غیر معمولی واقعہ ہوتا ہے جو اپنی انفرادیت اور نوعیت میں دنیاوی معاملات سے اس قدر مختلف ہے کہ اس کو بیان کرنے کے لیے

شاید انسانی لغت میں الفاظ بھی موجود نہ ہوں۔اس لیے کہ الفاظ محسوسات اور ظواہر کے اُس منظر کو پیش کرنے تک محدود ہیں جن سے انسان کو کبھی نہ کبھی واسطہ پڑا ہو۔عمومی طور پر بھی جب کسی شخص کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ ہو جائے جو اپنی نوعیت اور حقیقت کے اعتبار سے عام معروفات سے کچھ فاصلے پر ہو تو انسان اُسے بھی بیان کرنے پر قادر نہیں ہوتا اور الفاظ اُس کا ساتھ دینے سے گریزاں ہو جاتے ہیں۔جہاں تک وحی کا تعلق ہے تو وہ یقیناً مادی تحدیدات اور انسانی تخیل سے ماوراء ایک ایسا معاملہ ہے جس کی حقیقی تشریح نہایت دشوار ہے۔

وحی کو بیان کرنا تو کجا وحی کو وصول کرنا بھی اس قدر دشوار تھا کہ اماں حضرت عائشہؓ کے الفاظ میں جب رسول اللہ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوتی تو سردی کے موسم میں بھی رسول اللہ ﷺ کے چہرے اور جسم سے اس قدر پسینہ بہنا شروع ہو جاتا کہ لگتا کوئی فصد کھل گئی ہے۔خود اللہ تعالیٰ نے بھی تو اس بات کو دشوار ہی قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ہم آپ پر ایک بھاری بوجھ اتارنے والے ہیں۔

فرمایا گیا: **انا سنلقی علیك قولاً ثقیلا** ۔ہم آپ پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں جہاں تک تحمل وحی کا تعلق ہے تو وہ بھی ایک دشوار امر تھا جس سے رسول اللہ ﷺ کو شب و روز گزرنا تھا۔اگرچہ رسول اللہ ﷺ پہ وحی کئی مختلف طریقوں سے اترا کرتی۔جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک روز میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر وحی کیسے اترتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا!

عائشہ کبھی تو "**احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس**" مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے جرس کی آواز ہو۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ براہ راست ایک آواز میں اپنے دل و دماغ میں محسوس کرتا ہوں یہ وحی مسلسل ہوتی ہے،اس میں کوئی نشیب و فراز کوئی انقطاع نہیں ہوتا اور یہ وحی مجھ پر سب سے بھاری ہوتی ہے کبھی کبھی پردے کی اوٹ سے بھی مجھ سے کلام کیا جاتا ہے۔

اور کبھی فرشتہ میرے سامنے آدمی کی شکل میں آتا ہے اور مجھ تک اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے اور وحی کی یہ

صورت سب سے آسان ہوتی ہے۔صحابہ کے سامنے،اُن کے ساتھ بیٹھے ہوئے،اُن کے ساتھ سفر کرتے ہوئے،اُن کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے بھی بعض اوقات وحی کی کیفیت رسول اللہ ﷺ پہ طاری ہوجاتی۔اس کے باوجود صحابہ کرام کو اس بات کا درست اندازہ نہ ہوتا کہ آپ ﷺ کے قلب پہ آپ ﷺ کے جسم پہ آپ ﷺ کی روح پہ کیا گزر رہی ہے۔اس ضمن میں محض چند روائتیں بیان کی گئی ہے جن سے کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کس قدر دشوار امر تھا اور تحمل وحی کا حوصلہ اللہ اپنے پیغمبروں کو ہی عطا کرتا ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھا تھا آپ ﷺ کا گھٹنا میری ٹانگ کے اوپر تھا ہم کوئی بات کر رہے تھے کہ اچانک ہی رسول اللہ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوگئی اور میں نے جانا کہ میری وہ ٹانگ جس پر رسول اللہ ﷺ کا گھٹنا تھا جیسے اُس پر اُحد پہاڑ لاد دیا گیا ہو مجھے لگا کہ ابھی ہڈی ٹوٹنے کی آواز آئے گی کہ رسول اللہ ﷺ سے وحی کی کیفیت زائل ہوگئی اور میرے گھٹنے پہ پڑا سخت بوجھ اتر گیا۔آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا زید سورۃ نساء کی آیت **لایستوی القاعدون من المومنین** کے بعد **غیر اولی الضرر** کا اضافہ کردو۔ ایسی ہی دیگر کئی روایات ہیں محدثین نے جن کا تذکرہ کیا ہے۔

بیان کیا گیا کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی قصویٰ پہ سوار تھے،جب آپ ﷺ شہر مکہ میں داخل ہونے کے قریب تھے تو لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی رُک گئی ہے اُس کی ٹانگیں کانپنے لگی ہیں،وہ ہانپ رہی ہے اور پھر یہ بوجھ اُس سے برداشت نہ ہوا اور زمین پر بیٹھ گئی ۔رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔پھر رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی چھلانگ مار کے کھڑی ہوگئی اور اپنی منزل کی طرف چل دی آپ ﷺ صحابہ کے جلو میں چل رہے تھے آپ ﷺ نے وحی محفوظ کرنے والے کسی صحابی کو مخاطب کیا اور فرمایا لکھ لو ۔

و قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً ‘‘ اور صحابہ نے فوراً ہی اس آیت کو محفوظ کرلیا جو اس کام پہ متمکن تھے۔اِن مثالوں سے اس بات کی وضاحت ہو رہی ہے کہ تلقی

وحی کا تجربہ جہاں اور کئی اعتبار سے بڑا بھاری تجربہ تھا وہیں اس میں جسمانی بھاری پن بھی شامل تھا۔اگر چہ حقیقت کے اعتبار سے وحی کا اصل بوجھ جسے اللہ کے انبیاء محسوس کرتے ہیں وہ اِن کا احساس ذمہ داری تھا یعنی وہ احکام جو اللہ رب العزت کی طرف سے اُن پر اتارے جارہے تھے اُن پر خود عمل کرنا پورے معاشرے کو اس کی تلقین کرنا،لوگوں پر اس کو جس طرح بھی ممکن ہو نافذ کرنا اور پیام الٰہی کو ساری دنیا کے لوگوں تک منتقل کرنا ایسے بھاری اعمال تھے جن کا بوجھ صرف انبیاء ہی اٹھا سکتے ہیں کہ انھیں اللہ کی نصرت وحمایت حاصل ہوتی ہے اور عام آدمی سے یہ امر نہایت بعید ہے کہ وہ اس قسم کے کام کو سرانجام دینے کے بارے میں سوچ بھی سکے۔اس سے بھی زیادہ اہم وہ منظر ہوتا ہے جس میں ایک پیغمبر اپنی قوم سے برسرِ پیکار ہوتا ہے اور اُسے عام طور پہ سخت مخالفت وعداوت کا سامنا کرنا پڑتا ہے قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ!

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ (12) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ (13)

القرآن الحکیم(سورۃ البقرۃ 11.12/2)

ترجمہ؛

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی زمین میں فساد بپا مت کرو تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔خبردار حقیقت میں یہ لوگ مفسد ہیں مگر انھیں اس کا شعور نہیں''۔

آگے مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَـٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَـٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (179)

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 179/7)

ترجمہ:

''بہت سے جنوں اورانسانوں کوہم نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اُن کے دل ہیں لیکن وہ اِن سے سوچتے نہیں، اُن کی آنکھیں ہیں مگر وہ اِن سے دیکھتے نہیں، اُن کے کان ہیں مگر وہ اِن سے سنتے نہیں، وہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں''۔

آگے مزید ارشاد فرمایا کہ!

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (46)

القرآن الحکیم (سورۃ الحج 46/22)

ترجمہ؛

''کیا انھوں نے زمین پر چل پھر کے نہیں دیکھا کہ اِن کے پاس دل ہوتے جس سے وہ سوچتے اور سمجھتے، یا اُن کے پاس کان ہوتے جس سے وہ سنتے، اس لیے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں جو دل ہوتے ہیں وہ بصیرت کھو دیتے ہیں''۔

اِن آیات سے انبیاء ورسل کی اُن قوموں کی ذہنیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے جن تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے انبیاء ورسل مامور کیے گئے۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی وحی کا تحمل صرف انبیاء ورسل کا خاصا ہے عام آدمی اس کی قدرت نہیں رکھتا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو وحی کے بارے میں جو کچھ بتایا وہ اس سے زیادہ مختلف نہیں ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن حکیم میں بھی وحی کی ترسیل کے متعلق کچھ اشارت ملتے ہیں جن کے مطالعے سے معاملے کی ماہیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ!

”وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ O

القرآن الحکیم (سورۃ شوریٰ ۴۲ :آیات ۵۱)

ترجمہ؛

”اور کسی آدمی کی یہ تاب نہیں کہ اللہ اِس سے بات کرے لیکن وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی قاصد کو بھیجے تو وہ خدا کے حکم سے خدا جو چاہے اس کو وحی کر دیتا ہے بے شک اللہ بلند اور حکمت والا ہے۔

پھر فرمایا کہ!

” مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىۗ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O

القرآن الحکیم (سورۃ النجم ۵۳ ۔ آیات ۴)

ترجمہ؛

”نبی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو اس کو کی جاتی ہے۔“

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ!

”وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران ۳ ـ آیات ۱۷۸)

ترجمہ؛

”اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتوں پہ تم کو مطلع کرتا لیکن یہ کہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اب اللہ پر اور اُس کے سب رسولوں پہ ایمان لے آؤ کہ اگر تم ایمان لے آئے اور پرہیزگاری اختیار کی تو پھر تمھارے لیے اجر عظیم ہے“۔

آگے پھر ارشاد فرمایا کہ!

”وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران ۳ ـ آیات ۱۷۸)

ترجمہ؛

”اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتوں پہ تم کو مطلع کرتا لیکن یہ کہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اب اللہ پر اور اُس کے سب رسولوں پہ ایمان لے آؤ

کہ اگر تم ایمان لے آئے اور پرہیزگاری اختیار کی تو پھر تمھارے لیے اجرِ عظیم ہے''۔

اِن آیات کے مطالعہ ہے جو باتیں واضح ہوئی ہیں اُن میں یہ بھی ہے کہ وحی علمِ غیب ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں پر اتارتا ہے جس کو اُس نے اس امر کے لیے منتخب کر لیا ہو۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہ اللہ کی وحی قطعی ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ انسان کو گمراہی کے اندھیرے راستوں کی طرف لے جاتا ہے۔ چنانچہ انسان کے لیے اس بات کو تسلیم کر لینے میں ہی بھلائی ہے کہ علمِ وحی ہی وہ واحد علم ہے جو اپنی ماہیت میں انتہائی قطعی اور یقینی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا فرمائی ہے جس کے سہارے اُس نے بہت سے علوم وضع کیے ہیں۔

قرآن حکیم اِن علوم کی نفی نہیں کرتا بلکہ اِن کی افادیت کو تسلیم کرتا ہے اور اسے بھی اللہ ہی کی عطا گردانتا ہے اس لیے کہ عقل بھی تو اللہ ہی کی عطا ہے جس کے سہارے انسان نے چاند اور دیگر سیاروں پر کمندیں ڈال رکھی ہیں۔ تاہم اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ یہ علم جسے بات کو سمجھنے کے لیے ہم کسبی علم کہہ لیتے ہیں بہرحال اپنی نوعیت اور اہمیت میں وحی سے کم تر درجے کا علم ہے اس لیے کہ انسان اپنی عقل کے سہارے اپنی ذاتی کاوش کی بنا پر جو علم حاصل کرتا ہے وہ اکثر ظنی ہوتا ہے اور کبھی کبھی قطعی بھی ہوتا ہے۔ سائنس دان اس بات کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں اور اُن کے ساتھ بارہا یہ تجربہ گزرا ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے علم و تجربے کی بنا پر ایک رائے قائم کی مگر کچھ عرصے کے بعد جب انھوں نے دوبارہ تجربہ کیا تو انھوں نے جانا کہ اس معاملے کے بیچ انھوں نے پہلے جو رائے قائم کی تھی وہ درست نہ تھی اس لیے علم سائنس کو کبھی بھی حتمی علم قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اُس میں ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے۔ افسوس ہے اُن لوگوں کی عقل پر جنھوں نے سائنس کو ہی خدا قرار دے لیا ہے حالانکہ یہ ایک غیر قطعی اور غیر یقینی علم ہے جس کو علمِ وحی کی قطعیت سے دور کی

بھی کوئی نسبت نہیں ہے۔اس کے بعد حق الیقین اور عین الیقین کے بارے میں جانتے ہیں۔جس انسان نے سورج کو دیکھا ہے اُس کو یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ سورج ایسا اور ایسا ہوتا ہے یہ حق الیقین ہے۔مگر کوئی شخص سائبریا میں پیدا ہوتا ہے جہاں بارہ مہینے سورج نہیں نکلتا تو اُس کو بتایا جائے گا کہ ایک سیارہ ہے جو بہت گرم ہے جب رات گزر جاتی ہے اور وہ سر اُفق نمودار ہوتا ہے اور اپنی روشنی سے چہار عالم کو منور کر دیتا ہے۔سائبریا کا رہنے والا اول تو اس بات پہ یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا کہ کوئی ایسا ستارہ بھی ہے جو اس قدر روشن ہے۔آپ اُسے دھوپ کے بارے میں بتائیں گے طرح طرح سے سمجھائیں گے دھوپ ایسی اور ایسی ہوتی ہے مگر شاید ہی وہ شخص دھوپ کا حقیقی ادراک حاصل کر سکے۔

تاہم اسی معاملے کی ایک اور صورت بھی ہے کہ سائبریا والا شخص ایک ایسے شخص کو جانتا ہے جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو، وہ جانتا ہو کہ یہ شخص بہت ایماندار بہت ذمہ دار اور بہت باوقار اور سلجھا ہوا شخص ہے اور اس سے دوروغ گوئی کی توقع عبث ہے تب سائبریا والا شخص اُس سچے آدمی کی بات سن کر یقین کر لے گا یقیناً ایسا ہوتا ہوگا۔یہ یقین کی اولین منزل ہے جسے اصطلاع میں عین الیقین کہا جائے گا، تاہم اگر کسی طرح سائبیریا والے اس شخص کو وہاں سے اٹھا کر پاکستان میں جون جولائی کے مہینے میں ملتان سبی یا جیکب آباد میں لا بٹھایا جائے تب اُس کو سورج کے متعلق بتانے کی ضرورت ختم ہو جائے گی وہ خود ہی جان جائے گا کہ اِس کو دھوپ کہتے ہیں، اس کو گرمی کہتے ہیں اور یہ اُس چمکتے ستارے کی وجہ سے ہے جیسے سورج کہا جاتا ہے۔یہ حق الیقین ہے جو یقین کی آخری منزل ہے۔چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ وحی کا علم اس قدر یقینی ہے جیسے کہ دن کے وقت کسی کو اس بات پر قائل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ سورج نکلا ہوا ہے۔یہ وہ علم ہے جس کو انسان نے اپنی اُن حسیات کی مدد سے جانا جو اُس کو اللہ نے عطا کی ہیں۔یعنی آنکھوں سے اُس نے سورج کو دیکھا اور اس پر یقین کیا، سورج کی گرمی کو اپنے بدن پہ سہا تو اب اس کے لیے سورج کے وجود سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔انبیاء ورسل کا معاملہ یہ ہے کہ وہ انسان کو اس سے آگے کی بات بیان کرتے ہیں

۔اُن جہانوں کی خبر دیتے ہیں جسے انسان نے نہیں دیکھا اُس رب کی طرف بلاتے ہیں جو لوگوں کا خالق ہے اور اُس کو بھی انسان نے کبھی نہیں دیکھا صرف انبیاء ورسل کی پکار ہوتی ہے کہ اس بات پر یقین کرو جو میں تمہیں بتا رہا ہوں ۔تو جنھوں نے انبیاء ورسل کی بات کو مان لیا وہی حقیقت میں کامیاب ٹھہرے۔کیونکہ انبیاء کی بات پر یقین کرنے کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کے رسول سے عالم غیب کی جو بات سنی وہ اس پر ایمان لائے اور انھیں اس معاملے میں اب کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔اللہ فرماتا ہے کہ جب میرے برگزیدہ بندوں نے میری بات لوگوں تک پہنچا دی تو اب لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کو مان جائیں اس لیے کہ اللہ کے نبی کبھی جھوٹ نہیں بولتے بلکہ اُن کو خاص اللہ کے ہاں مقام ودرجات حاصل ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاء إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (83) وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحاً هَدَيْنَا مِن قَبْلُ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (84) وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ (85) وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطاً وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ (86) وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (87) ذَلِكَ هُدَى اللّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 83.88/7)

ترجمہ؛

’’اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو اُن کی قوم کے مقابلے میں دی تھی ،ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں۔بے شک آپ کا رب بڑا علم والا اور بڑی

حکمت والا ہے۔ہم نے اِن کو بیٹا دیا اسحٰق اور ایک پوتا دیا یعقوب اور اُن میں سے ہر ایک کی ہم نے رہنمائی کی اور انھیں ہدایت سے نوازا۔اور اس سے قبل ہم نے نوح کو ہدایت دی اور ابراہیم کی اولا دمیں سے داؤد کو، سلیمان کو، ایوب کو، یوسف کو، موسیٰ کو اور ہارون کو ہدایت کی اور ہم اسی طرح اپنے نیک بندوں کو جزادیا کرتے ہیں۔ نیز زکریا کو، یحیٰ کو، عیسیٰ کو اور الیاس کو اور یہ سب شائستہ لوگ تھے۔اور اسماعیل کو، یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اُن کے زمانوں میں تمام جہان والوں پہ فضیلت (نبوت) بخشی۔ نیز اُن کے باپ دادوں کو، اُن کی اولا داور کچھ بھائیوں کو ہم نے مقبول بنایا اور انھیں راہ راست کی تلقین کی۔اور یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اپنے بندوں سے جس کو چاہے اس سے نوازتا ہے''۔

قرآن کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ قرآن رفتہ رفتہ تھوڑا تھوڑا کر کے تیئس سال کی مدت میں نازل کیا گیا۔علماء نے مستشرکین کے اس سوال کا بھرپور جواب دیا ہے کہ قرآن حکیم ایک ہی بار کیوں نہ اتار دیا گیا۔صحابہ فرماتے ہیں کہ قرآن نجماً نجماً اترا۔یعنی وہ آیات قرآنی کو ستاروں سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔اُن کے تخیل میں قرآنی کہکشاں کے حسن وترتیب کا تقاضا یہی تھا کہ ایک ایک ستارہ اس کہکشاں کو الگ الگ چمکاتا۔اس کی ایک وجہ تو علما نے یہ بیان کی ہے کہ قرآن کا بہت بھاری کلام ہے اور انسان کا انتہائی تحمل بھی اس بوجھ کو برداشت کرنے قابل نہیں ہوسکتا کہ سارا قرآن یکبارگی اُس پہ اتار دیا جائے جیسا کہ قرآن حکیم میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے کہ وہ کس قدر بھاری کلام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!

''اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ

یَحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب ۳۳ ؛ آیت۷۲)

ترجمہ؛

''ہم نے اپنی امانت آسمانوں پراور زمین پر پہاڑوں پر پیش کی مگر انھوں نے انکار کیا اوراس سے ڈرے مگرانسان نے اس امانت کوقبول کرلیا''۔

پھر یہ بات بھی یادرکھنے کی ہے کہ سابقہ کتابوں کی طرح یہ کتاب کسی معین وقت کے لیے کسی معین قوم کی طرف نہ اتاری گئی تھی بلکہ اس کتاب نے تو ہمیشہ رہنا تھا۔سابقہ کتابوں کے بارے میں غالباً خالق کی منشا بھی یہی تھی کہ انھیں اٹھالیا جائے اس لیے کہ سورج کی موجودگی میں چراغوں کی ضرورت ویسے بھی ختم ہو جاتی ہے۔چنانچہ وہ کتابیں رفتہ رفتہ معدوم ہوتی چلی گئیں کچھ تو اُن زمانوں کے معروضی حالات کا تقاضا یہی تھا کہ کتابیں محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا اور کچھ اُن قوموں کی اپنی کوتاہی بھی اس میں شامل تھی کہ انھوں نے اللہ کے احکامات مٹا کراُن کتابوں میں اپنے نفس کی آواز کودرج کردیا تھا جس کی وجہ سے اللہ کا کلام نظروں سے ہی اوجھل نہیں ہوا بلکہ دلوں سے بھی اوجھل ہو گیا۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو یہود ونصاریٰ اللہ کی تعلیمات کے اصل جوہر کو مدتوں سے فراموش کر چکے تھے اور محض نمائش کے لیے اُن کے پاس الٰہی تعلیمات کا جو قلیل سرمایہ موجود تھا وہ اُس پہ بھی عامل نہ تھے۔چنانچہ قرآن حکیم نے ہی اُن کو بھولا ہوا سبق یاد کرایا مگر یہ دونوں اقوام بد نصیب ثابت ہوئیں اور اُن میں سے بہت کم تھے جو حق کی طرف راغب ہوئے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف جب اپنا آخری پیغام اتارا تو عقلی طور پر بھی اس کی حفاظت کو اولیت دی جانی ضروری تھی اس لیے کہ اگر اس کتاب کو بھی لوگ اپنی حماقت اور جہالت سے کھو بیٹھتے تو قیامت تک اندھیروں سے روشنی کی طرف جاری رہنے والا سفر رُک جاتا اور اللہ کی یہ منشا نہ تھی۔اندھیروں سے

روشنی کی طرف یہ سفر قیامت تک جاری رہنے والا ہے۔ہمارے اس استدلال کو تقویت فراہم کرنے والا یہ مضمون پڑھیں جو ایک نومسلم امریکی خاتون نے ''Sunday tims'' میں لکھا ہے۔

How i can put into words the overwhelmjing relief that i feel upon having discovered the answer to the questions I ve been searching for all my life ? Its like being blind and then suddenly given sight to a truth and a brightness never seen before.How can i tell of the joys that only finding the truth can bring. I want to sing it to the world.I want everyone I have ever known to share this with me and celebrate the door that has been opened to me. And the most wonderfull and awesome thing shown to me was the glorius Quraan. How i love and cherish my Quraan! How I read it every chance I get. I cannot put it down ! Even in English the words can bring joy to my heart and tears to my eyes! There ve been many tims when I held Allah,s word in my hands and wept at the revelation.How

could I have been such a fool all of my life? I shudder to think of my life without Islam.If I could climb to the highest mountain and be shown to me. My questions have been answered. I konw the truth. If every person in the world thanked Allah for bringing me the truth.One hundred times a day for one hundred years, that still wolud not express my gratitude.

(Becky Hopkins).

ترجمہ؛

’’جن سوالوں کا جواب میں اپنی پوری زندگی تلاش کرتی رہی ہوں۔اِن کا جواب پانا میرے لیے کتنا زیادہ تسکین کا باعث ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا میرے لیے ممکن نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھا ہو اور پھر اچانک وہ سچائی کو دیکھنے لگے اور ایسی روشنی کو پالے جس کو اس نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔میں اس خوشی کو کیونکر بیان کرسکتی ہوں جو صرف سچائی کو پانے سے حاصل ہوتی ہے۔میں چاہتی ہوں کہ میں نے جو چیز پائی ہے اس کو میں ساری دنیا کے سامنے گاؤں، میں چاہتی ہوں کہ ہر شخص جس کو میں نے کبھی جانا ہو اور وہ اس میں میرا حصہ دار بنے۔اور جو دروازہ میرے لیے کھلا ہے اس پر جشن منانے میں وہ میرا شریک ہو۔اور سب سے زیادہ بڑی اور سب سے عجیب چیز جو مجھے دکھائی گئی وہ قرآن تھا۔میں اپنے قرآن سے کس قدر محبت کرتی ہوں کہ مجھے جب بھی موقع ملتا ہے میں اس کو پڑھ لیتی ہوں۔میں اس کو خود سے الگ

نہیں کر سکتی حتیٰ کہ انگریزی ترجمہ میں بھی اس کے الفاظ میرے دل کو تسکین دیتے ہیں میرے دل کو مسرت سے بھر دیتے ہیں اور میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ کتنی بار ایسا لمحہ آیا ہے جب کہ میں نے خدا کی کتاب کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور اس کے بارے میں سوچ کر روئی ہوں۔ اس کے بغیر میری ساری زندگی کس قدر احمقانہ زندگی ہوتی۔ اسلام کے بغیر میری زندگی کیسی ہوتی اس کو سوچ کر میں کانپ اٹھتی ہوں۔ اگر میں سب سے زیادہ اونچے پہاڑ پر چڑھ سکتی اور میری آواز ہر اس آدمی تک پہنچ سکتی جو اسلام سے بے خبر ہے تو میں چلا کر اُن کو بتاتی جو مجھے بتایا گیا۔ مجھے میرے سوالات کا جواب مل گیا ہے اب میں سچائی کو جانتی ہوں ہر آدمی جو دنیا میں ہے وہ مجھ کو سچائی ملنے پر اگر اللہ کا شکر ادا کرے اور وہ ایک سو سال تک ہر روز سو بار ایسا ہی کرتا رہے تب بھی اس احسان پر شکر کا حق ادا نہیں ہوگا۔

(بیکی ہاپکنس)۔[*1]

اس سوال کا جواب کھوجنے کی کوشش کی جارہی تھی کہ قرآن حکیم کو ایک ہی بار کیوں نہ اتار دیا گیا اس ضمن میں سب سے پہلے اس بات کو بیان کیا جاچکا ہے کہ کوئی انسان اس قدر ثقیل کلام کا متحمل ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ اُس پہ قرآن کو یکبارگی اتار دیا جاتا۔ آگے بیان کیا گیا ہے کہ تھوڑا تھوڑا کلام چونکہ یاد کرنے میں آسانی ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے کلام پاک تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا تا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے دل نہ صرف قرآن کی روشنی سے منور ہوتے رہیں بلکہ جو کلام اتر چکا ہے وہ اس کو آسانی سے یاد بھی کر سکیں۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ قرآن حکیم کا مقصد حقیقی اور دیرپا تبدیلی پیدا کرنا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب کسی خلا میں نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ کتاب ایک تبدیلی اور رہنمائی کے لیے نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ جب تک تبدیلی کا عمل مکمل نہ ہوا کتاب کا نزول بھی

جاری رہا اور جونہی تبدیلی کا عمل مکمل ہو گیا تو کتاب کا نزول بھی مکمل ہو گیا۔ یہ دونوں عمل ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتے رہے، یہ دو مختلف اور متوازی عمل تھے۔ روئے زمین پر تبدیلی کا عمل اور آسمان پر نزولِ کتاب کا عمل جاری تھا دونوں ایک ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچے۔ تبدیلی کا یہ عمل اسی وقت ممکن تھا جب نزول آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا کر کے ہوتا۔ کسی انسان میں بھی تبدیلی کا عمل اچانک نہیں ہوتا بلکہ وہ تدریجاً ہی تکمیل تک پہنچتا ہے۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ انسان یکبارگی تبدیل ہو جائے۔ بالفرض محال اگر کسی انسان کے رویہ میں اچانک تبدیلی آ بھی جائے تب بھی اُسے روزمرہ تفصیلات کو بدلنے میں کافی وقت درکار ہو گا۔ قرآن مجید کے زیر اہتمام ہدایت اور تبدیلی کا یہ عمل شروع ہوا اور تیئیس سال تک مسلسل جاری رہا۔ جب ضرورت پیش آئی رہنمائی نازل ہو گئی اور اس کے نتیجے میں تبدیلی آتی گئی۔ کہیں عقائد کی تبدیلی آئی تو کہیں عقائد اور کردار دونوں کو بہتر بنایا گیا۔ کہیں سابقہ انبیاء کی وہ شریعتیں جنھیں لوگ بھول چکے تھے اِن کے بنیادی عناصر دوبارہ منظر پر لائے گئے۔ اس طرح بائیس سال اور چند ماہ کے عرصے میں تبدیلی کا یہ عمل مکمل ہوا۔ چنانچہ اس تبدیلی کو یقینی اور دیرپا بنانے کے لیے ضروری تھا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا جاتا۔ اسی طرح قرآن حکیم کے متعلق یہ بات جان لینی بھی ضروری ہے کہ قرآن سمیت اللہ کی تمام آسمانی کتابوں کا تعلق رمضان سے نہایت گہرا ہے۔ حافظ ابن حجر کی ایک مشہور حدیث کے مطابق توریت، زبور اور انجیل رمضان میں ہی اتاری گئیں۔ اور قرآن کے بارے میں بھی ظاہر ہے کہ اس عظیم کتاب کو بھی رمضان میں ہی نازل کیا گیا۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (1) وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (2) لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (3) تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ (4) سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (5)

القرآن الحکیم (سورۃ القدر 97/1.5)

ترجمہ؛

بے شک ہم نے قرآن کوشب قدر میں اتارا، آپ کو معلوم ہے کہ شبِ قدر کیا ہے؟ یہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس رات اللہ کے فرشتے اور روح القدس (جبرائیلؑ) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر (زمین کی طرف) اترتے ہیں۔ اور وہ (شب) سراپا سلام ہے برکتوں کے ساتھ طلوع فجر تک"۔

ابن جریر طبری کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لیے 103 کتابیں اتاریں پہلے زمانے کی کتابوں کے متعلق تو صرف قیاس ہی کیا جاسکتا ہے کہ وہ رمضان میں نازل ہوئی ہوں گی۔ تاہم رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے جو کتابیں اتاری گئیں اُن کی بابت خبر پہنچی ہے کہ وہ رمضان میں ہی اتاری گئیں۔ جیسا کہ توریت 6 رمضان، انجیل 13 رمضان، زبور 18 رمضان اور قرآن حکیم 21 رمضان کو نازل کیا گیا۔ گویا رمضان المبارک کو وحی الٰہی کے ساتھ ایک خاص تعلق اور نسبت ہے۔ اس کے علاوہ اس بات میں کیا رمز ہے اُس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہم تو صرف اس قدر جانتے ہیں کہ الہامی کتابوں کو بالعموم رمضان میں ہی اتارا گیا۔

مشہور محدث حضرت شاہ ولی اللہ " **حجۃ البلاغہ** " میں اس ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ]

[2* انسان دو قسم کی قوتوں سے عبارت ہے۔ روحانی اور مادی۔ انسان کا عمل اور ارادہ اس بات کو متعین کرتا ہے کہ اُس کا رجحان مادیت کی طرف ہے یا روحانیت کی طرف۔ جب انسان اپنے نفس پر غلبہ پالیتا ہے، اُس کو تابعدار بنالیتا ہے اپنے حیوانی خصائص کو شکست دے دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق مستحکم ہوجاتا ہے۔ اگرچہ یہ دونوں قوتیں اُسے اللہ ہی کی طرف سے عطا کی گئیں ہیں۔

جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا (7) فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (8) قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا (9) وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا (10)

القرآن الحکیم (سورۃ الشمس 7.10/91)

ترجمہ؛

"(قسم ہے) انسان کی جان کی اوراس ذات کی جس نے اُسے دوست بنایا پھراس نے القاء کیا اُس کی طرف خیراورشر دونوں کو یقیناً مراد کو پہنچاوہ جس نے اپنی (جان) کو پاک کرلیا۔اورنامرادہواوہ شر نے جس کو دبالیا"۔

یعنی جس شخص نے اپنے نفس کو فتح کرلیاوہی بامرادہوا۔اورایسے ہی لوگوں سے اللہ کا تعلق مستحکم ہوتا ہے اوروہ اس قدر پاک اور برتر ہو جاتے ہیں کہ ملائکہ سے اُن کا رتبہ بڑھ جاتا ہے۔اوررمضان المبارک میں انسان اپنے نفس کو کامل طور پہ دبالیتااورمکمل طور پہ روحانیت کی طرف راغب ہوجاتا ہے غالباً یہی وجہ ہے الہامی کلام کو نازل کرنے کے لیے اس مہینہ کو منتخب کیا گیا۔

یہ کتاب جو قطعی علم، یقینی حقائق، حتمی ہدایات اورآخروی شریعت پر مبنی ہےاورجسے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کیا گیا ہے۔عرف عام میں تو اس کتاب کو قرآن کہا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کا اصل نام "القرآن" ہے۔کتاب اللہ کو القرآن کا نام کیوں دیا گیا۔مفسرین نے اس موضوع پر سیر حاصل مباحث چھوڑے ہیں۔

جیسا کہ بعض علماء تفسیر کا خیال ہے کہ یہ لفظ قراء یقرا سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا بار بار پڑھنا۔اورقرآن، فعلان، غفران اورفرقان کے وزن پر ہے جو بظاہر تو مصدر ہے، لیکن اس میں اسم آلہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے جو دوام اور تسلسل پر دلالت ہے۔اس لیے قرآن سے مرادوہ چیز ہوگی جو بار باراور تسلسل کے ساتھ پڑھی جائے۔بیشتر اہل علم نے قرآن کو قرء یقر یعنی پڑھنے ہی کے مفہوم سے مشتق قراردیا ہے۔اگرچہ کچھ اورلوگوں نے لفظ قرآن کے کچھ مزید معنی بھی بیان کیے ہیں تاہم یہ تمام معنی ومفاہیم لغوی اعتبار سے کمزور ہیں اورعربی زبان کے قواعد اورمحاورے اُن میں سے اکثر کا

ساتھ نہیں دیتے ۔چنانچہ عربی زبان کے قواعد اور صرف کے اصولوں کی بنیاد پر جو مفہوم زیادہ قرین عقل اور قرین فہم ہے وہ یہی پڑھنے کا مفہوم ہے جس کو اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔اس مفہوم کو سامنے رکھ کر اب آپ کہہ سکتے ہیں کہ ایک اعتبار سے جو کتاب بار بار پڑھی جائے وہ قرآن کہلا سکتی ہے ۔ہوسکتا ہے کہ لغوی اعتبار سے قرآن کا لفظ ہر اُس کتاب پر صادق آتا ہو جس کو بار بار پڑھا جاتا ہے ۔تاہم جب ہم القرآن کہیں گے تو وہ خاص ہو جائے گا اور اُس کی نسبت ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور بار بار پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

دنیا میں یہ دستور عام ہے کہ ایک کتاب کا نام کسی دوسری کتاب کو دے دیا جائے۔اور نہ کوئی کتاب اس قدر مقدس اور ارفع ہو سکتی ہے کہ اُس کے نام پر کوئی اور کتاب مرتب ہی نہ کی جا سکے۔ اس لیے کہ اگر آپ شاعر ہیں اور آپ نے غالب تخلص کیا ہے تو جب آپ اپنی شاعری کو شائع کریں گے تو آپ اپنی کتاب کا نام ''دیوانِ غالب'' رکھ سکتے ہیں ادب کے اصولوں کی بنا پہ اس کتاب کا نام دیوان غالب رکھنے پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔اور آپ کی یہ کتاب لغوی، عرفی، ادبی ہر اعتبار سے قابل قبول ہوگی۔اسی طرح اگر آپ معاشیات کے استاد ہیں اور جرمن زبان میں معاشیات پر کوئی لکھیں اور اس کا نام Das Capital رکھیں تو بھی اس کو درست سمجھا جائے گا اور اسے کارل مارکس کی حق تلفی قرار نہ دیا جائے گا۔

ہاں مگر قرآن ضرور ایک ایسی کتاب ہے جس کو القرآن کہا گیا ہے تو دنیا کی کسی اور کتاب کو کہیں بھی اور کبھی بھی القرآن نہ کہا جائے گا۔اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے جس قدر مسلسل اور جس قدر تواتر کے ساتھ القرآن کا مطالعہ کیا جاتا ہے اس قدر کسی اور کتاب کے مطالعے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔قرآن جس قدر کثرت سے پڑھا جاتا ہے، ماضی میں جس قدر کثرت سے بڑھا جاتا تھا آج جس قدر کثرت سے پڑھا جاتا ہے آنے والے کل کو جس قدر کثرت سے پڑھا جائے گا کسی اور کتاب کی اس سے کوئی نسبت نہیں۔کوئی کہہ سکتا ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں قرآن سے جو محبت ہے جو عقیدت ہے اُس کی وجہ سے ہم کچھ زیادہ ہی خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں اس لیے بغیر کسی دلیل

کے اپنی کتاب کو دنیا کی دوسری ہر کتاب پر برتری دے رہے ہیں ۔اور یہ نفسیاتی اصول بھی ہے کہ انسان جس چیز سے محبت کرتا ہے اُسے دنیا کی دیگر تمام اشیاء پر فوقیت دیتا ہے۔اصل یہ ہے کہ ہمیں قرآن کے متعلق خوش فہمی بھی ضرور ہے مگر حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ کتاب دنیا میں ہر وقت ہر جگہ اور بار بار پڑھی جاتی ہے۔اور ہم اس حقیقت کو دلیل سے ثابت کریں گے۔

زمین کے نقشہ پر غور کریں اللہ نے زمین کو گول بنایا ہے۔سورج اس کے چاروں طرف گھومتا ہے زمین اپنے محور کے گرد گھومتی ہے اس طرح رات دن آتے ہیں۔اس مسلسل حرکت کو کائنات جائے گا۔یہ بات بھی ظاہر ہے کہ زمین کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک مسلمان پھیلے ہوئے ہیں ۔روئے زمین کے چپے چپے پر اللہ کی واحدنیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور القرآن کی تلاوت کرنے والے موجود ہیں۔تو دنیا کے ایک حصے سے شروع ہو جائیں اور دیکھیں کہ کس طرح ہر وقت ہر جگہ قرآن حکیم کی مسلسل تلاوت کی جارہی ہے۔ہم انٹرنیشنل ڈیٹ لائن سے شروع کرتے ہیں یعنی جہاں سورج سب سے پہلے دکھائی دیتا ہے وہ ملک فجی ہے جو روئے زمین کے انتہائی مشرق میں ہے۔فجی میں ایک لاکھ مسلمان بستے ہیں نئی تاریخ کا سورج سب سے پہلے فجی میں طلوع ہوتا ہے فجی میں ہزاروں مسجدیں ہیں، مدرسے ہیں، دارلعلوم ہیں جہاں قرآن حکیم کی تلاوت کی جاتی ہے تصور کریں کہ جونہی نئی تاریخ شروع ہوئی نیا سورج طلوع ہوا تو فجی کے مسلمان فجر کی نماز پڑھ رہے ہوں گے اور نماز میں قرآن پڑھ رہے ہوں گے۔

چنانچہ نئے دن کا آغاز تلاوتِ قرآن حکیم سے ہوا جب فجی کے لوگ فجر کی نماز اور قرآن حکیم کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو آسٹریلیا میں فجر کی نماز شروع ہو جاتی ہے۔یاد رہے کہ آسٹریلیا میں سات لاکھ مسلمان بستے ہیں آسٹریلیا کے لوگ نماز فجر اور قرآن حکیم کی تلاوت سے فارغ ہوتے ہیں تو انڈونیشیا کے اٹھارہ کروڑ لوگ نماز فجر شروع کرتے ہیں اور قرآن حکیم کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔انڈونیشیا میں نماز فجر کا وقت ختم ہوتا ہے تو ملائشیا میں نماز فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور ملائشیا میں بھی کئی کروڑ مسلمان متمکن ہیں ۔ملائشیا کے لوگ نماز فجر اور قرآن حکیم کی تلاوت سے

فارغ ہوتے ہیں تو بنگلہ دیش کے اٹھارہ کروڑ مسلمان نماز فجر اور قرآن پڑھنا شروع کرتے ہیں۔ بنگلہ دیش کے اٹھارہ کروڑ لوگ نماز فجر سے فارغ ہوتے ہیں تو ہندوستان کے بیس کروڑ لوگ نماز فجر کے لیے نکلتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان فارغ ہوئے تو پاکستان کے بائیس کروڑ مسلمان نماز فجر شروع کرتے ہیں۔ جس وقت پاکستان کے لوگ فجر کی نماز ادا کرتے ہیں اُس وقت فجی کے لوگ ظہر کی نماز ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب مصر میں مسلمان نماز فجر ادا کرتے ہیں تو فجی کے لوگ نماز عصر کر رہے ہوتے ہیں۔ اور جب لیبیا اور الجزائر کے مسلمان فجر کی نماز ادا کر رہے ہوتے ہیں فجی کے مسلمان اس وقت نماز مغرب ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب مراکش کے لوگ نماز فجر پڑھ رہے ہوں تو فجی کے لوگ نماز عشا پڑھ رہے ہوں گے۔

یہ ایک تسلسل ہے قرآن حکیم کی تلاوت کا زمین کے چاروں طرف ہر جگہ اور ہر وقت جاری و ساری رہتا ہے اس میں کو تعطل نہیں ہم نے بیشتر اسلامی ملکوں کے نام نہیں لیے اس لیے کہ اگر سب کا وقت معلوم کیا جاتا تو بیان بہت طویل ہو جاتا۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ دنیا میں ہر وقت ہر جگہ قرآن حکیم کی تلاوت کی جارہی ہے۔ جیسے جیسے وقت زمین کے گرد گھومتا ہے ویسے ویسے مسلمان اپنی اپنی جگہ پہ نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ تلاوت قرآن ایک زنجیر کی طرح دنیا کا چاروں طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس میں کبھی کوئی انقطاع اور توقف نہیں ہوتا یہ ایک مسلسل عمل ہے اور جب تک دنیا میں ایک بھی مسلمان زندہ ہے تب تک قرآن حکیم کی تلاوت جاری رہنے والی ہے۔ چنانچہ حقیقت کھل گئی کہ قرآن ہی سب سے زیادہ اور بار بار پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ قرآن ہی وہ واحد کتاب ہے جو اتنے تواتر، اتنے تسلسل اور اتنی کثرت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ لوگ انجیل بھی پڑھتے ہیں بائبل بھی پڑھتے ہوں ہوں گے تو جو لوگ قرآن حکیم کا تقابل اِن کتابوں کے مطالعہ سے کرتے ہیں وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں اس لیے کہ اِن کتابوں کے ماننے والے تو ہر وقت شراب و شباب میں الجھے رہتے ہیں اُن کے پاس کتاب الٰہی کے مطالعہ کا وقت کہاں بچتا ہے۔ وہاں تو یہ حال ہے کہ رسمی طور پہ بھی اُن کے ہاں

اس کتاب کو ایک ہفتہ میں صرف ایک بار ہی پڑھا جاتا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ پادری پڑھتا ہے اور سننے والے گھڑیاں دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ بابا کب جان چھوڑے گا۔ قرآن حکیم کی اس تلاوت کا تسلسل تقریباً پندرہ سو سال پر محیط ہے اور اس میں ایک لمحہ کے لیے بھی تعطل نہیں آیا۔ چنانچہ صرف قرآن ہی اس امر کا مستحق ہے کہ اسے القرآن کہا جائے اس کے علاوہ اور کوئی کتاب القرآن کہلائے جانے کی مستحق نہیں۔

اسی طرح قرآن حکیم کو الکتاب بھی کہا گیا ہے۔ یہودی اور عیسائی بھی اپنی کتابوں کو الکتاب کہتے ہیں مگر یہ اُن کی ہٹ دھرمی اور ضد ہے کہ وہ اپنی کتاب کو الکتاب کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاں الکتاب کا لفظ آیا ہے اُن کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ جس زمانے میں جو کتاب اتاری جاتی ہے اس وقت اُسی کتاب کو الکتاب کہا جائے گا اس لیے کہ تب اُسی کتاب کا وقت ہوتا ہے اُسی کتاب کی شریعت ہوتی ہے اُسی کتاب کا قانون قابل اطاعت ہوتا ہے، اُسی کتاب کا سکہ چلتا ہے اس لیے کہ اُسی کتاب کو اُس وقت کی آسمانی کتاب کہا جائے گا تب اس کتاب کو الکتاب کہا جائے گا۔ مگر جب اُس کتاب کو منسوخ کر جائے اُس کی شریعت کی جگہ نئی شریعت اتار دی جائے تو پرانی کتاب اور پرانی شریعت خود بخود موقوف ہو جاتی ہے۔ تب نئی آنے والی کتاب کو الکتاب کہا جائے گا۔ اس ترتیب سے ایک زمانہ تھا جب توریت الکتاب تھی پھر انجیل اتری تو توریت الکتاب کی بجائے صرف کتاب ہو گئی۔ تب انجیل الکتاب ہو گئی مگر جب قرآن آیا تو انجیل کتاب ہو گئی اور قرآن الکتاب بن گئی۔ قرآن چونکہ اللہ کی آخری کتاب ہے اس لیے اس میں قانون و شریعت کے حتمی قوانین اتار دیئے گئے اور اب قیامت تک اِن میں کسی ردوبدل کا کوئی امکان نہیں۔ بتا دیا گیا کہ اس کے بعد اب صرف قیامت ہے بیچ میں ہدایت کا کوئی صحیفہ نہ اترے گا اس لیے اللہ سے ڈرو اپنی آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

چند آیات سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (1) وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ (2) وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (3) وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (4) وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ (5) وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (6) وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (7) وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ (8) بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ (9) وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (10) وَإِذَا السَّمَاء كُشِطَتْ (11) وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ (12) وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ (13) عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ (14)

القرآن الحکیم(سورۃ التکویر 1.14/81)

ترجمہ؛

"جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے،اور جب حاملہ اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی،اور جب وحشی جانور سمیٹ کرا کٹھے کر دیئے جائیں گے اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے اور جب روحیں جسموں سے ملا دی جائیں گی اور جب دفن کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پہ ماری گئی ۔اور جب اعمال کے دفتر کھول دیئے جائیں گے اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی اور جب دوزخ بھڑکا دی جائے گی اور جب جنت قریب لے آئی جائے گی تو اس وقت ہر نفس جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے"۔

آگے فرمایا گیا کہ!

وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْداً (80)

القرآن الحکیم(سورۃ مریم 80/19)

ترجمہ:

''اور جس سروسامان کی یہ بات کرتا ہے وہ سب ہمارے پاس رہ جائے گا اور وہ اکیلا ہی ہمارے سامنے حاضر ہوگا''۔

پھر فرمایا کہ!

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ وَمَاتُواْ وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الأَرْضِ ذَهَباً وَلَوِ افْتَدَى بِهِ أُوْلَـئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِيْنَ (91)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 91/3)

ترجمہ:

''بے شک جنھوں نے انکار کیا اور وہ حالت کفر میں ہی مر گئے تو اُن کے لیے دردناک عذاب ہے اور اگر وہ اس عذاب سے بچنے کے لیے زمین بھر سونا بھی دیں تو اسے قبول نہ کیا جائے گا اور تب اُن کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا''۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّمَا جَزَاء الَّذِيْنَ يُحَارِبُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِيْ الأَرْضِ فَسَاداً أَن يُقَتَّلُواْ أَوْ يُصَلَّبُواْ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلافٍ أَوْ يُنفَوْاْ مِنَ الأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِيْ الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِيْ الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (33) إِلاَّ الَّذِيْنَ تَابُواْ مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُواْ عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ غَفُورٌ

رَّحِيْمٌ (34) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ
وَجَاهِدُوا فِيْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (35) إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ
مَّا فِيْ الْأَرْضِ جَمِيْعاً وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ
مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ (36) يُرِيْدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ
النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (37)

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 5/32.37)

ترجمہ؛

''جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں اُن کی سزا یہی ہے کہ اُن کو قتل کیا جائے یا اُن کو سولی دی جائے یا اُن کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکال دیئے جائیں۔ یہ تو اُن کے لیے دنیا میں سزا ہے جو سراسر رسوائی ہے مگر آخرت میں اُس سے بھی بڑا عذاب دیا جائے گا۔ ہاں مگر وہ لوگ جو گرفتاری سے قبل اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں اور توبہ کر لیں تو جان لو اللہ بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اللہ کے قرب کی تمنا کرو اللہ کی راہ میں جہاد کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ یقیناً جو لوگ کافر ہیں وہ قیامت کے روز دنیا بھر کی چیزیں اور اتنی ہی اور چیزیں دے کر عذاب الٰہی سے نجات کی خواہش کریں گے مگر اُن کی یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی اور اُن کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔ وہ چاہیں گے کہ جہنم سے نکل آئیں مگر نکل نہ پائیں گے اور اُن کو وہاں ہمیشہ رہنا ہوگا''۔

آگے ارشاد فرمایا گیا کہ!

وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ
لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (54) أَلَا إِنَّ
لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُونَ (55) هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (56) يَا أَيُّهَا
النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى
وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (57) قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ
فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (58)

القرآن الحکیم (سورۃ یونس 53.58/10)

ترجمہ؛

”اور اگر ہر مشرک کے پاس اس قدر مال ہو کہ ساری زمین اس سے بھر جائے تب بھی وہ اس کو دے کر اللہ کے عذاب سے جان چھڑانے کا خواہش مند ہوگا۔اور جب وہ اللہ کے عذاب کو دیکھ لیں گے تو اپنی پشیمانی کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھیں گے اور اُن کا فیصلہ انصاف سے کیا جائے گا اور اُن پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا یادرکھو کہ جتنی چیزیں آسمان میں ہیں اور زمین ہیں اُن سب کا مالک اللہ ہی ہے یادرکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر نجانے کیوں لوگوں کی اکثریت اس پر یقین نہیں کرتی۔وہی جان ڈالتا ہے وہی جان نکالتا ہے تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے۔اے لوگوں تمھارے پاس رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو برے کاموں سے رکنے کی نصیحت ہے اور برے ارادوں سے شفا ہے رہنمائی کرنے والی اور رحمت ہے۔آپ ایمان والوں کو کہہ دیں کہ خدا کے انعام اور اس کی رحمت سے خوش ہو جائیں وہ اس دنیا سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کرر ہے ہیں“۔

اِن آیات میں القرآن یعنی کتاب اللہ کا حقیقی تصور پیش کیا گیا ہے جس میں لوگوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ اس دنیا کی بجائے آخرت کی طرف متوجہ ہوں اس لیے کہ اگرچہ لوگوں کی اکثریت غفلت میں ہے اور وہ اپنے شب و روز کو کسی ایسے دن کے خوف کے بغیر گزار رہیں جس روز انھیں خالق کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اس کے باوجود کہ وہ دن اس قدر یقینی ہے کہ اس میں شک کرنے والا پرلے درجے کا احمق ہے اور یہی اس کتاب کا حقیقی پیغام ہے جو اس کو سمجھ گیا دنیا کی کوئی طاقت اُسے اس کتاب سے دور نہیں کر سکتی۔ ہماری تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں عظمت قرآن کا اظہار ہے۔ مسلمان ہمیشہ سے اپنی کتاب سے والہانہ محبت کرتے چلے آئے ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ کے بدترین دور میں بھی مسلمانوں نے اپنی کتاب سے رشتہ قائم رکھا۔ تاریخ کے بوسیدہ اوراق سے ایک صفحہ الٹتے ہیں اور عظمت قرآن کی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابن الاثیر نے اپنی کتاب "**الکامل فی التاریخ**" میں لکھا ہے کہ!

قاضی منذر بن سعید البلوطی اندلس کے قاضی تھے۔ وہ عبدالرحمان الناصر کا دور حکومت تھا۔ مسلمان پورے ہسپانیہ پر قابض تھے۔ وہ مسلمانوں کا سنہری دور حکومت تھا۔ دور دور تک مسلمانوں کے عظیم شہروں کی عظمت کے قصے تھے۔ تب پورا یورپ جہالت، غربت اور کسمپرسی میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ جبکہ مسلمان زندگی کے ہر شعبے پر چھائے ہوئے تھے۔ اُن کے ہاں علم و ادب کی برتری اور اسلوب زیست لوگوں کو اُن کی طرف متوجہ کیے ہوئے تھا۔ لوگ دور دور سے قرطبہ اشبیلیا اور غرناطہ میں علم کے حصول کے لیے آیا کرتے تھے۔ انھی دنوں کا قصہ ہے کہ اندلس کے بادشاہ عبدالرحمان الناصر نے ایک نیا شہر بسایا جس میں خاص اپنے لیے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا جس کا نام مدینۃ الزہرہ رکھا۔ جب محل کی تعمیر مکمل ہو گئی تو بادشاہ نے اعمائدین شہر کو مدعو کیا تاکہ وہ اس کے محل کو دیکھیں اور داد دیں۔ اور وہ محل واقعی داد وصول کرنے کے لائق تھا۔ عبدالرحمان الناصر اپنے محل کے ایک بڑے کمرے میں بیٹھا تھا، اعمائدین شہر اپنی

اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔اُس کمرے کی چھت گنبد نما تھی جس کو سونے اور چاندی سے سجایا گیا تھا۔سونے اور چاندی کی چمک آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔اسی کمرے کے ایک کونے میں قاضی منذر بن سعید البلوطی بھی تشریف فرما تھے۔وہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم،شاعر ،فقیہہ،فصیح اور خطیب تھے لوگ اُن کی عظمت کے قائل تھے اور اُن کی عزت کرتے تھے۔

بادشاہ نے لوگوں سے پوچھا:

تم لوگ میرے محل کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

اعمائدین ریاست ایک ایک کر کے اٹھتے اور محل کی تعریف کرتے بلکہ مبالغہ کرتے تا کہ بادشاہ اُن سے خوش ہو جائے۔

آخر قاضی منذر بن سعید البلوطی کی باری بھی آ گئی۔

قاضی صاحب اٹھے اور لوگوں نے دیکھا کہ وہ زاروقطار رو رہے ہیں اور اُن کی داڑھی انھی کے آنسوؤں سے بھیگ رہی ہے۔آخر انھوں نے اپنی داڑھی پہ ہاتھ پھیرا اور گویا ہوئے۔

اے بادشاہ!

خدا کی قسم مجھے کبھی یہ گمان نہ تھا کہ شیطان خدا اُس کو رسوا کرے تم پر اس قدر غالب ہو جائے گا اور تم کو اس حد تک لے جائے گا کہ تم کافروں کے سے عمل کرنے لگو گے۔

بادشاہ کو قاضی سے اس قدر سخت ردعمل کی توقع نہ تھی کہ آخر وہ اس عظیم بادشاہ کا ایک ملازم ہی تو تھا۔

مگر جو لوگ اللہ اور اُس کی کتاب پر یقین رکھتے ہیں اُن کو بادشاہوں کے جلال سے کبھی خوف نہیں آیا یہی وجہ تھی کہ قاضی منذر بن سعید البلوطی نے بھرے دربار میں بادشاہ کو رسوا کر کے رکھ دیا تھا۔

بادشاہ سخت غصے میں تھا۔چنانچہ اُس نے کہا!

اے قاضی تم کو کس بات نے اس امر پہ مجبور کیا کہ تو مجھے بھری محفل میں رسوا کرے میرا وہ کون

سا عمل ہے جس سے تو نے مجھے کافر بنا دیا۔

قاضی منذر بن سعید البلوطی نے بادشاہ سے کہا!

کیا اس محل میں سونا چاندی استعمال نہیں ہوا۔

بادشاہ نے کہا! ہاں

قاضی منذر بن سعید البلوطی نے کہا! تو کیا تو قرآن کی اِن آیات کو بھول چکا جن میں فرمایا گیا کہ!

قاضی نے سورۃ الزخرف سے درج ذیل آیات تلاوت کیں۔

وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّن فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ (33) وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ (34) وَزُخْرُفًا وَإِن كُلُّ ذَٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ (35)

القرآن الحکیم (سورۃ الزخرف 33.35/43)

ترجمہ؛

''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقہ کے ہو جائیں تو جو لوگ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں اُن کے لیے ہم اُن کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کا بنا دیتے اور اُن کے زینوں کو سونے کا بنا دیتے جن پہ وہ چڑھتے ہیں، اور اُن کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگائے بیٹھتے ہیں سونے اور چاندی کے بنا دیتے۔ اور یہ چیزیں تو صرف دنیا کی زندگی کا سامان ہیں اور آخرت تو صرف متقیوں کے لیے ہیں''۔

دربار میں ایک سکوت طاری تھا۔اب کے اعمائدین حکومت بھی رو رہے تھے اور بادشاہ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے اور اعجاز قرآن کا وہ منظر تھا کہ محل میں موجود ہر شخص پر لرزہ سا طاری تھا۔بادشاہ اپنا وقار بھول چکا تھا وہ ایک فرش پہ پڑا تھا اور اُس کے آنسو رکنے کو نہ آتے تھے۔

آخر لوگوں نے اُسے اٹھایا اور تخت پر بٹھایا۔

بادشاہ نے پوچھا قاضی منذر بن سعید البلوطی کہاں ہیں۔

قاضی کو اُن کے قریب لایا گیا۔انھوں نے قاضی کا ہاتھ چوما اور کہا!

میں گمراہ ہو گیا تھا آپ نے سچ کہا میں نے سونے چاندی کا محل بنوا کر کافروں کا سا عمل کیا ہے اللہ مجھے معاف کرے اور مسلمانوں میں آپ جیسے بہت سے لوگوں کو پیدا کرے جو بادشاہوں کو اُن کی رعونت سے آگاہ کرتے رہیں۔

ابن الاثیر نے بیان کیا ہے کہ اس کے بعد عبدالرحمان الناصر کبھی اُس محل میں دوبارہ نہ گیا بلکہ اپنی زندگی میں سادگی کو اپنا لیا۔یہ ہماری تاریخ کا محض ایک صفحہ تھا حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری تاریخ ایسے سینکڑوں اور ہزاروں صفحات سے جگمگا رہی ہے جن میں عظمت قرآن کا عکس پایا جاتا ہے۔علمانے بیان کیا ہے کہ قرآن کی پشت پر تاریخ کی وہ تمام عظمتیں جمع ہو چکیں ہیں جو کتاب خداوندی کے شایانِ شان ہیں۔اِن چیزوں نے قرآن کو عظمت و جبروت والی کتاب بنادیا ہے جس طرح کہ اس کتاب کو اتارنے والا بھی عظمت و جبروت کا حامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے جابر بادشاہ بھی قرآن کے آگے اپنا سر جھکا دیا کرتے اور اپنی ساری رعونت بھول کر اللہ کے قہر سے لرزنے لگتے۔اور یہ بھی تو اعجاز قرآن ہے کہ وہ ایک کمزور آدمی کو ایک طاقتور بادشاہ کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے اور اُس کے دل میں اللہ کے تائید کے علاوہ یہ گمان بھی موجود ہوتا ہے کہ بادشاہ جو مسلمان ہے قرآن کی حقانیت پر یقین رکھتا ہے جب اُس کو قرآن کی راہ کی طرف بلایا جائے گا تو اُس کی جرأت نہ ہوگی کہ وہ انحراف کی راہ کو چنے۔

قرآن سچائی کا دروازہ ہے جو اس دروازے تک نہ آیا وہ کبھی حق کو نہ پا سکے گا۔ یہ قرآن کی اہم ترین صفت ہے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھ عطا فرمائی ہے مگر سب جانتے ہیں جب تک روشنی نہ ہو یہ آنکھ بیکار ہے اور دیکھنے کی صلاحیت سے عاری ہے اس لیے کہ جب تک اندھیروں کو کوئی روشنی دور نہ کرے اُس وقت تک یہ آنکھ اپنے سامنے کا منظر بھی نہیں دیکھ سکتی۔ یہ روشنی قرآن ہے جو انسانی بصارت کو بصیرت میں بدل دیتا ہے اور اُس کو منزل کے خد وخال سامنے نظر آنے لگتے ہیں حالانکہ اس سے قبل مدتوں وہ اپنی منزل کی کھوج میں رہا مگر کسی نے اُسے منزل کا پتا نہ بتایا۔ جس طرح گزرے کل میں لوگ ہدایت کے متلاشی تھے اسی طرح آج کی دنیا میں بھی ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد ہے جو حقیقت کی تلاش میں ہیں جو اپنے اندر ابلتے سوالوں سے ہراساں ہیں مگر کوئی انھیں بتاتا نہیں کہ اُن کے تمام سوالوں کا جواب قرآن میں ہے۔ حقیقت تمام کی تمام اس کتاب میں سمودی گئی ہے اگر کسی کو ہماری بات پہ شک ہو تو وہ قرآن کھول کے دیکھ لے۔ قرآن لوگوں کو مایوس ہونے سے منع کرتا ہے اور اُن کو اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا کہ!

وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللّهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (87)

القرآن الحکیم (سورۃ یوسف 87/12)

ترجمہ؛

”اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس لیے کہ اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں“۔

آگے ارشاد فرمایا کہ!

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (49) وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ (50)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجر 50/15)

ترجمہ؛

"اے نبی! لوگوں کو بتا دیں کہ اُن کا رب بہت معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے اگر چہ میری سزا بھی نہایت ہی دردناک ہے"۔

آگے ارشاد فرمایا کہ!

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ (54) وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (55)

القرآن الحکیم (سورۃ الزمر 53.55/39)

ترجمہ؛

"تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اُس کے فرمانبردار بن جاؤ اس سے قبل کہ اللہ کا عذاب تم کو آلے۔ تمہارے لیے بہتر ہے کہ اللہ کی طرف اترنے والے احسن احکامات کی پیروی کرو یہ نہ ہو کہ اللہ کا عذاب تمہیں اچانک آلے جب کہ تم نے اُس کے متعلق سوچا تک نہ ہو"۔

قرآن کی اِن آیات میں انسانوں کی کامیابی کو اللہ کے احکامات کی پیروی سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا گیا کہ اللہ کے احکامات کی پیروی میں خود تمھارا ہی فائدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کتابِ حق ہے۔ اس کتاب کی رہنمائی کے بغیر حق تک پہنچنا ممکن ہی نہیں۔ قرآن حکیم اللہ کی آخری کتاب ہے اس لیے اس کتاب سے باہر ہدایت اور سچائی کا کوئی تصور نہیں۔ آج امت مسلمہ جس اضطراب کا شکار ہے اُس کی سب سے بڑی وجہ اُن کی قرآن سے دوری ہے۔ اگرچہ مسلمانوں نے قرآن کو مکمل طور پہ تو نہیں چھوڑا تاہم وہ اس کی جزوی اطاعت پہ مطمئن ہو گیا ہے اسی لیے وہ اُس عظمت تک نہیں پہنچ رہا جو اس کتاب کی مکمل پیروی کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے کتاب ہمارے پاس موجود ہے اور محفوظ ہے جب مسلمان اس سے رہنمائی لینے کے لیے اس کو کھولیں گے تو عظمت رفتہ کے در خود بخود کھلنے لگیں گے۔ اللہ ہم کو کتاب اللہ کی اہمیت سمجھنے کی طرف راغب کرے۔ آمین

❄❄❄

حفاظت قرآن

قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے جس میں انسانی ہدایت کی تکمیل کر دی گئی ہے ۔قرآن حکیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے اسے نازل کیا ہے اور میں ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہوں ۔تو جب اللہ کسی چیز کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے تو وہ چیز انسانی بساط سے باہر ہو جاتی ہے اس لیے یہ بات حتمی اور بغیر کسی شک کے بیان کی جاسکتی ہے کہ قرآن حکیم دنیا کی سب سے محفوظ کتاب ہے اس لیے کہ اس کی حفاظت خود خالق نے اپنے ذمہ لی ہے ۔قرآن سے قبل جو الہامی کتابیں انسانوں کی ہدایت کے لیے اتری ہیں اُن کا معاملہ قرآن سے کافی مختلف ہے۔ کئی ایسے پہلو ہیں جن کے حوالے سے قرآن کو ماضی میں نازل ہونے والی آسمانی کتابوں پر برتری حاصل ہے۔ مثلاً دیکھیں کہ قرآن سے قبل جو کتابیں نازل کی گئیں اُن میں سے کسی ایک کتاب میں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ یہ کتاب انسانیت کی ہدایت کے لیے اتاری گئی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو کتاب جس قوم کی طرف نازل کی جاتی اُس کتاب میں اُسی قوم کی ہدایت کا اہتمام کیا جاتا۔ جبکہ قرآن حکیم

ہمیشہ کے لیے اور ساری دنیا کے انسانوں کے لیے کتاب ہدایت ہے۔ یہ بھی کہ وہ کتابیں اس قدر جامع اور مفصل نہ تھیں کہ تمام انسانیت اُن سے ہدایت حاصل کرتی۔ یہ فخر صرف قرآن کے حصے میں آیا ہے۔ اور یہ بھی کہ بقیہ آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ اِن کتابوں کی حفاظت بھی کرے گا بلکہ اِن کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری اُن قوموں پر تھی جن پر یہ کتابیں نازل کی گئیں مگر وہ اس میں ناکام رہے۔

یہ بھی کہ سابقہ امتوں کی طرف نازل کی گئیں کتابیں اپنے ہمراہ کوئی مکمل اور جامع نظریہ حیات لے کر نہ آئیں تھیں اس لیے اُن کا معدوم ہونا یقینی تھا۔ یوں بھی جب قرآن حکیم نازل کیا گیا تو بقیہ آسمانی کتابوں کی شریعت منسوخ کر دی گئی اور انسانوں پر اس بات کو کھول دیا گیا کہ اب قیامت تک قرآن ہی لوگوں کے لیے کتاب ہدایت ہے اور یہی فلاح کی منزلوں کی نوید ہے۔ زندگی کے اندھیرے رستوں میں یہی روشنی کی واحد کرن ہے اور اس کے پیروکار اس سے والہانہ محبت کرتے رہتے ہیں۔ غیر مسلموں سے جب قرآن کا جواب نہ بن پایا تو انھوں نے کہا کہ جس طرح دیگر آسمانی کتب انسانی دستبرد سے محفوظ نہ تھیں اسی طرح قرآن بھی انسانی دستبرد سے محفوظ نہیں ہے مگر یہ اُن کی کم علمی اور کج عملی تھی کہ انھوں نے اس عالمی ہدایت نامے سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے اُس پر بہتان باندھے اور گمراہی کا نہایت ہی برا سودا کیا۔ تورات انجیل اور زبور جو آسمانی صحیفے تھے وہ محفوظ نہ رہ سکے اور وقت کی راکھ میں گم ہو گئے۔

جبکہ قرآن ایک زندہ کتاب ہے اور اُس کے پیرو اُس سے محبت کرتے ہیں آج بھی قرآن لاکھوں سینوں میں محفوظ ہے۔ جس طرح کہ ابتدائے اسلام میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تب اہل عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔ مگر عربوں میں یہ صلاحیت موجود تھی کہ اُن کا ایک شخص محفل میں اشعار پڑھتا تو سننے والے اکثر لوگ اِن اشعار کو اپنے حافظے میں محفوظ کر لیتے۔ بیان کیا گیا ہے کہ اہل عرب کی یادداشت یعنی حافظہ دیگر ہم عصر اقوام سے بہت بڑھا ہوا تھا اس لیے کہ انھیں اس کی ضرورت پیش آتی رہتی تھی۔ چنانچہ انھیں

اشعار یادرکھنے کے لیے اپنے حافظہ کو مضبوط کرنا پڑا۔ہم اپنے قاری کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ خطہ عرب میں لوگوں کی اکثریت چونکہ امّی تھی اور لکھنے پڑھنے کے فن سے ناواقف تھی اس لیے وہ اپنے واقعات اور حادثات کو یادرکھتے اور اِس فن میں عرب کے بادیہ نشین خاص طور پہ ماہر تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی مشہور جنگوں لڑائیوں، واقعات اور حادثات کو بالتفصیل یادرکھا اور اُن شعروں اور خطبوں کو بھی محفوظ رکھا جو اِن مواقع پر کہے گئے تھے۔اسی طرح انھوں نے ان مفاخرات اور منافرات کو بھی محفوظ رکھا ہے جو اِن کے قبائل کے مابین رونما ہوئے۔ انھوں نے اپنے نسب ناموں کے علاوہ ان گھوڑوں کے نام ونسب کو بھی محفوظ رکھا ہے جو اِن جنگوں میں اترے۔نیز اس بات کو بھی محفوظ رکھا کہ وہ کس قبیلے سے ہیں اور وہ اولین آباء اور گذشتہ اسلاف میں سے کس مورث تک پہنچتے ہیں۔اس لیے ان کا کوئی شاعر جب شعر کہتا تو اشعار کی تعداد خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو جونہی وہ اِن اشعار کو سنتے وہ اِن کے ذہن کے صحیفوں پہ نقش ہوتے چلے جاتے اور ان کے خیال میں کسی تمثال کی طرح محفوظ رہتے۔اس بات میں ان کے قبائل کے عام اور خاص چھوٹے اور بڑے مرد اور عورت سب برابر تھے۔اس ضمن میں نہ کسی کو کوئی خاص شبہ ہے اور نہ کسی صاحبِ نظر کو کوئی شک ہے پھر یہ کہ جب کبھی ان کے ہاں کوئی خاص واقعہ پیش آتا یا کوئی عجیب بات وقوع پذیر ہوتی یا کوئی انوکھا نقطہ پیدا ہوتا تو وہ ان کے ہاں ضرب المثل بن جایا کرتا۔

پھر یہی اقوال عرب بھر میں شہرت حاصل کر جاتے اور اِن واقعات کی یاد ہمیشہ کے لیے باقی رہ جاتی جو اِن کے ماضی کو ان کے سینوں میں زندہ رکھتی۔چنانچہ اِن کے یہ اشعار اور امثال ہی تھے جن کی وجہ سے ان کی تاریخ نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائی اور بعد کے آنے والے لوگوں نے اُن کے ایامِ جنگ اور واقعات وحادثات کے متعلق جو کچھ معتبر لوگوں سے سنا اور اسے روایت کیا۔ان کی امثال اور اشعار کو اس طرح جمع کیا کہ ان کے ہر شعر اور مثل کے پس منظر کو بھی اجاگر کیا۔جس سے کئی مجموعے اور بہت سی جلدیں تیار ہوگئیں یہاں تک کہ وہ شمار وحصر کے دائرے سے نکل گئیں۔ اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے اشعار وامثال کے جو مجموعے ہم تک پہنچے ہیں بمقابل اس کے جو ہم

تک نہ پہنچ سکے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے کی حیثیت رکھتے ہیں یا پہاڑ اور چٹیل میدانوں کے مقابل ایک ذرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس لیے کہ اُن کے ابتدائی زمانے کے اشعار محاورے اور واقعاتِ جنگ ان کے چلے جانے کے ساتھ ہی ضائع ہو گئے اور یہ سب کچھ اُن کے سینوں ہی میں دفن رہا۔اگلے لوگوں تک نہ پہنچ سکا اور وہ بہت سے علوم وفنون کو اپنے ساتھ کفنوں میں لے گئے اس لیے کہ انھیں کوئی ایسا شخص نہ مل سکا جو اِن کے علوم اور حقوق کی حفاظت کرتا اور انھیں ضائع ہونے سے بچا لیتا۔

اہل عرب کے ہاں ہر شاعر کا ایک راویہ ہوا کرتا۔جو اپنے شاعر کے ہر قول کو محفوظ کرتا اور اِن اشعار کو یاد کر لیتا جو اُن کے شاعر نے مختلف مواقع پہ لوگوں کے سامنے پیش کیے ہوتے۔اس لیے ہر شاعر کے راویہ کو زجر وقصائد اور دیگر اقسام کے اشعار کی اتنی تعداد یاد ہوتی جو حصر وشمار سے باہر ہے۔

متاخرین میں سے صرف اصمعی [3*] ہی کو لیجیے تو اس نے بیان کیا کہ جب میں ابھی بالغ بھی نہ ہوا تھا تو بدویوں کے بارہ ہزار رجزیہ قصائد کو روایت کر چکا تھا۔اور حلف الاحمر [4*] عرب شعرا کا بہترین راوی اور جید اشعار کا سب سے بڑا عالم تھا۔

مختصر یہ کہ عربوں کا حافظہ جملہ اقوام سے زیادہ تیز تھا اور اس بات میں شک صرف وہی کر سکتا ہے جس کو کسی وجہ سے عربوں سے بغض ہو۔علامہ ہمدانی کا دعویٰ ہے کہ عربوں اور عجمیوں کے جو حالات ہم تک پہنچے ہیں وہ صرف عربوں ہی کے ذریعے پہنچے ہیں اور اس نے یہ بات بڑی وضاحت اور دلیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ازاں بعد اس نے کہا کہ اہل عرب بڑے حافظے والے اور صاحب روایت لوگ تھے۔اس پس منظر میں جب قرآن نازل ہوتا ہے تو عرب اُس کی فصاحت اور بلاغت کو دیکھتے ہوئے بہت جلد اس بات کو سمجھ گئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور نہایت ہی عمدہ کلام ہے اس لیے انھوں نے اس کلام کو اتنی ہی اہمیت دی جتنی اہمیت دیئے جانے کے لائق یہ کلام تھا۔اگر چہ ہم نے حفاظ قرآن کی جو تفصیل پہنچی ہے وہ بہت محدود ہے اس لیے کہ اہل روایت نے تصریحاً اس امر کو منتقل نہیں کیا کہ کس صحابی کو کتنا قرآن یاد تھا اور یہ اس لیے ہوا کہ اُن کے ہاں جس شخص کو کلام یاد نہ رہے اُن

کے ہاں یہ اُس شخص کا عیب تھا جو اُس کے نسب کے لیے بھی طعن کا باعث بنتا تھا اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے پردہ فرمایا تو ایک لاکھ لوگوں کو سارا قرآن یا قرآن کے کچھ حصے زبانی یاد تھے۔ تو جب کوئی کلام اتنے سینوں میں محفوظ ہو اُس کی عظمت کے کیا ہی کہنے۔[*5]

مستشرکین نے دراصل اہل عرب کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے تاثر قائم کیا کہ چونکہ اُن کے ہاں لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا اس لیے قرآن محفوظ نہ رہ سکا ہوگا مگر وہ نہیں جانتے کہ جہاں اللہ نے اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے وہاں اس کتاب کے مخاطبین نے بھی اس کتاب کو جس والہانہ محبت سے وصول کیا ہے وہ بھی دنیا میں اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے۔ روایات پہ نگاہ دوڑائیں تو پہلی بار جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس بات کا تذکرہ کیا کہ کیوں نہ قرآن کو الواح میں محفوظ کر لیا جائے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ یمامہ میں سات سو ایسے صحابہ شہید ہوئے تھے جن کو پورا قرآن زبانی یاد تھا۔ یا جب رسول اللہ کے ستر صحابہ کو بئیر معونہ پر قتل کر دیا گیا تو وہ سب کے سب حفاظ قرآن تھے۔ علاوہ ازیں امام بخاری اور دیگر محدثین بطور خاص جن حفاظ کے نام اگلی نسلوں کو منتقل کیے وہ بھی کم نہیں اُن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا ، حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا ، حضرت اُم سلمیٰ رضی اللہ عنہا، حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابو حلیمہ معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ، حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ، حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ، حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ، حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔[*6]

یہ سچ ہے کہ جب قرآن حکیم نازل ہونا شروع ہوا تب شہر مکہ میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔مشہور مورخ علامہ البلازری کے مطابق تب شہر مکہ میں صرف سترہ لوگ تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔اس کے باوجود روایات میں اس کا اثبات موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تب بھی قرآن حکیم کو لکھنے کا اہتمام فرمایا۔اُس زمانے میں اگرچہ کاغذ دریافت ہوچکا تھا مگر بہت مہنگا اور کمیاب تھا۔عام طور پر وہ عرب تاجر جن کو معاہدے وغیرہ لکھنے اور انھیں محفوظ رکھنے کی ضرورت پیش آتی رہتی تھی وہ چین سے درآمد شدہ کاغذ استعمال کرتے تھے۔اس کاغذ کو قرطاس کہا جاتا تھا خود قرآن حکیم میں بھی قرطاس کا ذکر موجود ہے۔عام عرب جو مہنگا چینی کاغذ فراہم کرنے سے قاصر تھے وہ" رق "استعمال کرتے جس کو ہرن کی جھلی سے بنایا جاتا تھا۔

وہ عسیب پہ بھی لکھتے تھے عسیب عسب کی جمع ہے،روایات میں عسیب کا ذکر آیا ہے یہ کاغذ نما ایک چیز ہوتی تھی جو کھجور کی چھال کو خشک کرکے تیار کیا جاتا۔

وہ لخاف پہ بھی قرآن لکھتے تھے۔لخاف لخف کی جمع ہے۔یہ پتھر کی طرح قدرے پتلی اور کشادہ سِل نما چیز ہوتی ہے جیسے ہمارے بچپن میں لکڑی کی تختی ہوا کرتی تھی اب تو وہ بھی ختم ہوگئی ہے تو عرب لخاف پہ بھی قرآن لکھا کرتے۔

پھر وہ رقعہ پہ بھی لکھتے۔یہ خشک چمڑے کا پارچہ ہوتا جسے جانوروں کی کھال خشک کرکے بنایا جاتا۔

پھر وہ اکتاف پہ بھی قرآن لکھتے۔اکتاف کتف کی جمع ہے یہ اونٹ یا بڑے جانوروں کے کندھے کی ہڈی ہوتی ہے جس کو تختی کی طرح ہموار کرلیا جاتا اس کے بعد یہ لکھنے کے کام آتی۔

وہ لکڑی کی بڑی بڑی شاخوں کو بھی ایک طرف سے سیدھا کر لیتے اور اسے تحریر کے قابل بنالیتے۔انھیں الواح کہا جاتا۔

پھر وہ کاغذ پہ بھی کلام پاک کو لکھتے تھے جیسا کہ قرآن حکیم میں اس کی تصدیق موجود ہے کاغذ کو وہ قرطاس کہا کرتے۔[7*] مورخین نے اہل روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کاتبین وحی کو طلب کرتے اور اُن

سے فرماتے اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد اور فلاں آیت سے پہلے لکھو۔ جب صحابہ اس کو لکھ لیتے تو آپ ﷺ اُن سے کہتے مجھے سناؤ۔ جب آپ ﷺ اُس آیت کو سن لیتے اور اچھی طرح اطمینان کر لیتے کہ کاتب نے اُس آیت کو اسی جگہ لکھا ہے جہاں آپ ﷺ نے اُسے لکھوانا چاہتے تھے تب آپ ﷺ اس آیت کو صحابہ سے بیان کرتے اور اللہ کے نئے پیغام سے اُن کو آشنا فرماتے۔

اسی طرح جب کوئی سورت مکمل ہو جاتی تو آپ ﷺ صحابہ کو فرما دیتے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد یہ سورت مکمل ہو گئی ہے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ تب ہم اس پوری سورت کو الگ سے کسی چیز پر لکھ لیتے اور محفوظ کر لیتے۔ وہ کہتے کہ ہم جو قرآن لکھتے ہمیں اس کو بار بار دیکھنے کی ضرورت اس لیے پیش نہ آتی کہ جو آیت بھی نازل ہوتی ہم اس کو یاد کر لیتے اور ہم چیزوں کو لکھنے کی بجائے زبانی یاد رکھنے ہی کے عادی تھے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کی وجہ سے ہم میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ قرآن کو لکھ لیا کرتے تھے۔ تاہم ہر وہ شخص جو اپنی یاداشت کے لیے یا اپنی محبت کی وجہ سے قرآن لکھ لیا کرتا ہو اُسے کاتب وحی نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ قرآن کی کتابت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جس شخص کو مناسب سمجھا اور اُس کو حکم دیا کہ قرآن کو لکھو صرف انھی صحابہ کو کاتبین وحی کہا جائے گا۔

مورخین نے کاتبین وحی کے نام لکھے ہیں۔ اِن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ، حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ، حضرت عبد اللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ، حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ، حضرت ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ، حضرت حنظلہ بن ابی الربیع رضی اللہ عنہ ، حضرت معقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن ارقم الزہری رضی اللہ عنہ ، حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ ، حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ، حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ ، حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ شامل ہیں [8*] بعض مورخین نے کاتبین وحی کی تعداد چالیس کے

قریب لکھی ہے۔جیسا کہ ابن قیم نے اپنی کتاب ''زاد المعاد'' میں اسی طرح لکھا ہے مگر بدقسمتی سے مجھے یہ کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔یہ بات سب جانتے ہیں کہ اسلام میں روزِ اول سے ہی نماز فرض ہوگئی تھی۔چنانچہ ضروری تھا کہ آنحضرت محمد ﷺ کو اس امر سے آگاہ فرمایا جاتا کہ انھوں نے نماز میں کیا پڑھنا ہے۔اس لیے بعض مورخین کا خیال ہے کہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر سورۃ فاتحہ ہی نازل کی گئی۔اس لیے کہ اس سورہ کو پڑھے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔اہل رواۃ کے ہاں بھی یہی بات مسلّم ہے۔مسلمان ابتدائی ایام سے ہی نماز پڑھتے آئے تھے اس لیے ضروری تھا کہ انھیں قرآن کا کچھ حصہ یاد ہو۔چنانچہ صحابہ کا معمول یہ تھا کہ جونہی قرآن کی کچھ آیات نازل ہوتیں وہ انھیں یاد کرلیتے اور اس کے ساتھ وہ اِن آیات کو لکھ بھی لیا کرتے۔جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے والے واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب وہ اپنے گھر سے دارارقم کی طرف جانے کے لیے نکلے تو راستے میں انھیں کسی نے بتایا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو تمھاری بہن اور بہنوئی بھی اسلام قبول کر چکے ہیں تو جب وہ اپنی بہن کے گھر پہنچے تو حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو سورہ طٰہٰ کی آیات پڑھا رہے تھے جب انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تیزی سے اندر داخل ہوتے دیکھا تو انھوں نے اُن اوراق کو اپنی ران کے نیچے چھپا لیا جن سے وہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو قرآن پڑھا رہے تھے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کے پاس لکھے ہوئے قرآن پاک کے قرطاس موجود رہتے تھے اور وہ اِن کو اپنی جان سے زیادہ محفوظ رکھتے تھے۔

یہ سلسلہ ہجرت تک جاری رہا اور مسلمان قرآن حکیم کو یاد بھی کرتے رہے اور اُس کو مختلف اشیاء پر لکھ کر محفوظ بھی کرتے رہے۔مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ پر 86 سورتیں نازل کی گئیں۔یہ سورتیں اکثر وبیشتر چھوٹی سورتیں ہیں اور دین کی بنیادی تعلیم اور احکام سے بحث کرتی ہیں۔اِن سورتوں میں توحید، رسالت، آخرت اور مکارم اخلاق پر زور دیا گیا ہے۔بعض مکی سورتوں میں سابقہ انبیاء کا تذکرہ بھی موجود ہے اور اُن کی امتوں کا تذکرہ بھی موجود ہے۔اطاعت کرنے والے اور انکار کرنے

والوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔مکی سورتوں کا خاص اسلوب ہے جس میں اہل مکہ کو انھی کے میدان میں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔اہل مکہ کا فخر اُن کی زبان تھا اُن کا فصیح و بلیغ ہونا تھا اور مکی سورتوں نے فصاحت اور بلاغت کے میدان میں اُن کا سر جھکا دیا تھا اس لیے کہ مکی سورتیں فصاحت و بلاغت کی انتہا تھیں اور زبان کی اس رفعت کو دیکھتے ہوئے بہت سے اہل عرب اس بات کو جان گئے تھے کہ ایسا عظیم کلام کسی انسان کا نہیں ہوسکتا۔

تاہم وہ لوگ ابھی اسلام قبول کرنے سے گریزاں تھے اور چاہتے تھے کہ پہلے اہل قریش اسلام قبول کریں جو رسول اللہ ﷺ کا اپنا خاندان تھا اس کے بعد وہ بھی اسلام قبول کرلیں گے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں فصاحت و بلاغت، روانی اور زور بیان کا وہ معیار ممکن ہی نہیں جو مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں کا خاصا ہے۔کسی بالغ نظر مفسر نے مکہ میں نازل ہونے والی قرآنی سورتوں کو کڑکتے ہوئے بادلوں اور متلاطم سمندروں سے تشبیہ دی ہے۔یعنی جس طرح پہاڑوں میں دریا کا تلاطم بڑھ جاتا ہے اور بے پناہ شور ہوتا ہے یا پھر کڑکتے بادل کی گرج و چمک لوگوں کو نیند سے بیدار کردیتی ہے اسی طرح مکی سورتیں لوگوں کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے نہایت خوبصورت انداز لیے ہوئے ہیں۔

ہجرت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے تو صحابہ اپنے مصحف ساتھ ہی لے گئے تھے جن پر قرآن لکھا ہوا تھا۔یاد رہے کہ یہ مصحف لوگوں کے پاس آج کے حوالے سے عجیب عجیب طریقوں سے محفوظ کیے گئے تھے کسی کے پاس کوئی صندوق تھا جس میں چمڑے کے ٹکروں، کاغذ کے پنوں کھجور کے تنوں اور اونٹ کے شانے کی ہڈیوں پر قرآنی آیات کو لکھ کر محفوظ کیا گیا تھا۔کسی کے پاس کوئی بوری تھی جس میں قرآنی آیات بھری ہوئی تھیں اور وہ انھی اجزا پر لکھی گئیں تھیں جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو قرآن محفوظ رکھنے میں مزید آسانی ہوگئی تھی اس لیے کہ اہل مکہ کے بالمقابل اہل مدینہ کے ہاں پڑھنے لکھنے والے لوگوں کی تعداد کافی زیادہ تھی جس کی وجہ یہ تھی وہاں بہت سے یہودی آباد تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے اس کی ایک وجہ تو

یہ ہے کہ وہ صاحب کتاب تھے اس لیے اُن کو پڑھنا لکھنا آتا تھا دوسرے وہ تاجر تھے اور تجارت کے لیے بھی لکھنے پڑھنے کی ضرورت رہتی ہے اس لیے اہل مدینہ اس معاملہ میں کافی ترقی یافتہ تھے اور یہودیوں کے ساتھ طویل عرصہ تک رہنے کی وجہ سے بہت سے عرب بھی لکھنے پڑھنے سے آگاہ تھے۔اس لیے مدینہ میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے قرآن کو محفوظ کرنے کا کڑا اہتمام کیا اور رسول اللہ ﷺ نے کئی ایسے اشخاص کو خاص طور پہ متعین کیا جو وحی لکھنے کی ذمہ دار تھے۔مدینہ میں جلد ہی اسلامی ریاست مستحکم ہوگئی اور ریاست کی قوت بھی قرآن کی پشت پہ آ گئی ازاں بعد جب مسجد نبوی تعمیر ہوگئی تو اُس کے صحن میں ایک چبوترا تعمیر کیا گیا جہاں اصحاب صفہ تعلیم و تعلم میں مصروف ہوگئے اور یوں قرآن نہ صرف لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہونے لگا بلکہ اُن کے ہاں اب قرآن کو لکھنے کا بھی پورا اہتمام موجود تھا۔جب مدینہ میں اسلامی ریاست کو استحکام حاصل ہوگیا تو مدینہ کے ہر محلّہ میں مسجد قائم ہوگئی۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ اِن تمام مساجد کا جائزہ لیتے رہیں۔اُن محلوں کے لوگوں کو قرآن کی نئی اترنے والی آیات سے آگاہ کرتے رہیں اور اس بات کا اہتمام کریں کہ عورتیں بھی قرآن حکیم کو یاد کریں۔

یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت بہت پسند تھی۔بخاری کی ایک روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے سب سے بڑے قاری ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔اسی طرح اللہ رب العزت کی طرف سے بھی تحفیظ قرآن کا خاص اہتمام کیا گیا تھا جس کے مطابق حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سال رمضان کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نازل ہونے والے قرآن کا دور کرتے۔اور رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے۔اس طرح قرآن حکیم کی تکمیل جاری رہی۔اس ضمن میں احادیث میں عرضہ یا معارضہ کے لفظ استعمال ہوئے ہیں جن کے لغوی معنی ہیں پیش کرنا یا کسی چیز کو دوسرے شخص کے سامنے رکھنا۔لیکن اصطلاح میں اس کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا حضرت جبرائیل علیہ السلام سے قرآن سننا اور حضرت

جبرائیل علیہ السلام کو قرآن سنانا۔ بیان کیا گیا ہے کہ شعبان کے مہینے میں صحابہ لکھے ہوئے قرآن کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کرتے اور آپ ﷺ کے سامنے پڑھتے اگر کسی سے کہیں لکھنے میں کوئی غلطی یا بھول چوک ہوگئی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کو درست فرما دیتے۔ گویا ایک تصدیق شدہ اور سرکاری طور پر مستند نسخہ قرآن اکثر و بیشتر صحابہ کے پاس موجود رہتا۔ آنے والے والے رمضان میں اسی تسلسل کو پھر دوہرایا جاتا اور یوں قرآن مستحکم ہوتا رہا۔ یاد رہے کہ دس ہجری میں آنے والے رمضان میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے مابین قرآن کے دو دور ہوئے جس سے غالباً یہ مراد تھا کہ آئندہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ موجود نہ ہوں گے اور ایسا ہی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ربیع الاول گیارہ ہجری کو دنیا سے پردہ فرما گئے۔

میں نے تاریخ ابن کثیر میں یہ روایت بھی دیکھی ہے کہ مسجد نبوی کے ایک کونے میں بھی نازل ہو چکے قرآن کا ایک نسخہ رکھا رہتا جس سے دیکھ کر صحابہ اپنے لکھے ہوئے قرآن کو درست کرتے یا اُس سے قرآن کو زبانی یاد کرتے۔ نو دس ہجری تک قرآن حکیم کا بیشتر حصہ لکھا جا چکا تھا۔ قرآن حکیم تحریر کیے جانے کی کیفیت کو بارہا بیان کیا جا چکا ہے کہ صحابہ مختلف اجزا پہ قرآن حکیم پہ کی آیات تحریر کیا کرتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں الگ الگ کتابچوں اور صحیفوں کی صورت محفوظ کی جاتی تھیں۔ طویل سورتیں جو مدینہ میں نازل ہوئیں اُن کو الگ الگ کاغذوں، جھلیوں اور تختیوں پر لکھ لیا جاتا۔ ایک صحابی کی روایت ہے کہ میرے پاس قرآن مجید ایک صندوق میں محفوظ تھا۔ ایک اور صحابی نے فرمایا کہ میں نے لکڑی کی ایک المباری قرآن کے لیے مختص کی ہوئی تھی جب بھی کوئی نئی آیت اترتی میں اُسے لکھ کر المباری میں رکھ دیتا۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی قرآن سارا کا سارا تحریر کر دیا گیا تھا یہ الگ بات ہے کہ وہ مختلف لوگوں اور مختلف اجزا پر تحریر کیا گیا تھا۔ تاہم رسول اللہ ﷺ جب اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو صحابہ نے اس امر کا اہتمام کیا کہ قرآن کو دو الواح میں محفوظ کر لیا جائے۔ اس امر کے محرکات بیان کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ جنگ یمامہ میں بہت سے صحابہ رسول شہید ہوئے جن میں

سات سو حفاظ تھے۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ قرآن حکیم کو محفوظ کر لیا جائے کیونکہ اگر اسی تعداد میں حفاظ کرام شہید ہوتے رہے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں قرآن حکیم کا بڑا حصہ معدوم نہ ہو جائے۔ جب بات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سمجھ میں آ گئی تو انھوں نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حکم دیا کہ زید آپ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں وحی لکھتے رہے ہیں آپ کو سارا قرآن زبانی بھی یاد ہے اس لیے ہماری خواہش ہے کہ آپ صحابہ سے قرآن کے وہ تمام منتشر اجزا اکٹھا کریں اور انھیں ایک جگہ یکجا کر دیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے کوئی پہاڑ ڈھانے کا حکم دیا جاتا تو وہ مجھ پر اس حکم سے آسان ہوتا جو حکم مجھے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

تاہم چونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اُن کے امیر تھے مسلمانوں کے خلیفہ تھے اس لیے اُن کی بات سے انکار بھی ممکن نہ تھا اس لیے انھوں نے قرآن اکٹھا کرنے کا کام شروع کر دیا مدینہ میں اعلان کر دیا گیا کہ جس جس کے پاس بھی قرآن کا جو جو حصہ لکھا ہوا ہے وہ اسے لے کر مسجد نبوی پہنچ جائے اور اسے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کام شروع کر دیا۔ اُن کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص قرآن لکھا ہوا لے کر اُن کے پاس حاضر ہوتا تو پہلے آپ اسے خود پڑھتے کیونکہ آپ کو سارا قرآن یاد تھا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے جو مسجد میں ہی موجود ہوتے اور جمع قرآن کے کام کی نگرانی کرتے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لاتے تو اُن سے تائید حاصل کی جاتی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی پورا قرآن زبانی یاد تھا، جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی تصدیق کر دیتے تو اُن سورتوں یا آیات کو مصحف میں لکھ لیا جاتا جس کی تیاری کی جا رہی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تیار کرتے ہوئے یہ نسخے اُن کی زندگی میں اُن کے پاس رہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے۔ ازاں بعد یہ نسخے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیئے گئے۔ پھر مروان بن حکم کے دور میں اس قرآن کو تلف کر دیا گیا کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قریش کی قرأت پر قرآن ترتیب دے دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے تو صحابہ کو احساس ہوا

کہ قرآن مکمل ہوگیا ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ یہ قرآن کی آخری آیت ہے چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے تو منطقی طور پہ اس بات کو تسلیم کرلیا گیا کہ قرآن کی تکمیل ہوگئی ہے۔اس لیے صحابہ نے اس کے تحفظ کا اہتمام کیا۔تاہم چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی قرآن حکیم کی حتمی ترتیب مقرر کردی تھی بلکہ ایک ایک آیت کے بارے میں فرمادیا تھا کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھو اس لیے بیشتر صحابہ کو اگرچہ ترتیب نزولی بھی یاد تھی تاہم انھوں نے ترتیب رسولی ہی کو اپنایا اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی کا حکم دیا تھا اور خود بھی قرآن حکیم کو اللہ کی منشا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی ہدایات کے مطابق ترتیب دیا تھا ۔قرآن حکیم میں 114 سورتیں ہیں۔سورتوں میں مختلف نام بھی مقرر کیے گئے ہیں۔تاہم یاد رہے کہ سورتوں کے ناموں کا سورتوں کے موضوعات سے برائے نام سا تعلق ہے بلکہ سورتوں کے نام محض شناخت کے لیے رکھے گئے جیسا کہ سورہ بقرہ کے متعلق بیان کیا گیا کہ وہ سورت جس میں گائے کا ذکر ہے۔علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ پر پوری کی پوری سورت بھی نازل کی گئی ہے اور بعض سورتوں کے نزول کے وقت ملائکہ کی بڑی تعداد بھی حاضر رہی ہے جس سے اِن سورتوں کی عظمت کا اظہار مقصود تھا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بعض سورتیں کئی کئی بار بھی نازل کی گئی ہیں۔جیسا کہ سورہ فاتحہ کے بارے میں روایت میں آتا ہے کہ پہلی بار یہ سورت مکہ میں نازل کی گئی۔تب حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ اسی ہزار فرشتے اسے کرلے کر اترے۔آغاز نبوت کے بعد بھی ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام اسی سورت کو لے کر اترے۔آخری مرتبہ یہ سورت مدینہ میں نازل کی گئی ۔ یہ تعدد نزول مختلف سورتوں کی عظمتوں کو ظاہر کرتا ہے یعنی یہ اس سورہ کی شان ہے کہ اسے لے کر فرشتے بار بار نازل ہوتے ہیں۔ہر نزول کے ساتھ نئی معنویت، ہر نزول میں ہزاروں فرشتے اس کی عظمت کو ظاہر کرتے ہیں بڑی سورتوں میں سورہ انعام ہے جو ایک ہی وقت میں پوری کی پوری نازل کی گئی۔مکی سورتوں کا مزاج اور اُن کا مضمون ظاہر کرتا ہے کہ اُن میں بیشتر پوری کی پوری ایک ہی بار میں رسول اللہ ﷺ پر

نازل کی گئیں۔یادرہے کہ اکثر و بیشتر یہ سورتیں چھوٹی ہیں اور یہ پوری کی پوری ایک ہی بار نازل کی گئیں جیسا کہ سورہ اخلاص، سورہ لہب اور سورہ نصر کے بارے میں روایات اسی امر کی تصدیق کرتی ہیں۔ بڑی سورتوں میں سورہ انعام کے بعد جو بڑی سورت پوری کی پوری نازل ہوئی وہ سورہ یوسف ہے جو ایک ہی بار نازل کی گئی پھر سورہ کہف ہے جو اہل مکہ کے سوالوں کے جواب میں ایک ہی بار پوری کی پوری نازل کی گئی۔قرآن کی آیات اور سورتوں کی موجودہ ترتیب رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ ہے۔آپ ﷺ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ تلاوت کرتے تو اسی ترتیب سے کرتے جس ترتیب سے آج قرآن حکیم ہمارے پاس موجود ہے یعنی کہا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کو جس ترتیب میں مکمل فرمایا اُس کے بعد وہ ترتیب ہمیشہ کے لیے قائم ہوگئی اور آج پندرہ سو سال بعد بھی قائم ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی رسول اللہ ﷺ کو قرآن اسی ترتیب کے مطابق سناتے رہے اور آپ ﷺ بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اسی ترتیب سے قرآن سناتے رہے جو اب ہمیشہ کے لیے قرآن کی ترتیب بن گئی ہے۔

یعنی اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ترتیب جو آج ہم اپنے قرآن میں دیکھتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی مقرر کی ہوئی ترتیب ہے۔سورتوں کے علاوہ بھی قرآن مجید کی کئی اندرونی ترتیبیں اور تقسیمیں ہیں۔مثلاً پاروں کی تقسیم، مثلاً رکوعات کی یا احزاب کی تقسیم ہے۔منزلوں کی تقسیم ہے یہ تمام تقسیمیں کب ہوئیں اِن کے بارے میں قطعیت سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔یہ سب بعد کی تقسیمیں ہیں جو پڑھنے والوں کی سہولت کی خاطر کی گئیں۔تاہم اِن میں سب سے قدیم تقسیم منزلوں کی ہے جس کے بارے روایات ہم تک پہنچی ہیں۔بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے اور سات دن میں قرآن کو مکمل فرمایا کرتے۔سات دن سے کم میں قرآن پاک ختم کرنے کو نہ تو رسول اللہ ﷺ نے خود پسند فرمایا ہے نہ اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔کیونکہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو فکر و تدبر کی متقضی ہے اس کو تیز تیز پڑھ جانے سے فکر و تدبر ممکن نہیں۔اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کو آہستہ آہستہ اور سوچ سمجھ کر پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔چنانچہ رسول اللہ

ﷺ جتنا قرآن ایک روز میں پڑھتے صحابہ نے اُسے ایک منزل قرار دیا ہے۔روایات میں اِن منزلوں کی تفصیل آئی ہے۔

پہلی منزل سورہ فاتح سے شروع ہوکر سورہ مائدہ تک ہے۔

دوسری منزل سورہ مائدہ سے سورہ یونس تک ہے۔

تیسری منزل سورہ یونس سے لے کر سورہ بنی اسرائیل تک ہے۔

چوتھی منزل سورہ بنی اسرائیل سے لے کر سورہ شعرا تک ہے۔

پانچویں منزل سورہ شعرا سے سورہ الصافات تک ہے۔

چھٹی منزل سورہ الصافات سے لے کر سورہ ق تک ہے۔

ساتویں منزل سورہ ق سے لے کر سورہ والناس تک ہے۔

بعض روایات کے مطابق منازل کی یہ تقسیم رسول اللہ ﷺ کی بجائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔یہ تقسیم گویا سورتوں کی تقسیم کے بعد ایک ذیلی تقسیم ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اشارے سے یا اجازت سے صحابہ کرام نے اختیار کی تھی اور بعض حضرات نے اپنے نسخوں میں اِن منازل کی نشاندہی بھی کی ہے۔آج جو قرآن ہمارے پاس ہے اُن میں بھی اِن منازل کی نشاندہی کی گئ ہے۔پھر جب اسلام عجمی عہد میں داخل ہوا اور دنیا کی بہت سی اقوام اسلام کے سایہ عافیت میں آ گئیں تو لوگوں نے تلاوت قرآن میں آسانی کے لیے مزید کام کیا۔آیات کے بھی الگ الگ گروپ بنا لیے گئے تا کہ تلاوت میں آسانی ہو۔دوسری صدی ہجری میں ہی قرآن حکیم میں بعض لوگوں نے تخیس اور تعشیر کو اپنایا یعنی کسی نے تو پانچ آیات کے بعد نشان لگایا اور کسی نے دس آیات کے بعد نشان لگایا۔علوم قرآنی پر قدیم کتابوں میں یہ بحث ملتی ہے کہ تخمیس وتعشیر کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے۔بعض صحابہ اس کو جائز نہ سمجھتے تھے اور بعض جائز سمجھتے تھے۔جو لوگ اسے جائز سمجھتے تھے اُن کا موقف یہ تھا کہ یہ تقسیم سہولت کی خاطر ہے تا کہ قرآن کی تلاوت کرنے میں آسانی رہے اور بچوں کو یاد کرنے میں بھی آسانی ہو جو لوگ اس امر کو ناجائز کہتے ہیں اُن کا موقف یہ تھا کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے

اس امر کو اختیار نہیں کیا اس لیے اس سے گریز مناسب ہے۔ بہر حال یہ تقویٰ اور احتیاط کا معاملہ ہے ۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ تخمیس و تعشیر کو دو صورتوں میں استعمال کیا گیا کچھ لوگوں نے تو قرآن کے اندر ہی اس بات کی نشاندہی کی کہ یہاں تخمیس ہے اور یہاں تعشیر ہے جبکہ بعض لوگوں نے قرآن کے باہر حاشیہ میں تخمیس و تعشیر کو ظاہر کیا ہے ہمارا خیال ہے کہ اگر تخمیس کو تعشیر کو استعمال کرنا ضروری ہی ہو تو اس کو حاشیہ میں واضح کیا جائے کلام پاک کے اندر نشان نہ لگایا جائے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ جانتے ہیں کہ آیت اور سورت سے کیا مراد ہے۔ عربی زبان میں آیت کے معنی نشانی یا معجزہ کے ہے۔ قرآن حکیم سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ''**و لقد آتینا موسیٰ تسع آیات بینات** ''اور لفظ آیت کے لغوی معنی جگہ اور ٹھکانا کے ہیں۔ اس مفہوم کے لحاظ سے آیت وہ جگہ ہے جہاں آپ رات گزاریں۔ یعنی جیسا کہ کہا جاتا ہے **مبیت** آو ی کے معنی پناہ دینا اور او ی **یاوی** کے معنی ہیں پناہ لینا، آیت قران کی سب سے چھوٹی تقسیم ہے جیسا کہ طہ ایک آیت ہے الم بھی ایک آیت ہے۔ حالانکہ یہ محض دو تین حروف ہی ہیں اس کے باوجود اِن کو آیت کہا جائے گا۔ اسی طرح لمبی آیات بھی ہیں جو آدھے آدھے صفحے پر محیط ہیں۔ قرآن پہ عمیق نگاہیں رکھنے والوں نے بتایا کہ قرآن کی سب سے چھوٹی آیت طہ ہے اور سب سے بڑی آیت کو لوگ پہچان کے لیے آیت الکرسی کہتے ہیں۔ روایات میں آیت الکرسی کی بہت تکریم آئی ہے کیونکہ اس میں شان خداوندی کی طرف اشارات ہیں حصول برکت کے لیے قرآن کی اس سب سے بڑی آیت کو یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔

یہ آیت سورۃ بقرہ میں آئی ہے آیت کا نمبر 255 ہے۔

اللّٰهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاء

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ
(255)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 255/2)

ترجمہ:

''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ تمام عالم کو سنبھالے ہوئے ہے اُسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند، سب کچھ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے یا زمین میں، اور ایسا کوئی نہیں جو اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے، وہ جانتا ہے سب حاضر کو اور سب غائب کو، سب کچھ اُس کے احاطہ علم میں ہے مگر جس قدر وہ چاہے، اس کی کرسی آسمانوں اور زمینوں سب کو محیط ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس قدر عظیم الشان کائنات کو چلانے میں ذرا بھی دقت نہیں''۔

یاد رہے کہ آیات کا تعین اکثر و بیشتر رسول اللہ ﷺ نے خود ہی فرمایا ہے۔ بہت کم آیات ہیں جن کے بارے میں صحابہ کے مابین اختلاف پیدا ہوا۔ مکی سورتوں میں جو خاص آہنگ ہے اُس کی وجہ سے بعض آیات کے ضمن میں اس قسم کا اختلاف پایا گیا ہے کہ یہ آیت یہاں ختم ہوتی ہے یا دو تین لفظوں کے بعد ختم ہوتی ہے۔ دراصل مکی آیات میں جو خاص انداز نغمگی کلام پاک کے اندر پایا جاتا ہے عرب اُس اسلوب سے پوری طرح آگاہ نہ تھے وہ یا تو رواں نثر کو جانتے تھے یا پھر قافیہ اور ردیف میں مقید اُس کلام کو جانتے تھے جسے وہ شعر کہتے۔ مگر اِن قرآنی آیت میں شاعرانہ نغمگی تو موجود ہے اور آیت کے آخر میں ایک خاص انداز کا قافیہ اور ردیف بھی موجود ہے اس کے باوجود اس کلام کو شعر کہنا مشکل ہے اس لیے کہ شعر کی دیگر کئی شرائط وہاں مفقود ہیں مگر اسے رواں نثر کہنا بھی آسان نہیں اس لیے کہ مکی سورتوں کے خاص آہنگ کو کسی صورت رواں نثر قرار دیا ہی نہیں جاسکتا۔

اس ضمن میں چند مکی سورتوں پہ نگاہ ڈالتے ہیں۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (1) خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (2) اقْرَأْ وَرَبُّكَ
الْأَكْرَمُ (3) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (4) عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (5)
كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَى (6) أَن رَّآهُ اسْتَغْنَى (7) إِنَّ إِلَى رَبِّكَ الرُّجْعَى
(8) أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى (9) عَبْداً إِذَا صَلَّى (10) أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى
الْهُدَى (11) أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَى (12) أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّى (13) أَلَمْ
يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى (14) كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعاً بِالنَّاصِيَةِ
(15) نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (16) فَلْيَدْعُ نَادِيَه (17) سَنَدْعُ
الزَّبَانِيَةَ (18) كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (19)

القرآن الحکیم (سورۃ العلق 1.19/96)

ترجمہ؛

پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی ۔ پڑھو اور تمھارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا انسان کو، وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ ہرگز نہیں انسان سرکشی کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے (حالانکہ) پلٹنا یقیناً تیرے رب کی طرف ہی ہے، تم نے دیکھا ایک شخص کو جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہو؟ تمھارا کیا خیال ہے اگر (وہ بندہ) راہ راست پہ ہو یا پرہیز گاری کی تلقین کرتا ہو؟ تمھارا کیا خیال ہے اگر (یہ منع کرنے والا شخص) جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہو؟ کیا وہ نہیں جانتا اللہ دیکھ رہا ہے۔ ہرگز نہیں، اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے اُس پیشانی کو جو جھوٹی اور سخت خطا کار ہے۔ وہ بلالے اپنے حامیوں کی

ٹولی کو، ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے، ہرگز نہیں اُس کی بات نہ مانو اور سجدہ کرو (اپنے رب کا) قرب حاصل کرنے کے لیے"۔

اسی طرح کا معجز کلام سورہ العادیات میں بھی ہے۔

وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحاً (1) فَالْمُورِيَاتِ قَدْحاً (2) فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحاً (3) فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعاً (4) فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعاً (5) إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ (6) وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ لَشَهِيدٌ (7) وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ (8) أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ (9) وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ (10) إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ (11)

القرآن الحکیم (سورۃ العادیات 1.11/100)

ترجمہ:

"قسم ہے اُن (گھوڑوں) کی جو پھنکارے مارتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر (اپنی ٹاپوں سے) چنگاریاں جھاڑتے ہیں، پھر صبح سویرے چھاپہ مارتے ہیں، پھر اس موقع پر گرد و غبار اڑاتے ہیں، پھر اسی حالت میں کسی مجمع کے اندر گھس جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے اور وہ خود اس پر گواہ ہے اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔ تو کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب وہ قبروں میں جو کچھ (مدفون ہے) اُسے نکال لیا جائے گا، اور سینوں میں جو کچھ (مخفی) ہے اُسے برآمد کر کے اُس کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔ یقیناً اُن کا رب اُس روز اُن سے خوب باخبر ہوگا"۔

چنانچہ یہی وہ معجزہ قرآن ہے جس کی وجہ سے عرب تحیر میں تھے اور اُن کے صاحب دانش جانتے تھے کہ قرآن نے انھیں انھی کے میدان میں مات دی ہے جس کا بعض لوگوں کو بہت قلق تھا۔ اسلوب قرآن کے بارے میں مولانا وحید الدین ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

’’قرآن کی صرف کتابت ہی محفوظ نہیں ہے بلکہ اس کا طرزِ ادا بھی محفوظ ہے۔ آج ایک مسلمان جب قرآن کو کھول کے پڑھتا ہے تو آواز کے اعتبار سے وہ اسی طرزِ ادا کا اتباع کرتا ہے جو پیغمبر ﷺ نے اختیار کیا تھا یا جس کی تلقین فرمائی تھی۔ آج ایک قاری قرآن کے ایک طرزِ ادا میں اور زمانہ نبوت کے طرزِ ادا میں حقیقی اعتبار سے کوئی صوتی فرق نہیں۔ مثال کے طور پر سورہ **القیامہ** میں ایک آیت ہے جو اس طرح لکھی جاتی ہے؛ **وقیل من راق** ۔ عربی گریمر کے لحاظ سے اس آیت کو ایک جملہ کے طور پر مسلسل پڑھنا چاہیے مگر قرآن کا ہر قاری جب اس کو پڑھتا ہے تو وہ **من** پر سکتہ کرتا ہے ۔یعنی **وقیل من** کہہ کر وہ ایک لمحہ کے لیے ٹھہرتا ہے، اس کے بعد وہ کہتا ہے **راق** ۔قواعد زبان کے اعتبار سے اس طرزِ ادا کا کوئی سبب نہیں ہے یہ صرف اس لیے ہے کہ راویوں نے یہ بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت پڑھی تو آپ ﷺ **وقیل من** کہہ کر ایک لمحہ کے لیے رُک گئے تھے توقف کیا اس کے بعد راق کہا تھا۔ اسی مثال کو سارے قرآن پر محیط کر لیں۔ الفاظ کی ادائیگی میں نبوت کا یہ اتباع انتہائی کامل صورت میں آج تک قائم ہے۔ رسول اللہ ﷺ جس طرح قرآن کو پڑھتے تھے اس کو آپ ﷺ کے اصحاب نے سنا، اور عین اسی طرح دوہرایا۔ پھر تابعین نے صحابہ سے سنا اور اُس کو عین اسی طرح دوہرایا۔ اس کے بعد تابعین یا تبع تابعین سے سنا اور اُس کو ویسا ہی یاد کیا ویسے ہی دوہرایا جیسے کہ انھوں نے سنا۔ اس طرح نسل در نسل تلاوت ٹھیک اسی طرح دوہرائی جاتی رہی جس طرح رسول اللہ ﷺ تلاوت کیا کرتے تھے۔ پچھلے لوگ

اگلے لوگوں کو سناتے رہے اور یہ سلسلہ زمانہ نبوت سے شروع ہو کر آج تک بلا کسی انقطاع کے جاری وساری ہے‘‘۔[*9]

آیت کی تشریح کے بعد دیکھتے ہیں کہ سورہ کے کیا معنی ہیں۔سورت کے ایک معنی تو ہیں رفعت اور بلندی، اس سے کلام پاک کے پیغام اور مطالب کی رفعت اور بلندی مراد ہے۔اس لیے بھی ہر سورت کو سورت کہا گیا ہے۔سورت کے ایک معنی شہر پناہ کے بھی بیان کیے گئے ہیں۔پرانے زمانوں میں خود کو دشمن کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لیے شہر کے چاروں ایک مضبوط فصیل بنائی جاتی تھی جس کو شہر پناہ کہا جاتا تھا۔اسی کو عربی لغت میں سور کہا گیا ہے۔اور اُس حصے اور سارے علاقے کو جو اس شہر پناہ کے اندر آتا ہو سورت کہا جاتا ہے۔اس لیے سورت کے معنی اُس شہر کے بھی ہو سکتے ہیں جس کو چاروں طرف سے مضبوط فصیل نے گھیرا ہوا ہو۔اگر سورت کے یہ معنی لیے جائیں تو پھر آیت کے وہ معنی بہت برمحل دکھائی دیں گے جس میں آیت کے معنی بستر یا ٹھکانا کے کیے گئے ہیں۔اس لیے کہ شہر میں بہت سے گھر ہوتے ہیں جیسے ایک سورہ میں بہت سی آیات ہوتی ہیں۔ہر گھر میں ایک آرام کی جگہ ہوتی ہے جس میں انسان استراحت کرتا ہے وہ اس کا ٹھکانا ہے۔گویا شہر ایک بڑی اکائی ہے اور گھر چھوٹی اکائی ہے اور دونوں میں ایک نسبت ضرور پائی جاتی ہے۔

جہاں تک ترتیب تلاوت کا تعلق ہے یعنی جس ترتیب سے قرآن مجید آج پڑھا جاتا ہے لکھا جاتا ہے یہ ترتیب تلاوت ہے، ترتیب نزولی نہیں ہے۔ترتیب نزولی بھی کسی قدر اہمیت کی حامل ہے اور صحابہ نے اس بارے میں روایات کا کافی ذخیرہ آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑا ہے۔بہت سے معاملات کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ترتیب نزولی کا علم بھی ضروری ہے۔اس لیے کہ اگر یہ پتا نہ ہو کہ کون سی آیت پہلے اتری ہے اور کون سی بعد میں اتری ہے تو احکام مرتب کرنے میں دشواری پیش آتی۔اس لیے کہ ہر بعد میں آنے والے حکم کو پہلے سے آچکے حکم سے ملا کر پڑھا جاتا ہے۔قرآن مجید میں کوئی

تعارض یا تضاد نہیں ہے۔لیکن تدریج کے اصول کے تحت بہت سے احکام ایک ایک کر کے آہستہ آہستہ نازل ہوئے۔پہلے ایک عمومی ہدایت دی گئی،جب اس ہدایت پر عملدرآمد شروع ہوگیا تو پھر اس میں مزید تخصیص کردی گئی۔جب لوگوں کی طبیعتیں اس سے مانوس ہوگئیں تو حتمی حکم اتار دیا گیا جیسا کہ اس مثال سے ظاہر ہورہا ہے جس میں مرحلہ وار شراب کو حرام قرار دیا گیا۔

ارشاد ہوا کہ!

”یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 2 ؛ 219)

ترجمہ؛

”وہ پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق،آپ فرما دیجئے اِن دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لیے مگر گناہ بہت زیادہ ہے اِن کے فائدے کی نسبت“۔

اگلے مرحلے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ جب تم نے شراب پی رکھی ہو تو نماز کے لیے نہ آیا کرو چنانچہ ارشادِ ہوا کہ!

”یَآ یُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْاالصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ○

القرآن الحکیم (سورۃ النساء4 ؛ 43)

ترجمہ؛

”اے ایمان والو!نہ قریب جایا کرو نماز کے جب تم نشے کی حالت میں ہو“۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ!

شراب اور جوئے کے بارے میں یہ قطعی حکم تھا جو سورۃ المائدہ میں اتارا گیا جس کے بعد اِن لغویات کو لوگوں کے لیے حرام قرار دے دیا گیا اور اِن کے قریب آنے سے اللہ کے عذاب کی خبر سنائی گئی۔ یاد رہے کہ اکثر مورخین کا یہ خیال ہے کہ یہ آیات تب اتریں جب نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ یہودی قبیلہ بنو قریظہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

یَـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 5 ؛ 90/91)

ترجمہ؛

”اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک کام ہیں، شیطان کی کارستانیاں ہیں، سو بچو اِن سے تا کہ فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمھارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بغض و عداوت ڈال دے اور روک دے تمھیں نماز اور یادِ الٰہی سے تو کیا تم باز آنے والے ہو ؟“

بیان کیا گیا ہے کہ اگر بیک وقت پورا قانون ایک ساتھ لوگوں پر لادیا جاتا تو عمل بھی دشوار ہوتا اور یہ بھی ممکن نہ ہوتا کہ اُس کو سہل طریقے سے انسانی زندگی میں جاری وساری کر دیا جائے ۔چنانچہ آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے قوانین اتارے گئے تا کہ لوگ بتدریج اِن پر عامل ہو جائیں اور وہ اخلاقی اور تمدنی ہدایات لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا حصہ بنتی جائیں جو اسلام کا اصل مزاج ہیں۔ یوں ایک وقت آیا کہ پورے معاشرے میں اللہ ہی کا رنگ غالب ہو کر رہ گیا اور لوگوں نے اپنے آباء کی تہذیب و معاشرت کو رد کر کے اسلام کی اُجلی اور پاکیزہ تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں داخل کر لیا۔جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ احکامات اور قوانین کی تفصیلات کو جاننے کے لیے نزول قرآن کی اُس تاریخی ترتیب سے واقفیت لازمی تھی جس میں قرآن اتر رہا تھا اور جسے عرف میں ترتیب نزولی کہا جاتا ہے۔صحابہ کا ایک گروہ جو قرآن سے گہری دلچسپی رکھتا تھا اور وہ قرآن کو اپنے نصب العین قرار دیئے ہوئے تھے۔ اِن لوگوں نے قرآن کی ترتیب نزولی کے متعلق بھی کافی معلومات اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کے لیے محفوظ کیں ۔روایات کی روشنی میں اگر اس معاملے کا جائزہ لیا جائے تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کے نام فہم قرآن کی فہرست میں سب سے اوپر نظر آتے ہیں۔سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے صحابی ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

قرآن پڑھو تو اُم ابن عبد کی قرأت پر پڑھو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ کی طرف روانہ کیا کہ وہ انھیں قرآن سکھائیں اور اُن کی تربیت کریں تو اہل کوفہ کو یہ خط لکھا!

”اے عراق کے لوگو! میں تمھاری خاطر بہت بڑی قربانی دے رہا ہوں اور ایک ایسے

آدمی کو تمھارے پاس بھیج رہا ہوں جس کی یہاں موجودگی میرے لیے طمانیت اور آسودگی کا باعث تھی، جس کا ساتھ میرے لیے بہت ضروری تھا مگر میں نے تمہاری ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم کیا اور قرآن وشریعت کی تعلیم کے لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تمھاری طرف روانہ کیا اِن کی قدر کرنا اور اُن کے کہے پر سر جھکانا، اللہ تمہارا حامی وناصر ہو"۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کسی محفل میں فرمایا:

"خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ قرآن مجید کی کون سی سورت کب نازل ہوئی، کہاں نازل ہوئی کس کے بارے میں نازل ہوئی، کون سی آیت کب نازل ہوئی، کہاں نازل ہوئی، کیوں نازل ہوئی، کس کیفیت میں نازل ہوئی، کون سے احکامات کے ساتھ نازل ہوئی۔ خدا کی قسم اگر مجھے پتہ چل جائے کہ کسی اور شخص کو قرآن کے بارے میں مجھ سے زیادہ علم ہے تو میں اُس تک پہنچوں اور اُس سے سیکھوں جو میں نہیں جانتا"۔

حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ علم وعمل میں اُن کا درجہ کس قدر بلند ہے۔ وہ قرآن کے بارے میں بہت علم رکھتے تھے اور صاحب علم لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی میت میں کس قدر طویل وقت گزارا ہے اس لیے یقیناً کتاب اللہ کو جاننے میں آپ دوسروں سے بڑھ کے تھے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک روز انھوں نے اہل کوفہ سے فرمایا!

"اے اہل کوفہ! مجھ سے پوچھ لو جو پوچھنا چاہتے ہو اس لیے کہ بہت جلد وہ وقت آنے

والا ہے جب پوچھنے والے تو بہت ہوں گے مگر بتانے والا کوئی نہ ہوگا''۔

یہ مضمون ہم نے تحفظ قرآن کے عنوان سے شروع کیا تھا بات تھوڑی لمبی ہوگئی۔ وہ نظائر قرآن جن سے قرآن کی حفاظت کا اظہار ہوتا ہے اُن کے بیان اور صحابہ کی قرآن سے محبت کے بیان کے بعد اب اس ضمن میں ہم قرآن کے داخلی اور تاریخ اسلام کے اُن خارجی مظاہر سے کچھ بحث کرنے چاہتے ہیں جنھوں نے قرآن حکیم کو ایک زندہ و جاوید کتاب بنا کے رکھ دیا ہے۔

قرآن حکیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ!

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (42)

القرآن الحکیم (سورۃ حمٰ سجدہ 41.42/41)

ترجمہ؛

''اس کتاب میں نہ باطل آگے سے داخل ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے، اس لیے کہ یہ حکیم و مجید کا نازل کردہ ہے''۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علمانے لکھا ہے کہ الہامی کتابوں میں داخلی انتشار یہ ہے کہ اُس کے ماننے والے ہی اُسے بدل کے رکھ دیں جیسا کہ قرآن سے قبل نازل ہونے والی کتابوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔ یہودیوں نے اپنی کتاب کو اس بری طرح بدل کے رکھ دیا تھا کہ اُس کی بنیادی تعلیمات تک نظروں سے اوجھل ہو کے رہ گئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ قدیم کی کتابیں انتشار کا شکار ہوئیں اور اپنی اعتباریت کھو بیٹھیں۔ بات کو اس مثال سے سمجھیں!

توراۃ میں لکھا ہے کہ!

''پھر خداوند نے موسیٰ سے یہ بھی کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر ڈھانک لے۔ تو اُس نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھ کے ڈھانک لیا، اور جب اُس نے اپنا ہاتھ نکال کے دیکھا تو اُس کا ہاتھ کوڑھ سے برف کی مانند سفید تھا۔ اُس نے کہا تو اپنا ہاتھ پھر اپنے سینے پر رکھ کے ڈھانک لے۔ اس نے پھر اپنا ہاتھ سینے پر رکھ کے ڈھانک لیا جب اس نے اسے باہر نکالا تو وہ پھر اس کے باقی جسم کی مانند ہو گیا''۔

(خروج ؛باب 4 6-8)

اس عبارت میں ''کوڑھ سے'' کے الفاظ خارجی ہیں۔ اصل تورات میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ کسی یہودی عالم نے یہ الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے۔ اپنی طرف سے اُس نے متن کی تشریح کی کوشش کی مگر وقت گرزنے کے ساتھ یہ الفاظ متن کا حصہ بن گئے اور مقدس ہو گئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ کس طرح اللہ کی مقدس کتابوں میں داخلی طور پر باطل داخل ہو جاتا ہے۔ خارجی انتشار یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل کو بہت سے دشمنوں کا سامنا تھا اس کے باوجود انھوں نے اپنی کتاب کو محفوظ کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہ کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُن پر بار بار حملہ آور ہونے والے دشمن اُن کی مقدس کتابوں کو بھی تباہ کرتے رہے اور اُن کے پاس اپنی کتابوں کا اصل نسخہ ہی موجود نہ رہتا۔ پھر وہ اپنے راہبوں یا پادریوں یا ربیوں سے کہتے کتاب مقدس سے تمہیں جو کچھ یاد ہے اُسے لکھ لو۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی بھی انجیل دیکھ لیں اُس کے باہر مصنف کا نام درج ہوگا، اگلے بازار سے ایک اور بائبل خرید لیں وہ کسی اور مصنف کی لکھی ہوئی ہوگی تو پھر اللہ کی کتاب کہاں گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی کتاب کو سنجیدگی سے لیا ہی نہ تھا اس لیے اللہ کی کتابیں بھی اُن سے روٹھ گئیں۔ یہودیوں کے بارے میں تو سب جانتے ہیں کہ بابل میں ستر سال کی اسیری میں اُن کی تمام کتابیں وقت کی

راکھ میں گم ہو گئیں۔ جب انھیں اہل بابل کی قید سے نجات ملی تو جو کچھ کتاب مقدس سے انھیں یاد تھا انھوں نے لکھ لیا اور بہت سے لوگوں نے لکھا یہی وجہ ہے کہ ایک تورات دوسری توارات سے نہیں ملتی تیسری تورات چوتھی تورات سے مختلف ہے۔ مگر قرآن کو دیکھیں تو آج پندرہ سوسال بعد بھی اگر اُس کا ایک نسخہ ٹوکیو کے کسی بازار سے خریدیں دوسرا نسخہ لندن کے کسی بازار سے خریدیں چوتھا مصحف اوسلو کے کسی بازار سے خریدیں، پانچواں نسخہ مدینہ یا مکہ کے کسی بازار سے خریدیں اور دوربین لے کر بیٹھ جائیں تب بھی اُن تمام نسخوں میں زیر زبر کا اختلاف بھی نہیں ملے گا اس کی وجہ کیا قرآن ہی کی زبانی سنئے۔

اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ!

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (9)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجر 9/15)

ترجمہ؛

”ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں“۔

یعنی کس قدر بلند آہنگ اعلان ہے کہ کوئی اس بات میں شک نہ کرے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور اللہ ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اللہ سچا ہے اس لیے کہ پندرہ سوسال کی گواہی تو ہم بھی دے سکتے ہیں، یقیناً پندرہ سوسال بعد آنے والے مسلمان بھی یہی الفاظ لکھیں گے جو میں لکھ رہا ہوں کہ اللہ نے سچ کہا تھا کہ وہ اپنی کتاب کی حفاظت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو داخلی اور خارجی انتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے اس قدر کڑا اہتمام کیا ہے کہ حیرت سے آنکھیں پھٹ جاتی ہیں۔ سر جھک جاتا ہے اور اللہ کی کبریت سے دل لرز جاتا ہے کہ وہ کس قدر باریک بین اور صاحب امر ہے جس کے

سامنے ایک روز ہم کو پیش ہونا ہے۔حفاظت قرآن کے ضمن میں ہم جانتے ہیں کہ پریس کے دور سے قبل لکھی جانے والی دیگر معروف کتابیں جو قرآن سے کچھ پہلے یا کچھ بعد کی ہیں، زمانے نے اُن کے ساتھ کیا کیا۔

◁◀ عبداللہ بن المقفع عباسی دور کے معروف ادیب اور مترجم ہیں ۔142ھ میں اُن کا انتقال ہوا۔انھوں نے فارسی کی ایک مشہور کتاب ''**پنج تنتر**'' کا عربی ترجمہ کیا اور اس کا نام **کلیلہ و دمنہ** رکھا۔اولاً یہ کتاب سنسکرت میں لکھی گئی تھی جو ایک قدیم بھارتی زبان ہے ۔چنانچہ پہلے سنسکرت والا نسخہ وقت کی نظر ہوا پھر فارسی والا نسخہ بھی معدوم ہو گیا۔آج اگرچہ اس معروف کتاب کے کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں مگر وہ تمام کے تمام **کلیلہ و دمنہ** سے کئے گئے یہ اصل کتاب کا وہ ترجمہ ہے جو عبداللہ بن المقفع نے کیا تھا۔

◁◀ اسی طرح محمد بن موسیٰ الخوارزمی ہیں وہ بھی دورِ عباسی کے معروف ریاضی دان اور عالم ہیں۔انھوں نے علم ہندسہ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ''**الجامع و التفریق بحساب الہند**'' ہے۔علم ہندسہ پر یہ کتاب بہت اہم تصور کی جاتی ہے۔مگر وہ وقت کی راکھ میں کہیں گم ہو گئی اُس کا صرف ایک نسخہ روم کے ایک عجائب گھر میں موجود ہے مگر وہ بھی اصل کتاب نہیں بلکہ اُس کتاب کا اطالوی ترجمہ ہے۔

◁◀ ابو مسلم اصفہانی نے دورِ اول میں قرآن حکیم کی ایک بہت شاندار تفسیر لکھی مگر وہ وقت کی راکھ میں گم ہو گئی اب صرف اُس کے چند تراجم ہی زمانے کی دستبرد سے بچے ہیں۔

◁◀ قدیم یونانی کتابیں جو یونانی میں لکھی گئیں کہ اکثر و بیشتر وقت کی راکھ میں گم ہو گئیں۔حالانکہ وہ علم وادب کے شیدائی تھے اور علم کی اہمیت سے آگاہ تھے اور کتابوں کو محفوظ رکھنے کی خواہش رکھتے تھے اس کے باوجود اُن کی بہت کم کتابیں زمانے کی دستبرد سے محفوظ رہ سکیں۔اور جو محفوظ رہیں اُن کا حال یہ ہے جسے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔قدیم زمانے کی دو یونانی کتابیں کافی شہرت کی حامل ہیں۔ایک کا نام الیڈ [Illiad] ہے۔اور دوسری کا نام اوڈیسی [Odyssey] ہے۔پہلی کتاب ایک جنگ کا خیالی تصور ہے تو دوسری کتاب مفروضہ سفر نامہ ہے۔اِن کتابوں کی ادبی حیثیت بہت بلند ہے۔اس لیے اِن کتابوں کے انگنت ترجمے کیے گئے۔مگر دونوں کتابوں کے بارے میں عجیب بات یہ ہے کہ کسی کو قطعیت کے ساتھ اس کتاب کے مصنف کا نام معلوم نہیں۔عام طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اِن کتابوں کے مصنف کا نام Homer ہے۔مگر ہومر کے بارے میں تاریخی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ایک عورت کے بارے میں معلوم ہوا کہ [Odyssey] نامی کتاب اُس نے لکھی مگر انگلستان ہی کے معروف محقق (Samyoul Butler) نے اس دعویٰ کو بیوقوفی قرار دیا۔باقی رہا [Illiad] کا معاملہ تو اُس کا کوئی دعویدار بھی سامنے نہیں آیا۔

◁◀ الہامی کتابوں کو بھی اس امر سے کوئی استثناء نہیں، وہ بھی زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔مثلاً انجیل کا قدیم ترین نسخہ یونانی زبان میں ہے۔ظاہر ہے کہ یہ اصلی انجیل نہیں اس لیے کہ حضرت مسیحؑ نہ تو خود تو یونانی زبان جانتے تھے اور نہ ہی انجیل یونانیوں کی ہدایت کے لیے اتاری گئی تھی اس لیے ظاہر ہے کہ یونانی انجیل سریانی انجیل کا ترجمہ ہوگی جو وقت کی راکھ

میں گم ہوگئی۔ بعد کے زمانے میں بھی جو اناجیل مرتب کی گئیں وہ ہاتھ سے کئے گئے تراجم کی وجہ سے اس قدر داخلی انتشار کا شکار ہوئیں کہ ایک انجیل دوسری انجیل سے نہیں ملتی نہ دوسری انجیل تیسری انجیل سے ملتی ہے۔

یہ ایک سرسری سی نگاہ تھی پریس ایجاد ہونے سے قبل لکھی جانے والی کتابوں کے بارے میں جس سے ظاہر ہوا کہ دور پریس سے قبل لکھی جانے والی اکثر کتابیں یا تو معدوم ہوگئیں یا اصل کتاب تو وقت کی راکھ تلے دب گئی مگر اُس کا کوئی ترجمہ کسی کتاب گھر میں محفوظ رہا۔ کسی کتاب کا عنوان موجود ہے تو مضمون غائب۔ کسی کا مضمون موجود ہے تو عنوان غائب، کسی کتاب کو بے پناہ شہرت ملی ہے مگر کوئی نہیں جانتا اس کو کس نے لکھا ہے یہ اور ایسے بہت سے واقعات ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے نظر انداز کیا گیا۔ مقصد صرف اس قدر تھا کہ بیان کر دیا جائے کہ اگرچہ قرآن بھی ایک ایسی کتاب ہے جو دور پریس سے بہت پہلے نازل کی گئی مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ کتاب زمانے کے عام اصولوں کے خلاف جیسے استثنائی طور پر محفوظ رہی ہو۔ یاد رہے کہ یہ استثناء کوئی معمولی اور سادہ استثناء نہیں ہے بلکہ اس قدر نادر استثناء ہے کہ غالباً انسانی اصطلاحوں میں اس کی توجیہہ تک ممکن نہ ہو۔ اگر کوئی قابل فہم توجیہہ ممکن بھی ہے تو وہ صرف یہ کہ اللہ ہی ہے جس نے حق بات کو لوگوں کی دراندازی سے محفوظ رکھا۔

دور قدیم کی واحد اور مکمل اور محفوظ کتاب صرف قرآن ہے۔ جس کی ہر بات مسلّم اور معلوم ہے۔ جس کی واقعیت تاریخ کے ہر معیار پر پورا اترتی ہے۔ اس لیے کہ معلوم ہے یہ اللہ کی کتاب ہے اسے عربی مبین میں اتارا گیا، اسے 610ء سے 632ء کے درمیان آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اتار گیا جو قریش کے سپوت تھے جو مکہ میں 571ء کو پیدا ہوئے اور 632ء میں مدینہ میں انتقال فرما گئے۔ وہ عبدالمطلب کے پوتے اور حضرت عبداللہ کے بیٹے تھے۔ اللہ نے انھیں نبوت و رسالت

سے سرفراز کیا اور انھوں نے دنیا کا سب سے بڑا سماجی، مذہبی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی، عقائدی و عسکری انقلاب بپا کیا۔ اسی طرح قرآن اور صاحب قرآن کے بارے میں جو بھی تاریخی سوال کیا جائے گا اس کا جواب واضح اور یقینی طور پہ معلوم ہوگا، رسول اللہ ﷺ کی ذات کے بارے میں تو کیا کہنا لوگ تو اُن کے اونٹوں اُن کے گھوڑوں اُن کے گدھوں، اُن کی تلواروں، اُن کی ڈھالوں بلکہ اُن کے لباس تک کے بارے میں مکمل طور پر جانتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی اور کتاب کسی اور شخص کے بارے میں تاریخی طور پر اس قدر وسیع معلومات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہ کوئی سادہ اور عام فہم بات نہیں ہے جسے آسانی سے نظر انداز کیا جا سکے اس لیے کہ آج سے تقریباً پندرہ سو سال پہلے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ!

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ (41) لَا يَأْتِيهِ
الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (42)

القرآن الحکیم (سورۃ حمٰ سجدہ 41.42/41)

ترجمہ؛

”جن لوگوں نے نصیحت کی اس کتاب سے انکار کیا جب کہ وہ اُن کے پاس آ چکی تو (وہ جان لیں کہ) اس کتاب میں نہ باطل آگے سے داخل ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے، اس لیے کہ یہ حکیم و مجید کا نازل کردہ ہے“۔

تب یہ صرف ایک پیشین گوئی تھی، ایک دعویٰ تھا مگر آج پندرہ سو سال بعد یہ پیش گوئی ایک واقعی حقیقت بن چکی ہے۔ جس کی گواہی تاریخ کا صفحہ صفحہ دے رہا ہے کہ اللہ نے جو کہا تھا وہ محکم تھا۔ یہ کتاب اللہ رب العزت ہی کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر لوگوں کی ہدایت کے لیے اتاری گئی تھی

اور وہی تمام طاقتوں سے بڑھ کر طاقت رکھنے والا ہے اس لیے ہر قسم کے سرد و گرم حالات کے باجود قرآن آج پندرہ سو سال بعد بھی اپنی حقیقی شکل میں موجود ہے، اس میں کوئی دخل اندازی یا بگاڑ ممکن نہ ہوا۔ اسی لیے ہم نے کہا کہ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے بلکہ انتہائی غیر معمولی بات ہے اس قسم کے ایک واقعہ کو اسباب کی دنیا میں ظہور پذیر کرنے کے لیے کائناتی طاقتیں درکار ہیں اس کو صرف خداوند عالم ہی ظہور میں لاسکتا ہے اور یہ امر اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن خداوندِ عالم کی کتاب ہے۔

اس پیشین گوئی کو عالم اسباب میں واقعی حقیقت میں بدلنے کے لیے ضروری تھا کہ!

- ایک طاقتور انسانی گروہ ہمیشہ اس کی پشت پر رہے۔
- پچھلے نبیوں کی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں غیر معمولی مطابقت پیدا نہ ہو،
- کوئی ادیب یا مفکر قرآن کا جواب لکھنے پر قادر نہ ہو۔
- کوئی شخص نبوت محمدی کا حریف بن کر سامنے نہ آئے،
- علوم انسانی کا ارتقاء کلام الٰہی کے مقابل نہ کھڑا ہو بلکہ اس کی تائید کرے،
- تاریخ کا اتار چڑھاؤ قوموں کا عروج و زوال قرآن پر اثر انداز نہ ہونے پائے،
- قرآن کی زبان ہمیشہ ایک زندہ زبان کے طور پر دنیا میں موجود رہے۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ نزول قرآن کے بعد آج تک کی لمبی تاریخ حیرت انگیز طور پر بتاتی ہے کہ قرآن کو یہ تمام اسباب یہ تمام تائیدات حاصل رہیں اور تاریخ کے کسی بھی دور میں کلام الٰہی مغلوب نہ ہوا بلکہ ہمیشہ غالب ہی رہا چاہے اُس کے ماننے والے غالب ہوں یا مغلوب بن چکے ہوں۔ دور اول سے شروع کریں تو ہم دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو قرآن سنایا تو ابو جہل، ابولہب، عتبہ شیبہ

،مغیرہ اور جانے کون کون کتاب الٰہی کے مقابل اُٹھ کھڑا ہوا اور وہ اپنی قوم کے نہایت اہم لوگ تھے جب کہ حاملین قرآن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جیسے بے ذر غلام اور مھقور لوگ تھے اور کچھ وقت تک تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے حاملین قرآن کی کمزور معاشی اور عسکری حالت کی بدولت یہ کہانی مکہ سے شروع ہو کر مکہ میں ہی ختم ہو جائے گی۔

مگر لوگوں نے دیکھا کہ انصار مدینہ اٹھے اور قرآن کی پشت پر آ کھڑے ہوئے انھوں نے سارے عرب کو للکارا اور رسول اللہ ﷺ کو بھی اہل مکہ کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لیے مدینہ لے آئے۔ انھوں نے اپنا خون بہایا مگر قول کو ہاتھ سے نہ جانے دیا حتیٰ کہ سارے عرب نے قرآن کے آگے سر جھکا دیا قرآن کی تاریخ پہلے مرحلے کو بخیر و عافیت عبور کر گئی۔اس سے اگلے مرحلے میں جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو عرب عادت کے مطابق منتشر ہو گئے۔نومسلم بدوی عربوں نے بغاوت کر دی، قبائلی عصبیت عروج کرنے لگی، کچھ لوگ نماز سے انکاری ہو گئے تو کچھ نے کہا وہ زکواۃ نہ دیں گے کچھ نے جھوٹے نبیوں کی پیروی اختیار کر لی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بقول حاملین قرآن کی حالت ایسی ہو گئی جیسے سردیوں کی بارش میں بھیگی ہوئی بکری کی ہوتی ہے۔مگر لوگوں نے دیکھا کہ جلد ہی اہل عجم قرآن کی طرف متوجہ ہو گئے، آگ کو پوجنے والے اور حضرت عیسیٰ کے مجسموں کے پجاری قرآن کے محافظ بن کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور قلیل تعداد صحابہ کی قیادت میں کثیر تعداد لشکر مدینہ سے نکلنے لگے اور لوگوں تک قرآن کو منتقل کرنے لگے۔لوگوں نے دیکھا کہ سندھ کے ساحلوں سے لے کر افریقہ کے دور دراز جنگلوں تک، روس کی سرد ریاستوں سے لے کر عراق و شام و مصر کے مہیب اور سلگتے صحراؤں تک، ہر جگہ قرآن کا پیغام پہنچا دیا گیا حتیٰ کہ آدھی سے زیادہ دنیا کے لوگ قرآن پر ایمان لے آئے اور قرآن اپنے تاریخی مراحل طے کرتا رہا۔اس کے بعد قرآن بھی مستحکم ہو گیا اور حاملین قرآن بھی دنیا کا رُخ موڑنے میں کامیاب رہے۔تب صدیوں لوگ قرآنی افکار کے سائے تلے ہی زیست کرتے رہے۔پھر عظیم مسلم ریاست انتشار کا شکار ہوئی مختلف علاقوں کے حاکم

اگر چہ مسلمان ہی تھے مگر وہ مرکزی خلافت سے دور ہٹ گئے تھے اور آپس میں انتشار کا شکار تھے۔ وہ ایک دوسرے پر حملے بھی کرتے رہے، ایک دوسرے کے خلاف فتح و شکست بھی سمیٹے رہے مگر بہ حیثیت مجموعی قرآن کے تابع ہی رہے اور قرآن سے بے پناہ محبت بھی کرتے رہے مسلمانوں کی ہر جماعت، ہر گروہ ہر حکمران خود کو قرآن کا خادم سمجھنے پر ہی فخر محسوس کرتا رہا اس لیے قرآن حکیم کا غلبہ افکارِ زیست پر مستقل رہا۔

عباسی سلطنت کے بعد وحشی منگول عالم اسلام پر چھا گئے تو بظاہر ایسا معلوم ہونے لگا کہ تاریخ عالم کا رُخ بدل گیا ہے۔ مخالفین قرآن کُل عالم پہ غالب آ گئے تھے، دور دور تک حاملین قرآن مغلوب ہو چکے تھے مگر پچاس سال کے اندر اندر لوگوں نے دیکھا کہ وہی وحشی تاتار جنھوں نے شہر بغداد کے وسط میں قرآن سمیت عربوں کے تمام علمی اثاثے کو نظر آتش کر دیا تھا وہی وحشی منگول حاملین قرآن بن گئے اور پھر سے قرآن کو لوگوں تک منتقل کرنے لگے۔ پھر جلد ہی ترکوں کی عظیم عثمانی خلافت کا ظہور ہوا اور قرآن آئندہ کئی صدیوں تک محفوظ ہو گیا۔ ترکوں کی عظیم الشان ریاست ایشیا سے لے کر یورپ تک پھیلی ہوئی تھی، بری محاذوں پر سلطان سلیمان عالی شان نے دشمن کو زچ کر رکھا تھا تو سمندروں میں دور یورپ کے اندر تک ترکوں کا عظیم بحری فاتح خیر والدین باربروسا کی دہشت تھی۔ اہل یورپ کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے بچوں کو سلانے کے لیے کہتے کہ سو جاؤ ورنہ ترک آ جائیں گے۔

عثمانی ترک کئی حوالوں سے کمزور ہوں گے جیسا کہ علمی طور پر وہ کافی پیچھے تھے مگر جہاں تک قرآن کی خدمت کا تعلق ہے تو انھوں نے آخری حد تک قرآن سے وفاداری کی۔ وہ قرآن کی خدمت اور حفاظت میں ہمیشہ پوری طاقت کے ساتھ سرگرم رہے۔ عثمانی ریاست کسی نہ کسی صورت میں بیسویں صدی تک قائم رہی اگر چہ آخری ایک دو صدیاں عثمانی خلافت برائے نام ہی رہ گئی تھی اس کے باوجود بہر حال وہ مسلمانوں کے عظیم الشان ماضی کی عکاس تھی۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں جب یورپ میں صنعتی انقلاب کا آغاز ہوا اور انھوں نے سائنسی علوم کی مدد سے زندگی کے ہر شعبے میں بے

مثال ترقی کی تو مسلمان اُن سے بہت پیچھے چلے گئے۔دور دور تک اطالوی ولندیزی اور برطانوی راج تھا مسلمان ممالک اکثر و بیشتر انھی ممالک کے محکوم تھے۔دولت ،ثروت علم اور عسکریت ہر معاملے میں وہی غالب نظر آتے تھے یوں لگتا تھا حاملین قرآن اللہ کی زمین سے نابود ہی ہوگئے ہیں ۔پھر اللہ نے اسباب عالم کو اشارہ کیا اور منظر عالم پر ایک ریٹائرڈ کلرک نمودار ہوا جسے کلرکی سے بھی جواب دے دیا گیا تھا اور کوئی اسے ملازمت دینے کے لیے بھی تیار نہ تھا مگر چند ہی سالوں میں وہ سیاسی طور پر اس قدر طاقتور لیڈر بن کے سامنے آیا کہ جرمن قوم اُس کی اِس حد تک مرید بن گئی کہ اگر دن کو وہ رات کہے تو قوم بھی دن کو رات کہے گی اگر وہ رات کو دن کہے تو جرمن قوم رات کو دن کہنے لگے اور اُس کا نام الفرڈ ہٹلر تھا۔اُس نے اپنی ریاست کو فوجی طور پہ مستحکم کیا اور یورپ پر حملہ کر دیا وہ ایک ایک کر کے یورپ کے ممالک ہڑپ کرتا چلا گیا حتیٰ کہ پوری دنیا کے نظام کو درہم برہم کر دیا۔اگر چہ امریکہ کے ایٹمی حملے کے بعد یہ جنگ ختم ہوگئی اور جرمنی اور اس کے اتحادیوں کو شکست بھی ہوگئی تاہم اس جنگ سے حاملین قرآن کو دوررس فوائد حاصل ہوئے۔اس لیے کہ ہٹلر کے خلاف جو لوگ لڑ رہے تھے وہی اکثر و بیشتر مسلمان ممالک پر ناجائز قابض تھے اُن کو ہٹلر نے اتنا مارا کہ وہ اپنے مقبوضات خالی کر کے اپنے ملکوں کو بچانے کے لیے لوٹ گئے اور بہت سے مسلم ممالک پھر سے دنیا کے نقشے پر ابھرے۔

مگر نئے مسلم ممالک معاشی تنزلی کا شکار تھے اور حاملین قرآن سہمے سہمے اور مغلوب سے نظر آتے تھے کہ اچانک ہی اللہ کی رحمت عروج میں آئی اور دنیا کی سب سے بڑی اور قیمتی معدنی دولت کو مسلمانوں کے قدموں سے نیچے سے جاری کر دیا۔یاد رہے کہ دنیا کا 80% پیٹرول مسلمان ممالک کی سرزمینوں میں پایا جاتا ہے اس طرح ایک بار پھر حاملین قرآن دنیا پر غلبے کی راہ کو چل نکلے اس لیے کہ تیل کے بغیر دنیا کا کوئی ملک ایک دن بھی نہیں چل سکتا مجبوراً اُنھیں عربوں سے تیل خریدنا پڑتا ہے۔چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ آج تیل کی دولت قرآن کی پشت پر کھڑی ہے اور مسلمانوں میں دور دور تک بیداری کی ایک لہر جاری ہے۔قرآن آج ایک بار پھر اس قابل ہو گیا ہے کہ وہ اپنے تاریخی

تسلسل کو جاری رکھ سکے۔ یہ تیل کی بے پناہ دولت ہی ہے کہ سعودی عرب کے صرف ایک ادارے نے سات ارب قرآن چھاپ کر دنیا میں مفت تقسیم کیے ہیں۔

اللہ نے سچ ہی کہا ہے کہ!

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (9)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجر 9/15)

ترجمہ؛

''ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔

مضمون تھوڑا طویل ہو گیا ہے ورنہ حقانیت قرآن اور حفاظت قرآن پر ابھی بہت کچھ کہنے کو باقی ہے جسے ہم نے اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے قرآن کے ایک محفوظ کتاب ہونے اور کتاب ہدایت ہونے میں ہمیں تو کوئی شک نہیں یہ سب تو بد باطن مستشرقین کے جواب میں لکھا گیا کہ شاید کسی عدل پسند کو اللہ ہدایت دے دے۔ اگرچہ ہدایت صرف انھی کا مقدر ہے جنھیں اللہ ہدایت دے اور اس کے علاوہ ہدایت دے بھی کون سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو قرآن کی اصل اہمیت سے آگاہ فرمائے اور اُن کے دل اس بات کی طرف موڑ دے کہ وہ اپنے زندگیوں میں قرآن کو شامل کر لیں۔

تدوین قرآن

قرآن اللہ کی نعمت اور ابدی ہدایت ہے۔قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی مثل دنیا میں اور کوئی کتاب نہیں۔قرآن حکیم کو جس قدر اعزازات حاصل ہیں دنیا کی اور کوئی کتاب اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔جس قدر لوگ اس کتاب سے محبت کرتے ہیں اُس قدر محبت کسی اور کتاب کے مقدر میں نہ آئی ۔جس قدر قرآن حکیم پڑھا جاتا ہے کوئی دوسری کتاب اس قدر کثرت سے کبھی بھی زیر مطالعہ نہ رہی ہوگی۔قرآن دنیا کی سب سے زیادہ چھپنے والی اور سب سے زیادہ خریدی جانے والی کتاب ہے۔ دوسری کتابوں کی نسبت قرآن کے اعزازات اور برتری اس قدر مہیب ہے کہ اس کا تذکرہ تک ممکن نہیں اگر اللہ نے اپنی کتاب کو الکتاب نہ کہا ہوتا تو قرآن کو کتاب کہنا اس کی توہین تصور کیا جاتا اس لیے کہ کتابیں تو اور بھی بہت سی ہیں مگر قرآن قرآن ہے۔یہاں اس بات کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی کتاب کی حفاظت وتدوین کے لیے جس جوش اور محبت اور سرگرمی کا مظاہرہ کیا وہ سابقہ اقوام میں مفقود نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ سابقہ امتوں کی کتابیں مٹ گئیں اور قرآن ایک زندہ

کتاب کی حیثیت سے ہمیشہ موجود رہنے والا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن کو حتمی طور پہ مرتب کر دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب بارِ خلافت سنبھالا تو اسلام تین براعظموں تک پھیل چکا تھا روم و ایران کی عظیم ریاستیں تاریخ کی راکھ میں گم ہو چکیں تھیں اور اب وہاں مسلمان حکومت کرتے تھے۔ افریقہ اور یورپ کے ممالک فتح ہو رہے تھے جنوبی ایشیا میں سندھ کے ساحلوں سے لے کر کاشغر، بلخ بخارا اور آزربائیجان تک اسلام پھیل چکا تھا، شام و عراق فتح ہو چکے تھے۔

تب مدینہ کی گرمی سے ایک سلگتی دوپہر میں اہل مدینہ نے ایک تھکے ہارے سوار کو مدینہ میں داخل ہوتے دیکھا وہ اس کی طرف بڑھے تو انھوں نے جانا کہ وہ تو صحابی رسول حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ہیں، لوگوں نے انھیں خوش آمدید کہا اور عرض کی!

اتریئے اور آرام فرمایئے۔

مگر انھوں نے انکار کیا ور فرمایا مجھے فوراً ہی خلیفہ سے ملنا ہے۔

لوگوں نے کہا! دوپہر کا وقت ہے شاید خلیفہ آرام کر رہے ہوں اور آپ بھی اتنا سفر کر کے آئے ہیں تھوڑا آرام کر لیں۔

حضرت حزیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور لوگوں کو حکم دیا:

جاؤ اور مسلمانوں کے امیر کو میری آمد سے آگاہ کر و یاد رکھنا معاملہ اس قدر اہم ہے کہ اگر وہ سو رہے ہوں تب بھی انھیں جگا دینا۔

چنانچہ جب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف نہ لے آئے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے نہ اترے۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا!

اے مسلمانوں کے خلیفہ! اس سے پہلے کہ مسلمان بھی یہود و نصاریٰ کی طرح منتشر ہو جائیں اور اپنی کتاب کو کھو دیں حیلہ کرو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا! مجھے تفصیل سے بتاؤ۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر میں آذربائیجان اور آرمینیا میں جہاد کر رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ مسلمان اپنی کتاب کے بارے میں متفرق ہو رہے ہیں۔یعنی جس قرأت پر ایک شخص نے قرآن پڑھا ہے وہ قرآن کو اسی طرح پڑھنے پہ بضد ہے بلکہ اگر کوئی اس کی قرأت سے ہٹ کر قرآن پڑھتا ہے تو وہ اس کو کافر کہنا شروع کر دیتے ہیں اور ایک دوسرے پر غلط قرآن پڑھنے کا الزام لگانے لگتے ہیں اس لیے وقت آ گیا ہے کہ لوگوں میں پیدا ہونے والے اس اختلاف کو کسی وبا کی طرح پھیلنے سے پہلے ہی دبوچ لیا جائے۔یہ 25ھ ہجری کا واقعہ ہے بہت سے صحابہ رخصت ہو کر اپنے رب کے پاس جا چکے تھے اور اب تابعین زیادہ اور صحابہ کی تعداد کم ہو گئی تھی۔حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی لوگ اس لیے بھی بہت عزت کرتے تھے کہ وہ رازدارِ رسالت کے طور پہ جانے جاتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے بہت سی باتیں بیان کیں جو کسی اور سے نہ کہیں تھیں۔مورخین نے بتایا کہ تمام صحابہ میں سے صرف حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ تھے جو صحیح طور پہ جانتے تھے کہ اب منافقین میں سے کون کون باقی ہے اور کون کون مر گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو منافقین کے ناموں سے آگاہ فرمایا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار کے باوجود حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے انھیں منافقین کے نام نہ بتائے تھے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس بات سے منع کیا تھا۔

اس سے قبل کہ ہم تدوین قرآن کے آخری مراحل کا ذکر یں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی تشریح کر دی جائے کہ اس بات سے کیا مراد ہے کہ قرآن سات حروف پہ نازل کیا گیا۔اس ضمن میں علماء تاریخ میں اختلاف ہوا ہے چنانچہ ہم اس اختلافی بحث کو نظر انداز کرتے ہوئے اس امر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ سات حروف سے کیا مراد ہے۔اس کی بنیاد اس حدیث پہ رکھی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ!

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔

''یہ قرآن سات حروف پہ نازل کیا گیا ہے پس اُس میں سے جو تمھارے لیے آسان ہو اُس طریقے سے پڑھ لو''۔[*10]

خطہ عرب میں مختلف قبائل آباد تھے اس لیے اگر چہ اُن کی زبان عربی تھی مگر کہیں کہیں لہجہ کا فرق ضرور پایا جاتا تھا۔مورخین نے لکھا ہے کہ قرآن جن سات حروف پہ اتارا گیا اُن سے مراد سات مختلف قبائل کے لہجے ہیں۔مورخین نے اِن قبائل کے نام بھی درج کیے ہیں۔اِن میں قریش، بنوھذیل، تمیم الرباب، بنوازد، بنوربیعہ، بنوہوازن اور سعد بن بکر شامل ہیں۔

یہ اسی طرح کا فرق ہے جیسے کہ ہمارے ہاں انیس کو پنجاب میں انیس ہی لکھیں اور بولیں گے مگر حیدرآباد میں یہی لفظ جب بولا جائے گا تو ونیس بولا جائے گا مگر لکھنے میں یہ فرق ظاہر نہیں ہوگا۔ لہجوں کا یہ فرق اور تلفظ کا جزوی اختلاف بڑی زبانوں کا مزاج رہا ہے اور یہ کوئی اجنبی بات نہیں ہے۔لہجوں اور تلفظ کا یہ اختلاف انگریزی زبان میں بھی پایا جاتا ہے۔بہت سے الفاظ کا تلفظ انگلستان میں اور ہے امریکہ میں اور ہے۔جیسا کہ انگلستان میں Often کو آفن بولتے ہیں جبکہ امریکہ میں اسی لفظ کو آفن کی بجائے آفٹن بولا جائے گا۔ہم بچپن سے Multi کو ملٹی ہی پڑھتے رہے ہیں جبکہ امریکہ میں اس لفظ کو ملٹائی پڑھتے ہیں۔یعنی ایک ہی لفظ ہے ایک ہی زبان ہے ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے مگر بولنے میں اختلاف ہے اسی کو لہجے کا اختلاف کہا جائے گا یہی معاملہ اہل عرب کو بھی درپیش تھا۔عرب میں آبادی کے لحاظ سے سات بڑے بڑے گروہ تھے جن کے نام اوپر تحریر کیے گئے ہیں۔اِن سب کی زبان اگر چہ عربی تھی تاہم لہجوں میں قدرے فرق تھا۔مثلاً قبائل عرب کا ایک گروہ ال کی جگہ ام بولتا تھا۔چنانچہ وہ الحمد کو امحمد پڑھتے

کہ یہی اُن کا لہجہ تھا۔مشہور حدیث ہے: لیس من البر الصیام فی السفر" اس کو وہ اس طرح بولتے تھے۔لیس مــن امبرام صیام فی ام سفر کہ یہی لہجہ اُن کے ہاں مروج تھا۔اسی طرح ایک اور قبیلہ تھا جو مخاطب کے ک کو ش بولتے تھے،یعنی لکھتے ک تھے بولتے شین تھے۔یادرہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ وہ ک لکھتے تھے اور شین پڑھتے تھے تو دراصل ہماری مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس قبیلہ کے پڑھے لکھے لوگ ہوتے اب ظاہر ہے کہ وہ تعداد میں کس قدر کم ہوں گے۔

پھر جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا اور مختلف قبائل کے لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا تو وہ اپنے اپنے لہجے میں قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔تب قبائلی عصبیت اور منافرت اس قدر شدید تھی کہ کسی ایک قبیلے سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اپنا لہجہ چھوڑ کر قریش کے لہجے کو اپنا لے سر دست ممکن نہ تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب العزت سے دُعا کی کہ!

"فأتاه جبريل عليه السلام فقال انّ اللّٰه يأ مرك ان تقرأ امّتك القراٰن علىٰ حرف ،فقال أ سأل اللّٰه معافاته و مغفرته وان امّتى لا تطيق ذلك ،ثم اتاه الثانيته فقالوان اللّٰه يأ مرك ان تقرأ اُمّتك القراٰن علىٰ حَرفين قال أسال اللّٰه معافاته و مغفرته و انّ اُمّتى لا تطيق ذالك ،ثم جاء ته الثالثة فقال انّ اُمّتى لاتطيق ذلك ،ثم جاء ته الثالثة فقال انّ اللّٰه يأ مُرك ان تقرأ اُمّتك القراٰ ن على ثلاثه أحرف فقال أسأل اللّٰهَ معافاته و مغفرته وانّ اُمّتى لاتطيق ذلك ثم جاء ه الرّابعة قال ؛ انّ اللّٰه يأ مرك ان تقرأ امّتك القراٰن علىٰ سبعة أحرفٍ فأيما حرفٍ قرء واعليه فقد أصابوا "

ترجمہ؛

''پس حضرت جبرائیل رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت قرآن کو ایک ہی حرف پر پڑھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ سے معافی اور مغفرت کی درخواست کرتا ہوں، میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، حضرت جبرائیل دوبارہ تشریف لائے اور کہا: اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت دو حرفوں پر قرآن پڑھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں اللہ سے معافی اور مغفرت کی درخواست کرتا ہوں، میری امت میں اس کی طاقت نہیں، حضرت جبرائیل تیسری بار تشریف لائے اور کہا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت تین حرفون پر قرآن پڑھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں اللہ سے معافی کی درخواست کرتا ہوں، میری امت میں اس کی طاقت نہیں۔ حضرت جبرائیل چوتھی مرتبہ تشریف لائے اور فرمایا: اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت سات حرفوں پر قرآن پڑھے۔ پس وہ جس حرف پر بھی پڑھیں گے اُن کی قرأت درست ہو گی۔'' [*11]

تب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ اسلام کے ماننے والے ابھی کمزور ہیں اور اس موقع پر اگر لوگوں سے کہا گیا کہ قرآن پڑھنے میں وہ اپنے آبائی لہجے کو چھوڑ کر قریش کے لہجے کی مطابعت اختیار کریں تو ایک نئی بحث کا آغاز ہو جائے گا ایک نیا اختلاف اُٹھ کھڑا ہو گا اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے قبیلے کی بالا دستی چاہتے ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بادل نخواستہ عربوں کو اپنے اپنے لہجے میں قرآن پڑھنے کی اجازت دے دی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی کہ ایک ہی لہجہ کو اختیار کرنے سے میری امت کو مشکل پیش آسکتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے تین پھر سات حروف پر قرآن پڑھنے کی

اجازت دے دی۔تب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ!

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔

''یہ قرآن سات حروف پہ نازل کیا گیا ہے پس اُس میں سے جو تمھارے لیے آسان ہو اُس طریقے سے پڑھ لو''۔

تاہم یادرہے کہ قرآن کا اصلی اور سرکاری لہجہ تو وہی تھا جس پر قرآن اتارا جا رہا تھا اور وہ تھا قریش کا لہجہ جو عربی زبان کا معیاری اور اہل مکہ کا لہجہ تھا جس کی پیروی عرب بھر میں کی جاتی تھی ۔تاہم لوگوں کو سات حروف پر قرآن پڑھنے کی جو اجازت عطا فرمائی گئی وہ محض اُن کی آسانی اور سہولت کے لیے تھی تا کہ فوری طور پہ کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔اہل عرب چونکہ اس بات کو مانتے تھے کہ عربوں میں سب سے معیاری زبان اہل قریش ہی کی زبان ہے اس لیے جب کسی جگہ اختلاف ہوتا تو ادیب اور شاعر قریش ہی کی مطابعت اختیار کرتے۔یہ سلسلہ جاری رہا اور صحابہ کرام کا تعلق جس جس قبیلے اور جس جس لہجے سے تھا وہ اسی میں قرآن پڑھتے رہے۔اگرچہ ساتھ ساتھ لوگ قریش کے محاورے اور لہجے سے بھی مانوس ہو رہے تھے۔تاہم اس امر کے مستحکم ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا جب سارے لوگ قریش یعنی قرآن کے اصل لہجے کو اختیار کر لیتے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے جو قرآن مرتب کیا گیا اُس میں لہجے کے اختلاف کو مدنظر نہ رکھا گیا بلکہ جس کے پاس جو آیت جس لہجے میں لکھی ہوئی ملی اُسے لکھ لیا گیا اور قریش کی زبان کو اختیار کرنے پر زور نہیں دیا گیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد تک اسی قرآن کی نقلیں عالم اسلام میں دی جاتی رہیں جس کو حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ کی معاونت سے مرتب کیا تھا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت

میں صحابہ کی تعداد کم ہو رہی تھی اور وہ بہت تیزی سے دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ بہت سے صحابہ رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد اسلام کے فتنوں سے نمٹتے ہوئے جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ حالت ہوگئی تھی کہ جب کوئی لشکر مدینہ سے نکلتا تو اُس میں تابعین کی اکثریت ہوتی اور وہ لوگ محض حصول برکت کے لیے اپنے ساتھ کسی جلیل القدر صحابی کو لے جانے پر اصرار کرتے تا کہ اللہ تعالیٰ انھیں فتح سے نوازے۔ چنانچہ ایک لشکر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے محبوب صحابی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی نکلے اور وہ آرمینیا اور آذربائیجان تک ملکوں کے ملک فتح کرتے چلے گئے۔ تب ایک روز عشا کی نماز ہوئی تو نماز ختم ہوتے ہی کئی لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے امام سے کہنا شروع کیا کہ اُس نے قرآن حکیم کی غلط تلاوت کی ہے۔

امام صاحب نے کہا کہ انھوں نے بالکل درست قرآن پڑھا ہے اور ایسے ہی پڑھا ہے جیسا کہ انھوں نے اپنے اساتذہ سے پڑھا تھا۔ اعتراض کرنے والے نے کہا کہ اُس نے فلاں صحابی سے قرآن پڑھا ہے اور انھوں نے اسے اس طرح قرآن پڑھایا ہے دراصل یہ لہجوں کا اختلاف تھا اس لیے کہ اگر کوئی صحابی بنو ہذیل سے ہیں تو انھوں نے اپنے لہجے میں قرآن پڑھا اور دوسرے صحابی جن کا تعلق قریش سے تھا انھوں نے قریش کے لہجے میں قرآن پڑھا اس طرح اختلاف در آیا۔ معلوم ہوا ہے کہ تب شام کے لوگ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت پڑھتے جس سے اہل عراق ناآشنا تھے تو عراق والے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت پر قرآن پڑھتے جس سے شام والے آشنا نہ تھے۔ یہ صورت حال حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھی اس لیے وہ مدینہ کو لوٹے اور خلیفہ سے عرض کی کہ وہ اس معاملے کا کوئی حل تلاش کریں ورنہ کتاب اللہ میں پیدا ہونے والا یہ اختلاف جو آج کم ہے کل بڑھ جائے گا اور قوم یہود و نصاریٰ کی طرح متفرق ہو جائے گی۔ خلیفہ سوم حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کو طلب کیا اور اس مسئلے کو اُن کے سامنے رکھا۔ فیصلہ ہوا کہ قرآن حکیم کے وہ تمام نسخہ

جات جو مختلف لوگوں کے پاس موجود ہیں اُن سے فوری طور پر واپس لے لیے جائیں اور انھیں سرکاری تحویل میں محفوظ کرنے کے بعد قرآن حکیم کو قرآن کی اصل زبان اور محاورے یعنی قریش کے لہجے میں تحریر کیا جائے۔ابتدائی طور پر اس کے چودہ نسخے تیار کیے جائیں اور پوری مملکت اسلامیہ کو ارسال کر دیئے جائیں۔آغاز اسلام میں لوگوں کو اپنے اپنے لہجے میں قرآن پڑھنے کی جو رعایت دی گئی تھی وہ منسوخ کر دی جائے اور قرآن کو صرف اور صرف قریش کے لہجے میں تلاوت کیا جائے۔اکابر صحابہ پر مشتمل ایک کمیٹی ترتیب دی گئی جس کا کام قرآن کو قریش کے لہجے قرأت پر منتقل کرنا تھا۔

اول اول اس کام کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمان بن حارث رضی اللہ عنہ نے شروع کیا۔اِن چاروں صحابہ میں صرف حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ تھے باقی تینوں اہل قریش سے تھے۔خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اِن لوگوں کو حکم دیا کہ قرآن کو قریش کے لہجے پر مرتب کرواور یاد رکھو جب تم میں اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہو تو زید کی رائے کو چھوڑ دو اور قریش کی رائے کو مقدم رکھو۔

ابتدائی طور پر اِن چاروں صحابہ نے کام کا آغاز کیا۔پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے مزید صحابہ بھی شامل ہوتے گئے حتیٰ کہ اِن کی تعداد بارہ تک جا پہنچی۔اِن میں حضرت ابن ابی درداء رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت کثیر بن افلح رضی اللہ عنہ، حضرت مالک بن ابی عامر رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔اِن حضرات نے اس عظیم الشان کام کے لیے اپنے شب و روز وقف کر دیئے ایک ایک لفظ پر غور کیا، ایک ایک آیت پر توقف کیا۔اس مثال سے سمجھیں کہ کام کس قدر دشوار اور کس قدر عمیق احتیاط سے کیا گیا۔صحابہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن حکیم میں استعمال ہونے والے ایک لفظ پر ہم رُک گئے۔وہ لفظ تابوت تھا، اس لفظ کو اہل مدینہ لکھتے تو اس کو تابوۃ لکھتے، اہل مکہ اس کو لمبی ت کے ساتھ

یعنی تابوت لکھتے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہر سے باہر تھے اس لیے اُن کے مدینہ آنے تک اس کام کو موخر کر دیا گیا کئی روز بعد جب خلیفہ مدینہ تشریف لائے تو صحابہ نے اُن کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اس لفظ کو اہل مکہ کیسے لکھتے ہیں تو صحابہ نے وہ تو لمبی ت کے ساتھ لکھتے ہیں جب کہ ہماری پاس تحریر شدہ آیت یہ لفظ تابوۃ لکھا ہوا ہے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس لفظ کو لمبی ت کے ساتھ اسی طرح لکھو جس طرح اسے اہل مکہ لکھتے ہیں۔ساتھ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ہر سورۃ کے شروع میں سورہ کا نام بھی لکھو اس سے قبل مرتب کیے جانے والے قرآن میں اس بات کا اہتمام نہ کیا گیا تھا۔

جب اِن صحابہ کی محنت سے اہل قریش کی لغت ولہجہ پر قرآن کو مرتب کر لیا گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کی متعدد نقلیں تیار کرو۔روایات میں اِن کی تعداد مختلف آئی ہے کسی نے کہا کہ اس کی پانچ نقلیں تیار کی گئیں کسی نے کہا اس کی سات نقلیں تیار کی گئیں تو کسی نے کہا کہ اس کی چودہ نقلیں تیار کی گئیں۔ہم نے چودہ والی روایت کو اس لیے لکھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سلطنت بہت وسیع وعریض تھی اور تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ اس کی چودہ نقلیں ہی تیار کی گئی ہوں گی۔پندرہ سو سال گزرنے کے باوجود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ہدایت ونگرانی میں تیار کیے جانے والے اِن نسخوں میں چار ابھی تک موجود ہیں اور دنیا کے مختلف عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔دمشق،تاشقند اور استنبول کے عجائب گھروں میں مصحف عثمانی موجود ہیں اس مضمون کے آغاز میں ہم نے جو تصویر پیش کی ہے وہ استنبول والے نسخے کی تصویر ہے۔قرآن تیار ہو گیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جس جس شخص کے پاس ذاتی قرآن موجود ہے وہ اس سے لے لیا جائے۔چنانچہ صحابہ نے دقتِ نظری سے قرآن حکیم اکٹھا کرنا شروع کیا۔جس کے پاس پورا مصحف تھا اُس سے بھی لے لیا گیا جس کے پاس کچھ آیات تھی اُن کو بھی لے لیا گیا۔کچھ لوگوں نے اس بات سے صاف انکار کر دیا کہ وہ اپنا ذاتی نسخہ حکومت کے حوالے نہ کریں گے اِن میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ شامل ہیں جو

سابقین اولین میں سے تھے اور اس وقت معمر ہو چکے تھے جب حکومت کے کارندوں نے اُن سے وہ مصحف طلب کیا جو انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں لکھا تھا تو انھوں نے حکومت کے کارندوں سے کہا!

تم کل کے لونڈے مجھے بتاؤ گے کہ قرآن کیسے لکھا جاتا ہے۔

اُن کا اشارہ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف تھا جو ابھی نوجوان ہی تھے اور انھوں نے مدینہ میں اسلام قبول کیا تھا۔

اُن کے رتبے اور رعب کی وجہ سے حکومت کے کارندے واپس چلے گئے۔تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے موقف میں بڑے سخت تھے انھوں نے ریاستی طاقت استعمال کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف چھین لیا۔

جب مصحف عثمانی کے علاوہ تحریر شدہ قرآن کا ایک ایک جز اکٹھا کر لیا تو انھیں جلا دیا گیا تا کہ ایک لاکھ بلکہ ایک کروڑ فیصد امکان بھی ختم ہو جائے کہ دو مصحف ایک جیسے نہ ہوں۔

تیار شدہ مصحف مملکت اسلامی کے مختلف صوبوں کو ارسال کر دیئے گئے اور ہر صوبیدار کو حکم دیا گیا کہ اب صرف یہی قرآن ہے اس کے علاوہ جو کچھ بھی کسی کے پاس قرآن کے نام سے موجود ہے اُسے لے کر نظر آتش کر دو۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک مصحف تھا اُسے بھی لے لیا گیا تھا حالانکہ وہ اس سے شدید محبت کرتی تھیں۔بعد میں انھی صحابہ نے اس بات سے اتفاق کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا اسی میں بہتری تھی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی توثیق کی۔حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی کچھ وقت گرزنے کے بعد یہی کہتے سنے گئے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کیا اُسی میں امت کی بہتری تھی اُن کی جگہ کوئی بھی ہوتا ایسا ہی کرتا۔اُن صحابہ کی تعداد کافی تھی جن کے پاس اُس وقت ذاتی نسخے موجود تھے،حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس اُن کا ذاتی مصحف موجود تھا،حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا ذاتی مصحف موجود تھا،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی اُن کا

ذاتی مصحف موجود تھا اور دیگر کئی صحابہ کے پاس بھی قرآن موجود تھا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی وہ قرآن موجود تھا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے بڑی محنت سے عہدِ صدیقی میں تیار کیا گیا تھا۔ یہ نسخے تلف کر دیئے گئے ۔آج اِن کا کوئی عکس بھی باقی نہیں ہے تاہم اُن کے بارے میں روایات ضرور موجود ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اُن نسخوں کو اگر نظر آتش نہ کر دیا جاتا تو بعد میں اس سے بگاڑ پیدا ہو سکتا تھا۔

اس مثال سے سمجھیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس اُن کا جو ذاتی نسخہ تھا اُس میں انھوں نے سورہ والناس کے بعد دُعائے قنوت لکھ رکھی تھی۔ اب اگر کئی صدیوں بعد کوئی شخص وہ نسخہ دیکھتا تو دعویٰ کر اٹھتا کہ دُعائے قنوت قرآن کا حصہ ہے اُس نے خود اس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے ذاتی نسخے میں دیکھا ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے پاس جو مصحف تھا اُس کی حالت بھی صحابہ نے بیان کی ہے بلکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں کہ جب قرآن نازل ہوتا تو حضرت عائشہ رسول اللہ ﷺ سے آیات سمجھتیں اور اُن کے مطالب اُسی مصحف کے حاشیہ پر لکھ لیا کرتیں جیسا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی حافظوا علی الصلوات والصلواۃ الوسطیٰ تو حضرت عائشہ جو دین کو سمجھنے کی بہت مشتاق تھیں انھوں نے فوراً رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ اس آیت سے کون سی نماز مراد ہے تو جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں بتا دیا کہ اس آیت میں عصر کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے تو حضرت عائشہ نے اپنی یاداشت کے لیے اس آیت کے وسط میں ہی لکھ دیا کہ اس سے عصر کی نماز مراد ہے یعنی انھوں نے ایسے لکھا۔ حافظوا علی الصلوات والصلواۃ الوسطی الصلواۃ العصر وقومو اللّٰہ قانتین ۔ اب دیکھیں کہ اگر بعد کے آنے والے مسلمانوں کے ہاتھ یہ مصحف لگ جاتا تو یہ امر تقریباً یقینی تھا کہ حضرت عائشہ نے اس آیت میں جو دو لفظ محض اپنی یاداشت کے لیے تحریر کیے تھے وہ اصل متن کا ہمیشہ کے لیے حصہ بن جاتے۔ چنانچہ حقیقت یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تحفظ قرآن کے لیے جو کچھ کیا

وہ امت کے لیے نہایت ہی احسن تھا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زیر ہدایت تیار کردہ یہ مصحف اگرچہ خط حمیری میں لکھے گئے تاہم وہ خط حمیری کی ترقی یافتہ شکل تھی اور خط کوفی سے قدرے قریب تھے اگرچہ بعد میں خط کوفی بھی منسوخ ہوگیا اور قرآن حکیم خط نسخ میں لکھا جانے لگا ۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسی کارنامے کی وجہ سے اُن کو جامع الناس القرآن بھی کہا جاتا ہے جو وقت گرزنے بعد جامع القرآن سے بدل گیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وقت بھی گزر گیا اور اسلامی مملکت مستحکم ہوتی رہی۔اسلام کے سایہ میں بہت سے اقوام نے پناہ لی۔بہت سی اقوام نے قرآن کی حقانیت کو تسلیم کیا اور اس کے آگے سر جھکایا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہی اسلامی ریاست کی حدود دور دور تک پھیل چکی تھیں سندھ کے مغربی ساحلوں سے لے روس کے آخیر علاقے سائبیریا تک اسلام پھیل چکا تھا۔مسلمان یورپ میں بھی داخل ہو چکے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابھی زندہ ہی تھے جب اسلامی فوجیں اسپین میں داخل ہوئیں۔تب دنیا کی تقریباً نصف آبادی قرآن پر ایمان لا چکی تھی جس میں مختلف قومیں شامل تھیں جو مختلف زبانیں بولتی تھیں۔

وہ لوگ جن کی زبان عربی نہ تھی اُن کے لیے اُس وقت تک قرآن کو پڑھنا اور سمجھنا آسان نہ تھا جب کہ وہ عربی زبان کو پوری طرح نہ سیکھ لیں تاہم یہ سب کے لیے ممکن نہ تھا اس لیے اب وہ دور شروع ہوا جس کو تہسیل تلاوت کا دور کہا جاسکتا ہے اس لیے کہ عجمی مسلمانوں کی قرآن تک پہنچ کے لیے اور تلفظ کی درستی کے لیے مسلمانوں نے بہت سے اقدام کیے جس سے عجمی مسلمانوں کے لیے بھی قرآن پڑھنا آسان ہوگیا۔اس مرحلے کا آغاز نقطے لگانے سے ہوا۔

یادرہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں جو مصحف تیار کیا گیا تھا اُس میں نقطے نہیں لگائے گئے تھے اس لیے کہ تب قرآن پڑھنے کے لیے لوگوں کو اس کی ضرورت ہی نہ تھی یہ ضرورت تو تب سامنے آئی جب بہت سی عجمی قومیں قرآن پر ایمان لے آئیں اور اسلام قبول کرنے کے بعد اُن کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی ضرورت یہی تھی کہ انھیں قران پڑھنا آجائے تا کہ

وہ دین کی اصل حقیقت کو پاسکیں۔غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخری سالوں میں پہلی بار قرآن حکیم پر نقطے لگائے گئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے اُن کے ایک خاص شاگرد ابو الاسود دئلی نے قرآن حکیم پر نقطے لگائے جس سے عجمی مسلمانوں کو قرآن پڑھنے میں کافی سہولت ہوگئی اگرچہ ابھی اُن کا تلفظ درست نہ ہوا تھا اس سے اگلا مرحلہ عجمی مسلمانوں کے تلفظ کی درستگی تھی اس کے لیے الفاظ قرآن پر اعراب لگائے گئے جس سے الفاظ کی ادائیگی مستحکم ہوگئی۔اعراب کو حرکات بھی کہا جاتا ہے۔بیان کیا گیا کہ حجاج بن یوسف کے حکم سے یحییٰ بن معمر اور نصر بن عامر لیثی نے اعراب کا اہتمام کیا تا کہ غیر عربی مسلمان قرآن کو درست طریقے پر پڑھ سکیں۔

اس مثال سے سمجھیں کہ جب ہم اردو لکھتے ہیں تو اہل زبان ہونے کے ناطے اکثر و بیشتر ہم اعراب کا استعمال نہیں کرتے۔تاہم اگر کسی چینی کو اردو سکھانی پڑ جائے تو وہ الفاظ کو اعراب کے بغیر درست طور پہ ادا کرنے کے قابل نہ ہوگا۔اس لیے اُس کو بتایا جائے گا کہ اعراب لفظ میں معنوی طور پر اگر چہ کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتے مگر انھیں پڑھتے ہوئے اعراب کی ضرورت محسوس ہوگی تا کہ لفظ کو درست طور پر ادا کیا جا سکے۔چنانچہ مسلمانوں نے عجمی مسلمانوں کی آسانی کے لیے قرآن حکیم پر اعراب لگائے اور یہ اُن کا تمام عجمی مسلمانوں پر آسان تھا کہ انھوں نے قرآن حکیم پر اعراب لگائے اور عجمی مسلمان اس قابل ہوئے کہ قرآن کو درست طریقے پر پڑھ سکیں۔ازاں بعد عجمی ممالک میں لوگوں کے بچے قرآن پڑھتے تو انھیں اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ قرآن کو اجزا میں تقسیم کیا جائے۔اس کے علاوہ مسلمانوں کو نماز تراویح کے لیے بھی کسی ایسی تقسیم کی ضرورت تھی جس سے قرآن پڑھنے والوں کی آسانی ہو اکثر و بیشتر مسلم دنیا میں بیس تراویح پڑھی جاتی ہے اس لیے امام قرآن کی تلاوت کرتے اور جہاں وہ رکوع کرتے اُس جگہ مصحف کے حاشیہ میں ع لکھ دیا جاتا اس طرح قرآن حکیم رکوعات اور پاروں کی تقسیم عمل میں لائی گئی۔تاہم درست طور پر معلوم نہیں ہوسکا رکوعات اور اجزا یعنی تیس

پاروں کی یہ تقسیم کب عمل میں آئی اور سب سے پہلے کس قوم نے اس کو اختیار کیا۔اس بارے میں قیاس ہی کیا جاسکتا ہے کہ یہ تقسیم عرب میں نہیں ہوئی بلکہ اسے اہل عجم نے اختیار کیا اس لیے کہ برصغیر و پاک و ہند میں پائے جانے والے قدیم نسخوں میں رکوعات اور اجزا کی تقسیم موجود ہے جب کہ عرب دنیا میں قرآن حکیم کے اس دور کے نسخوں میں رکوعات اور اجزا کی یہ تقسیم دکھائی نہیں دیتی اگرچہ اب تقریباً تمام دنیا میں یہ تقسیم مروّج ہو چکی ہے۔جس کی وجہ اس تقسیم کی مقبولیت ہے۔مورخین نے بیان کیا ہے کہ دور اول کے مسلمان تو قرآن کو سات روز میں ختم کرتے تھے اس لیے دور رسالت کے قرآن حکیم کو سات منازل میں منقسم کیا گیا تھا جس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔

اس کے بعد جب مسلمان کثیر ہوگئے مگر ہمتیں قلیل ہوگئیں اور مسلمان دنیاوی مشاغل میں منہمک ہوگئے تو قرآن حکیم کو سات دن میں ختم کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہوگئی۔اب زیادہ تعداد اُن لوگوں کی تھی جو ایک ماہ کے عرصے میں قرآن حکیم ختم کرتے تھے۔چنانچہ اب پورے مہینے کی نسبت سے ایک ایسی تقسیم کی ضرورت پیش آئی جس کے مطابق قرآن حکیم کو ایک ماہ میں ختم کیا جاسکے۔اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض بالغ نظر مسلمانوں نے قرآن حکیم کو تیس مساوی حصوں میں تقسیم کر دیا جو پارے یا اجزا کہلائے۔جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ درست طور پر معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ تقسیم کب اور کہاں عمل میں آئی تاہم اس بات کا سراغ ملتا ہے کہ یہ تقسیم چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے بعد کی تقسیم ہے۔اس تقسیم کا قرآن حکیم کے موضوعات اور مطالب سے قطعاً کوئی تعلق نہیں یہ محض تہسیل تلاوت کا ایک اہتمام تھا جس کو اہل قرآن میں پذیرائی حاصل ہوئی اور یہ امر مستحکم ہوگیا۔یہ سب تدوین قرآن کا تذکرہ تھا اب تلاوت قرآن کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔دیکھیں کہ بعض اوقات ایک ہی متن کو مختلف طریقوں سے پڑھا جاتا ہے۔آپ کسی زبان کو لے لیں اور کسی بھی علاقے کو معیار قرار دے لیں،اس معیاری علاقے میں بھی بعض اوقات ایک ہی لفظ کو دو دو یا تین تین

طریقوں سے ادا کیا جاتا ہے۔قریش مکہ میں بھی بعض الفاظ کو ایک سے زائد طریقوں پر بولا جاتا تھا۔اسی سے سبعہ قرأت وجود میں آئیں۔یعنی یہ وہ سات طریق ہیں جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے اصحاب قرآن پڑھا کرتے تھے۔یہ سات قرأتیں صحابہ کرام سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔چنانچہ وہ سات مشہور قراء جن کی روایت سے یہ سات قرأتیں ہم تک پہنچی ہیں اُن کے نام ذیل میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ امام عاصم ابن ابی النجود المتوفی 128ھ۔یہ تابعین سے ہیں۔ان کے سب سے نامور شاگرد امام حفص بن سلیمان کوفی 180ھ ہیں۔اس وقت دنیائے اسلام کے بیشتر حصوں میں بشمول برصغیر پاک و ہند، افغانستان، عرب دنیا، وسطی ایشیا وغیرہ میں انہی کے لہجے میں قرأت مروّج ہے۔

۲۔ امام نافع مدنی المتوفی 169ھ۔انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے نامور صحابہ کے ستر تلامذہ سے علم قرأت سیکھا۔اُن کے سب سے نامور شاگرد امام عثمان بن سعید ورش مصری المتوفی 197ھ ہیں۔اُن کی روایت شمالی افریقہ کے علاقوں میں رائج ہے۔

۳۔ امام عبداللہ بن کثیر الداری المتوفی 120ھ۔ یہ تابعین میں سے ہیں، انھوں نے متعدد صحابہ سے کسب فیض حاصل کیا۔ خاص طور پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے دین سیکھا۔

۴۔ امام عبداللہ بن عامر شامی المتوفی 118ھ ۔ یہ بھی تابعین میں سے ہیں اور قرأت کے علم میں ایک واسطہ سے خلیفہ سوم جامع القرآن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔

۵۔ امام ابوعمرو بن العلاء بصری المتوفی 154ھ۔ یہ ایک ایک واسطہ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔

۶۔ امام کوفی حمزہ المتوفی 156ھ۔

۷۔ امام علی بن حمزہ الکسائی کوفی 189ھ۔ اپنے زمانے کے مشہور امام نحو و عربیت اور امام قرأت تھے۔

یہ کچھ احوال تھا قرآن حکیم کے مراحل تدوین کا جس سے یہ بات پوری طرح ظاہر ہو رہی ہے کہ مسلمان اپنی کتاب سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔ہم بیان کر چکے ہیں کہ پریس کے دور سے پہلے لکھی جانے والی کتابوں کا زمانے نے کیا حشر کیا صرف قرآن حکیم ہے جو اس قدر کڑی نگاہوں میں رہا کہ پندرہ سو سال میں اس کا ایک وقف تک نہیں گرا بلکہ پندرہ سو سال بعد بھی ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کس مقام پر وقف کیا کرتے تھے اور کس مقام پر رکے بغیر تلاوت جاری رکھا کرتے تھے۔پھر پریس کا دور آیا اور قرآن حکیم دنیا میں سب سے زیادہ چھاپی جانے والی کتاب قرار پائی اس سے قبل جتنی صدیاں اس کتاب پر گزریں وہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب وقت تھے جب امت کا ایک حصہ قرآن کو نت نئے انداز سے لکھنے میں مصروف رہا اور فن کتابت نے اس قدر ترقی کی کہ دنیا حیران رہ گئی۔

اٹھارویں صدی میں پریس کی ابتدائی شکل ظاہر ہوئی اور کتابوں کی دنیا میں بہت بڑا انقلاب در آیا۔کتابیں چھپنے لگیں اور انھیں پڑھنے والوں کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔مگر حیرت ہے کہ مسلمانوں نے سائنس کی اس نئی ایجاد سے کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہ کی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ قرآن کو اپنے ہاتھ سے لکھنا بہت بڑی سعادت جانتے تھے۔قرآن کو لکھنا اُن کی محبتوں میں شامل تھا اس لیے وہ اپنی محبت لوہے اور پتھر سے بنی کسی مشین کو سونپنے سے انکاری تھے۔تاہم وقت کے ساتھ سمجھوتا کرنا ہی پڑتا ہے اس لیے سب سے پہلے جرمنی کے شہر ہمبرگ سے 1736ء میں پہلا قرآن پریس مشین پر چھاپا گیا۔اس کے بعد بھی غیر مسلموں نے قرآن کے متعدد نسخے مختلف مقامات سے شائع کیے مگر مسلمانوں نے اِن میں اپنی دلچسپی ظاہر نہ کی اور نہ مستشرقین کے چھاپے ہوئے قرآن کو وہ پسند کرتے تھے۔

تاہم اس کے بعد خود مسلمانوں نے قرآن شائع کرنا شروع کر دیا۔سب سے پہلے روس کے ایک شہر سینٹ پیٹرز برگ میں 1787ء میں مولائے عثمان نے مسلمانوں کا سب سے پہلا قرآن شائع کیا۔پھر قازن میں ایک نسخہ شائع کیا گیا۔اس کے بعد 1828ء میں تہران سے

قرآن شائع کیا گیا اس کے بعد قرآن کی بے پناہ اشاعت میں کوئی چیز مانع نہ تھی اور آج اگر کسی سے پوچھا جائے کہ وہ کون سی کتاب ہے جو لوگوں کے گھروں میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے تو اس کا صاف اور سیدھا جواب یہی ہوگا کہ قرآن۔قرآن نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور انسانوں کو ہدایت فراہم کرنی ہے اس لیے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اللہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور اُس کی کتاب اُس وقت تک موجود رہنے والی ہے جب تک اللہ چاہے گا۔

❄❄❄

فصاحت قرآن

قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اللہ کی کتاب کو ہر حوالے سے برتر ہی ہونا چاہیے۔قرآن کی برتری ہی اِن صفحات کا بنیادی موضوع ہے۔قرآن حکیم کی زبان بھی اسی طرح انسانی زبانوں سے برتر ہے جس طرح کہ قرآن انسانوں کی کتابوں سے برتر ہے۔قرآن کی زبان نے اہل عرب کا سر جھکا دیا تھا حالانکہ اُن کا فخر اُن کی زبان ہی تھی۔چنانچہ جب قرآن کی ابتدائی آیات اتریں تب سے اہل عرب کا ہر صاحب دانش جان چکا تھا کہ اس کلام نے ایک روز ضرور غالب ہونا ہے۔عرب کلام کے حسن و قبح سے آخری حد تک آگاہ تھے۔اُن کے صاحب دانش اللہ کے کلام کو سنتے تو سر تھام لیتے کہ اُن کے پاس اس برتر کلام کا کوئی جواب نہ تھا۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا کلام اس قدر فصیح و بلیغ ہے کہ انسان اس کا جواب دینے قاصر ہے۔اور مکی سورتوں میں تو قرآن ویسے بھی اپنی فصاحت اور بلاغت کے عروج پر تھا۔مکی سورتیں بہتے پانی کی طرح رواں اور دل میں اترتی شاعری کی طرح پر نغمہ اور اعلیٰ نثر کی طرح مسحور کر دینے والی تھیں۔اس لیے اہل عرب ششدر تھے کہ وہ اگر کلام الٰہی کو قبول نہ کریں تو اس کلام

کا جواب کیا دیں۔قرآن حکیم میں اترنے والا کلام اس قدر برتر اور اعلیٰ تھا کہ دوست تو دوست دشمن بھی اس کی تعریف ہی کرتے تھے۔چنانچہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کے ایک بڑے دشمن عتبہ بن ربیعہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے پہلی بار کلام الٰہی سنا تو اُس کی کیا کیفیت ہوئی۔

ایک روز عتبہ بن ربیعہ صحن حرم میں سجی قریش کی مجلس بیٹھا تھا۔عتبہ بن ربیعہ ایک عمر رسیدہ اور زمانہ ساز شخص تھا اُس کا شمار اہل عرب کے داناؤں میں کیا جاتا تھا اور وہ اپنی قوم کا سردار بھی تھا۔

اُس نے قریش سے کہا:

اگر تم کہو تو میں محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤں اُن سے گفتگو کروں، اُن پہ چند امور پیش کروں شاید وہ اِن میں سے کسی کو قبول کرلیں اور ہم سے رُک جائیں۔

عتبہ کی بات سن کر قریش مکہ خوش ہوگئے اور انھوں نے کہا؛

آپ ضرور جائیں شاید اس مسئلے کا کوئی حل نکل آئے۔

اور عتبہ بن ربیعہ قریش کی مجلس سے اُٹھ کر نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں آبیٹھا۔

عتبہ بن ربیعہ نے نبی اکرم ﷺ سے کہا:

بھتیجے میں اہل قریش کی طرف سے تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے کہا، آپ ضرور کہیے میں سُن رہا ہوں۔

اور عتبہ نے اپنی بات یوں شروع کی۔

میرے بھتیجے! تمہیں معلوم ہے کہ تم قبیلہ اور قوم کے اعتبار سے ہم میں بلند ہو اور نسب کے اعتبار سے بھی اعلیٰ ہو۔تم اپنی قوم کے پاس اگرچہ ایک امر عظیم لے کر آئے ہو مگر اس سے تمھاری قوم منقسم ہوگئی ہے۔اُن کی جمعیت منتشر ہوگئی ہے تم نے اپنے آباء کے طریقے کو بدل دیا اور انھیں احمق قرار دیا جس کی وجہ سے قوم میں تفریق پیدا ہوگئی ہے۔میں تمھاری قوم کی طرف سے تمہیں چند باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر تو اس ساری کوشش سے تمھاری مراد مال و دولت ہے تو ہم

تمھیں اتنا مال اکٹھا کر دیں گے کہ اِن دو پہاڑوں کے درمیان تم سے زیادہ مالدار اور کوئی نہ ہوگا اور اگر اس سے تم نے یہ چاہا ہے کہ تم کو حکمرانی اور قیادت مل جائے تو میں تمھیں اس بات کا یقین دلاتا ہوں ہم سب تم کو اپنا سردار چُن لیں گے اور تمھارے فیصلے کے علاوہ کسی اور کا فیصلہ قبول نہ کیا جائے گا اور اگر اس سے تمھارا مدعا شاہی وسلطنت ہو تو آؤ ہم تمھیں اپنا بادشاہ بنا لیں اور اگر یہ معاملہ کسی رئی (جن) کا ہے جو صرف تمھیں نظر آتا ہے تو تم ہمیں اجازت دے دو ہم اپنے خرچے پہ تمھارا علاج کرائیں گے اور اس سے قبل بارہا ایسا ہو چکا ہے کہ کسی شخص پہ کوئی جن قابض ہو گیا تب اُس کا علاج کیا گیا اور بعد میں وہ صحت مند بھی ہو گیا۔

عتبہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اے ابوالولید تمھاری بات مکمل ہو گئی ہے یا ابھی تم نے کچھ کہنا ہے۔

ابوالولید نے کہا: میں نے اپنی بات مکمل کر لی ہے۔

تب آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا: چچا میں نے آپ کی بات سن لی ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی کچھ کہوں!

عتبہ نے کہا: آپ (ﷺ) کہیے میں سُن رہا ہوں!

تب آنحضرت محمد ﷺ گویا ہوئے اور اُس پہ قرآن پیش کیا۔

حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ حم سجدہ 32/ ؛ آیات 1-5)

ترجمہ؛

”حا، میم ! اتارا گیا (یہ قرآن) رحمٰن و رحیم خدا کی طرف سے اور یہ

ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں اور یہ قرآن عربی زبان میں ہے، یہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو علم وفہم رکھتے ہیں یہ مژدہ سنانے والا ہے اور بر وقت (خبردار) کرنے والا ہے بایں ہمہ منہ پھیر لیا اِن میں سے اکثر نے پس وہ اسے قبول نہیں کرتے اور بعض (ہٹ دھرموں) نے کہا ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں''۔

نبی مکرم ﷺ نے تلاوتِ حکیم جاری رکھی!

اور آپ ﷺ کی آواز میں سوز تھا قرآن کا حسن تھا جنھوں نے مل کے عتبہ کے دل کو ہلا دیا تھا۔ اُس پہ سکتہ سا ہو گیا تھا۔ وہ حیرت اور ڈر سے اُس کلام کو سن رہا تھا جو نبی پاک ﷺ اُس کے سامنے بیان کر رہے تھے۔

پھر آپ ﷺ نے آیت سجدہ پہ پہنچ کے سجدہ کیا اور تلاوت ختم کر دی۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے عتبہ سے کہا:

عتبہ میں نے تجھ پہ اللہ کا کلام پیش کر دیا ہے اب تو جانے اور وہ۔ مجھے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا!

عتبہ کے لبوں میں تاب نہ تھی کہ اب کچھ کہہ سکیں۔ چنانچہ وہ آہستگی سے اٹھا اور شکستہ سا اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹا۔ جب وہ قریش کی طرف جا رہا تھا تو اس کی کمر جھکی ہوئی تھی اور وہ گہری خاموشی میں گر چکا تھا۔

اور اُس کی شکستگی کو قریش کی مجلس میں بھی محسوس کر لیا گیا۔

اور اُن میں سے کوئی بولا خدا کی قسم!

ابوالولید جو چہرہ لے کے گیا تھا وہ چہرہ لے کے واپس نہیں آیا۔

اور پھر وہ قریش کی مجلس میں پہنچ گیا۔

جب بہت دیر تک اُس کی خاموشی نہ ٹوٹی تب کسی نے کہا:

اے ابوالولید بتا تو سہی تُو کیا خبر لایا ہے؟

عتبہ سیدھا ہو کر بیٹھا اور اُس نے کہا: اے قوم قریش۔

خدا کی قسم! میں نے اُن سے ایک ایسا کلام سنا ہے کہ بخدا میں نے اتنی عمر گذارنے کے باوجود اُس کلام جیسا عمدہ کلام کہیں نہیں پایا وہ نہ شاعری ہے نہ کہانت جیسا کہ تم سمجھتے ہو۔

اے قوم قریش!

اگر تم میری بات مانو تو محمد (ﷺ) کو اُن کے حال پہ چھوڑ دو!

خدا کی قسم! اسی میں تمھارا فائدہ ہے۔

میں نے جو کلام اُن کی زبان سے سنا ہے وہ زمانے کو ہلا دینے والا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس سے بہت بڑا نتیجہ نکلنے والا ہے۔

قوم قریش ذرا میری بات پہ غور تو کرو اگر سارے عربوں نے مل کے اِن پہ غلبہ پالیا تب تمھارا مسئلہ حل ہو جائے گا اور اگر وہ عربوں پہ غالب آ گیا تب اُس کی عزت تمھاری عزت ہو گی اُس کی حکومت تمھاری حکومت ہو گی اور تم بغیر کسی جہد و سعی کے سارے عرب پہ حکمران ہو جاؤ گے۔

قریش یہ سُن کر چیخ اٹھے، اُن میں سے بعض عتبہ بن ربیعہ سے جھگڑنے لگے۔ بعض جو منہ پھٹ تھے انھوں نے عتبہ کی عزت اور رتبے کو بھی نظر انداز کر دیا اور اس سے کہا کہ وہ بے دین ہو گیا ہے۔

بعض نے اس سے کہا:

ہم نے تجھے اس لیے بھیجا تھا کہ تُو ہماری وکالت کر مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جب سے تو محمد (ﷺ) کے پاس سے اُٹھ کے آیا ہے انھی کی وکالت کر رہا ہے۔

دوستوں کی رائے تو خیر جو ہونی تھی وہ ہوئی مگر یہ ایک دشمن کا بیان تھا کہ اس قدر بلند و بالا کلام کا بلند و بالا ہی نتیجہ ظاہر ہونے والا ہے اور عتبہ کی رائے درست تھی اس لیے کہ اللہ کے کلام سے یقیناً بلند و بالا نتیجہ ہی برآمد ہوا اور اس کلام نے دنیا کا سب سے بڑا انقلاب بپا کیا۔قرآن حکیم کی حقانیت کی ایک واضح دلیل اُس کا اعجاز بیان ہے یعنی رسول اللہ ﷺ پر جو کلام اتارا گیا اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ انسانی قدرت سے باہر ہے۔قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کلام کی سحر انگیزی ایک ایسی صفت ہے جس کا تعلق سمجھنے اور محسوس کرنے سے ہے۔کسی بھی کلام کے متعلق محض بیان سے اُس کلام کی اصل حقیقت اور ماہیت کو اجاگر کرنا کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔اگر چہ لوگوں نے تلاش و جستجو اور استقراء کے ذریعے فصاحت و بلاغت کے کچھ اصول و ضوابط وضع تو کیے ہیں مگر کسی کلام کے حسن و قبح کو جاننے میں اِن اصول و قواعد کی حیثیت فیصلہ کن نہیں ہوسکتی اس لیے کہ درحقیقت کسی کلام کے حسن و قبح کا آخری فیصلہ ذوق و وجدان ہی کرتا ہے۔مثال سے سمجھیں کہ آپ کسی حسین چہرے کو دیکھیں تو اُس کے حسن کی تاثیر چاہے آپ کو کس قدر ہی مسحور کیوں نہ کردے مگر جب آپ سے کوئی پوچھے گا کہ اُس حسن کی تعریف کرو جس نے تمہیں ہوش و ہواس سے بیگانہ کردیا ہے تو انسان اُس حسن کو مکمل اور حقیقی طور پر کبھی بیان نہیں کرسکے گا چاہے غزلوں کا پورا دیوان لکھ ڈالے۔اسی طرح مہکتے پھول کی خوشبو کا معاملہ ہے جسے جس قدر آسانی سے محسوس کیا جا سکتا ہے اُس کو بیان کرنا اسی قدر دشوار ہے۔اسی طرح کوئی شخص آم کھا رہا ہے تو وہی اس کی لذت کو محسوس کررہا ہوتا ہے کوئی دوسرا اگر اس سے پوچھے کہ آم کیسا ہوتا ہے اس کے ذائقے میں دوسرے پھلوں سے کیا چیز مختلف ہے تو اسے بیان کرنا انتہائی دشوار ہوگا۔اس کا آسان طریقہ یہی ہے کہ اس شخص کو بھی آم دے دیا جائے تب وہ خود ہی جان لے گا کہ اس پھل کی لذت خاص ہے جو اسے دوسروں سے منفرد

بناتی ہے۔یہی معاملہ کسی کلام کی فصاحت و بلاغت کو جانچنے کا اصلی پیمانا ہے کہ اُس کے سامنے اس کلام کو پڑھا جائے۔تو سننے والا اگر صاحب ذوق ہے،حرف شناس ہے،کلام کے حسن و قبح کو جانتا ہے،تو وہ فوری طور پر ایک اعلیٰ کلام کے محاسن واوصاف کا معترف ہو جائے گا۔یہی معاملہ عربوں کے ساتھ پیش آیا کہ خطابت اور شاعری اُن کے معاشرے کی روح رواں تھی، شعروادب کا فطری ذوق عربوں کے بچے بچے میں سمایا ہوا تھا،فصاحت و بلاغت اُن کی رگوں میں خون حیات بن کر دوڑتی تھی ،اُن کی مجلسوں کی رونق، اُن کے میلوں کی رنگینی ،اُن کے بازاروں کا سرمایہ فخر وناز اور اُن کی نشر واشاعت کا ذریعہ سب کچھ شعروادب ہی تھا اور انھیں اپنے اس ہنر پر اس قدر ناز تھا کہ وہ غیر عربی کو عجمی (گونگا) کہا کرتے۔چنانچہ ایسے ہی معاشرے میں جب کوئی نیا کلام سامنے آئے تو سب کا چونک پڑنا فطری بات ہے اور پھر اگر پورے معاشرے کو یہی نیا کلام چیلنج کردے کہ لاؤ اگر لا سکتے ہو کوئی کلام میرے مقابلے میں،تو اُس معاشرے میں کس قدر ہلچل مچی ہوگی تصور کرنا محال ہے۔پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جو زبان انھیں چیلنج کر رہی ہے اُس کو انھوں نے نہ تو کبھی کسی شاعر کے پاس بیٹھے دیکھا نہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی مشاعرے میں اپنا کلام سناتے دیکھا، نہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کسی کاہن کے پاس بیٹھے دیکھا۔بلکہ اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کچھ جانتے تھے تو وہ یہ کہ وہ ایک اعلیٰ اور شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اُن کا پیشہ تجارت ہے اور وہ صادق وامین ہیں اُن کی زبان سے جب یہ چیلنج انھوں نے سنا کہ!

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً (88)

القرآن الحکیم (سورۃ بنی اسرائیل 87/17)

ترجمہ؛

''اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن جیسا کلام پیش کرنا چاہیں تو وہ کبھی ایسا نہ کر سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کیوں نہ کریں''۔

فطری طور پر تو اہل عرب کو چاہیے تھا کہ وہ اس چیلنج کو قبول کرتے اور اس کا جواب دینے کی کوشش کرتے مگر ایسا نہ ہوا بلکہ قریش کے ہاں ایک غیر معمولی سناٹا چھایا ہوا تھا جو دراصل تو کلام الٰہی کا رعب تھا۔کلام اللہ میں اُن کے معبودوں کو جھوٹا کہا جا رہا تھا، اُن کے دین کا انکار کیا جا رہا تھا، اُن کے خداؤں کی کھلم کھلا ہجو کی جا رہی تھی اس کے باوجود جانے کیوں مکہ کے آتش بیان خطیب اور شعلہ نوا شاعر سکتے کا شکار تھے۔جب اُن میں کوئی جنبش نہ ہوئی تو اللہ تعالٰی کی طرف سے رسول اللہ ﷺ نے اُن کو پھر للکارا ارشاد باری تعالٰی ہے کہ!

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُواْ شُهَدَاءكُم مِّن دُونِ اللّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (23) فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ وَلَن تَفْعَلُواْ فَاتَّقُواْ النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (24)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 23/2)

ترجمہ؛

''اور اگر تمہیں اس کتاب کے بارے میں ذرا سا بھی شک وشبہ ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ اگر تم سچے ہو، اور اللہ کے سوا تمہارے جتنے بھی حمایتی ہیں اُن سب کو بلا لو پھر بھی اگر تم ایسا نہ کر سکے اور یقیناً تم ایسا نہ کر سکو گے تو پھر ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، یہ آگ

انھی لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جنھوں نے اس کتاب کا انکار کیا"۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر چہ خصوصی طور پر یہ چیلنج قرآن کے اولین مخاطبین اہل قریش کو دیا گیا تھا مگر عمومی طور پر یہ چیلنج اُن تمام لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کی کتاب کا انکار کریں اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ پندرہ سو سال گزر گئے یہ چیلنج برقرار ہے۔ مگر کبھی کوئی شخص اس راہ پر نہ نکلا کیوں کہ صاحب ذوق اور صاحب زبان جانتے ہیں کہ اسلوب قرآن کا مقابلہ ممکن ہی نہیں علامہ جرجانی اپنی ایک کتاب [12*] میں اہل عرب کی زبان دانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ دنیا کے دوسرے سرے پر کوئی شخص ہے جسے زبان دانی کا دعویٰ ہے تو اپنے اشعار میں وہ اس کی ہجو کیے بغیر نہ رہتے۔

اِن سب کے باوجود جب قرآن انھیں چیلنج کر رہا تھا اور وہ خاموش بیٹھے تھے تو اس سے صرف یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ عرب کے صاحب دانش کلام الٰہی کا جواب دینے سے عاجز تھے اسی بات کو ایک دوسرے پہلو سے دیکھیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، ظلم وستم کی انتہا کر دی، آپ ﷺ کے سر پہ کوڑا ڈالا سجدے کی حالت میں آپ ﷺ کے اوپر اونٹ کا اوجھ ڈالا، گریبان میں کپڑا ڈال کے گھسیٹا اور وہ کون سا ظلم ہے جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ نہ کیا۔ مجنون کہا، شاعر کہا، ساحر کہا، کاہن کہا مگر اُن سے یہ نہ ہو سکا کہ اُس کلام کے مقابل چند ٹوٹے پھوٹے فقرے ہی کہہ سکتے جو رسول اللہ ﷺ پر اتارا جا رہا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس اس کلام کے بڑے بڑے دشمن اس بات پہ خود کو مجبور پاتے کہ قرآن کے بارے میں اچھے الفاظ ہی کہیں جیسا کہ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ!

واللہ انّ لقوله الذی یقول حَلاوةً وان علیه لطلاوة ۔۔۔ وَانّہ"

لیعلوا وما یعلیٰ ،

خدا کی قسم! جو کلام محمد (ﷺ) بولتے ہیں اس میں بلا کی شیرینی اور رونق ہے یہ کلام غالب ہی رہتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا۔

چنانچہ یہ امر مصدقہ ہے کہ قرآن حکیم اپنی زبان کے حوالے سے خود کو اہل عرب سے منوا چکا تھا۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ کلام الٰہی میں وہ کون سے محاسن ہیں جن کی بنا پر یہ کلام معجز نما کلام بن گیا۔ سب سے پہلے قرآن کے استعمالات پر نگاہ کرتے ہیں۔ دیکھیں کہ کسی بھی زبان کا کوئی شاعر یا ادیب ہو کبھی اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اُس نے اپنے کلام میں کہیں کوئی غیر فصیح لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ اکثر و بیشتر اپنے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے اُسے کسی نہ کسی غیر فصیح لفظ کو استعمال میں لانا ہی پڑتا ہے۔ مگر قران ایک ایسی کتاب ہے جس میں الحمد سے لے کر والناس تک کہیں کوئی غیر فصیح لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کے برعکس قرآن میں جہاں جو لفظ استعمال ہوا وہ اپنے حسن کی منتہا کو بیان کرتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ لفظ اسی مقام پر استعمال کے لیے موزوں کیا گیا تھا۔ عربی زبان ایک بڑی زبان ہے جو اپنے ذخیرہ الفاظ کے اعتبار سے دنیا کی وسیع ترین زبانوں میں سے ایک ہے۔ چنانچہ اُس میں ایک مفہوم کے لیے معمولی معمولی سے فرق کے ساتھ سینکڑوں الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اعجاز قرآنی یہ ہے کہ وہ اس زبان کے وسیع ذخیرے سے اپنے مقصد کی ادائیگی کے لیے صرف وہی لفظ منتخب کرتا ہے جو عبارت کے سیاق، معنی کی ادائیگی اور اسلوب کے بہاؤ کے لحاظ سے موزوں ترین ہو اس امر کو ذیل میں پیش کی گئی مثال سے سمجھیں۔ زمانہ جاہلیت میں موت کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے بہت سے الفاظ مروّج تھے جن میں سے کچھ یہ ہیں۔ موت ہلاک، فنا، حتف، شعوب، حمام، منون، سام، قاضیہ، سمیغ، نیط، فود، مقدار، جباز، قتیم، حلاق طلاطل، طلاطلہ، عول، ذام، کفت

،جداع ،حزرۃ اور خالج وغیرہ۔لیکن اِن میں سے اکثر الفاظ کے پس منظر میں اہل عرب کا یہ قدیم نظریہ جھلکتا تھا کہ موت کے ذریعے انسان کے تمام اجزا ہمیشہ کے لیے فنا ہو جاتے ہیں اوراس کا دوبارہ زندہ ہونا ممکن نہیں۔

وہ لوگ چونکہ آخرت ومعاد پر یقین نہ رکھتے تھے اس لیے انھوں نے موت کے لیے جتنے الفاظ موزوں کیے تھے اُن سب میں نظریہ فنا کی جھلک موجود رہتی ہے۔تاہم قرآن اُن کو اس طرف بلا رہا تھا کہ موت فنا نہیں بلکہ موت کے بعد انسان کو اپنے خالق کے سامنے پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔اس لیے قرآن نے اُن کے قدیم اسلوب زبان کو نظر انداز کیا اور اُن الفاظ کو چھوڑ دیا جن کو وہ موت کے لیے استعمال کرتے تھے بلکہ قرآن نے ایک نیا لفظ اختیار کیا اور عربی زبان کو ایک خوبصورت ،مختصر ،جامع اور فصیح لفظ عطا فرمایا جس سے موت کی حقیقت بھی واضح ہوجائے اور اُس لفظ سے اہل عرب کے جاہلی اعتقادات کی بو بھی نہ آئے۔

چنانچہ قرآن نے موت کے لیے" **توفی** "کا لفظ اختیار کیا جس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا پورا پورا وصول کر لینا۔ہر زبان میں کچھ ایسے الفاظ ہوتے ہیں ادیب وشاعر جن کو استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں جس کی وجہ اُن الفاظ کے صوتی تاثر کا نامناسب ہونا ہوتا ہے۔ دیکھیں کہ اردو زبان کے شاعر عام طور پہ وہ الفاظ استعمال نہیں کرتے جن پر ط کی اضافت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُن کا صوتی تاثر بگڑ جاتا ہے جیسا کہ چڑھ، بڑھ،لڑ، کھڑ وغیرہ۔اعجاز قرآن یہ ہے کہ وہ اپنے کلام میں کہیں بھی صوتی آہنگ کو بگڑنے نہیں دیتا۔بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ مصنف کو بہرحال اِن الفاظ کا سہارا لینا ہی پڑتا ہے کہ اس کے بغیر وہ اپنے مفہوم کو بیان کرنے سے قاصر رہ جاتے۔مگر اعجازِ قرآن یہ ہے کہ ایسے موقع پر جب کوئی غیر فصیح لفظ استعمال کیے بغیر مطلب ادا نہ ہوتا ہو تو قرآن وہاں ایسی خوبصورت تعبیر اختیار کرتا ہے کہ ذوق سلیم اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔مثال کے طور پہ دیکھیں کہ عربی زبان میں پکی ہوئی اینٹوں کے لیے جتنے الفاظ بھی مستعمل ہیں وہ سب ثقیل ،مبتذل اور ناپسندیدہ سمجھے جاتے ہیں۔اب ایک

جگہ قرآن میں یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ فرعون اپنے وزیر ہامان کو حکم دیتا ہے کہ میرے لیے ایک اونچا محل تعمیر کرنے کے لیے اینٹوں کو پکاؤ۔اس واقعے کا ذکر کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اینٹ کا لفظ استعمال کیا جائے۔لیکن قرآن حکیم نے اس مفہوم کو ایسے معجزانہ انداز سے ذکر فرمایا ہے کہ مفہوم نہایت حسن کے ساتھ ادا ہو گیا اور ثقیل الفاظ کے استعمال کی قباحت بھی پیدا نہیں ہوئی۔

چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ!

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحاً۔

القرآن الحکیم (سورۃ القصص 38/28)

ترجمہ؛

''اور فرعون نے کہا: اے سردارانِ قوم مجھے اپنے سوا کوئی معبود معلوم نہیں، پس اے ہامان گیلی مٹی پر آگ روشن کر کے میرے لیے ایک محل تعمیر کرو''۔

الفاظ کے بعد جملوں کی ترکیب، ساخت و نشست کا تذکرہ مقصود ہے۔چنانچہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اسلوب بیان میں بھی قرآن اوج کمال پر ہے اور یہ اسلوب بیان انسانی دسترس سے بہت فاصلے پر ہے۔قرآن حکیم کے جملوں کے در و بست میں وہ شوکت وہ سلاست اور شرینی ہے کہ اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔

دیکھیں کہ قرآن نے فرمایا کہ ولکم فی القصاص حیوۃٌ۔

قصاص لینا عرب میں مروّج تھا، قصاص لینے کے معاملے میں اہل عرب بہت بے تاب رہتے اور اس کو قابل تعریف فعل گنا جاتا۔قصاص کے ضمن میں عربی زبان میں کئی محاورے مقبول تھے

جیسا کہ!

اَلْقَتْلُ اِحْیَاءٌ لِلْجَمِیْعِ

قتل اجتماعی زندگی ہے۔

اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ

قتل سے قتل کی روک تھام ہوتی ہے۔

اَکْثِرُوْا الْقَتْلَ لِیَقِلَّ الْقَتْلَ

قتل زیادہ کروتا کہ قتل کم ہوجائے۔

قصاص کے ضمن میں یہ بیان عربوں میں معروف تھے اور فصیح سمجھے جاتے تھے قرآن حکیم نے بھی اسی مفہوم کو ادا فرمایا لیکن کس شان کے ساتھ۔

ارشاد ہوا کہ!

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ۔

اور تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

اس جملے کے اختصار، جامعیت، سلاست، شوکت اور معنویت کو جس پہلو سے دیکھیں بلاغت کا معجز وشاہکار معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد ہم قرآن کے بیان و اسلوب کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔قرآن کریم ایک ایسی نثر پر مشتمل ہے جس میں شعر کے قواعد وضوابط ملحوظ نہ ہونے کے باوجود ایک ایسا لذیذ اور شریں آہنگ پایا جاتا ہے جو شعر سے کہیں زیادہ حلاوت اور لطافت کا حامل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کا جمالیاتی ذوق نظم اور شعر میں ایک ایسی حلاوت محسوس کرتا ہے جو نثر میں محسوس نہیں ہوتی۔شعر کی لذت وحلاوت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس

لذت وحلاوت کا راز درحقیقت لفظوں کی اس ترتیب میں مضمر ہے جو ایک خاص صوتی آہنگ سے پیدا ہوتی ہے۔عربی فارسی اور اردو کی قدیم شاعری میں اس آہنگ کی لذت شعر کے خاص اوزان کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔جب ایک ہی صوتی وزن کے الفاظ بار بار کانوں میں پڑتے ہیں تو اس سے ذوقِ سلیم کو ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے۔پھر جب اس کلام میں وزن کے ساتھ قافیہ بھی مل جاتا ہے تو اس کی لذت دوچند ہو جاتی ہے۔ازاں بعد جب اس کے ساتھ ردیف کا اضافہ بھی ہو جائے تو لذت سہ چند ہو جاتی ہے۔اور اگر مصروں کے درمیان میں عروضی اوزان کے ساتھ صرفی اور قوافی کی یکسانیت بھی شامل ہو جائے جیسا کہ مرصّع اشعار میں ہوتا ہے تو یہ لذت اور بڑھ جاتی ہے۔لیکن اوزان اور قوافی کے اصول ہر خطے اور ہر زبان میں یکساں نہیں ہوتے۔ہر زبان کے لوگ اپنے اپنے ذوق اور مزاج کے لحاظ سے اس کے لیے مختلف قواعد مقرر کرتے ہیں۔

دیکھیں کہ اہل عرب نے اپنی شاعری کو وزن اور قافیہ کے اُن سانچوں تک محدود رکھا ہے جو خلیل بن احمد نے وضع کیے۔فارسی شاعری میں اوزان کا دائرہ کچھ اور وسیع کیا گیا اور نئی نئی بحریں اختیار کی گئیں لیکن قافیہ اور ردیف کی پابندی میں زیادہ کڑی شرائط عائد کردی گئیں۔فارسی کے بالمقابل عربی شاعری کے اصول وضوابط میں قدرے تفاوت پایا جاتا ہے۔چنانچہ عربی شاعری میں قبور اور کبیر کو ہم قافیہ سمجھا جاتا ہے اور اگر شعر کے پہلے مصرے میں قبور استعمال کیا گیا اور دوسرے میں کبیر آگیا تو اس کو زبان واسلوب کا عیب نہیں سمجھا جائے گا حالانکہ فارسی میں اسے نہایت بڑا جرم تصور کیا جائے گا اور اسے بیان کا ضعف قرار دیا جائے گا۔اسی طرح عربی زبان میں اگر ایک ہی کلمہ کا آدھا حصہ پہلے مصرے میں اور دوسرا آدھا حصہ دوسرے مصرے میں آجائے تو اس کو بھی معیوب نہ سمجھا جائے گا،نیز عربی شاعری میں زحافات اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ بسا اوقات اصلی بحر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے جب کہ فارسی میں ایسا ممکن نہیں۔اسی طرح عربی شاعری میں ردیف کا کوئی تصور نہیں بلکہ صرف قافیہ سے کام چلا لیا جاتا ہے جبکہ فارسی میں

ردیف کے بغیر غزل کا آہنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ نیز یہ کہ اصل عربی شاعری میں فارسی کی طرح مثنوی، مستزاد، مخمس، مسدس، رباعی اور قطعہ بند نظموں جیسی اصناف کا کوئی وجود نہیں جبکہ فارسی اِن اصنافِ شعر سے مالا مال رہی ہے۔ پھر اسی اثر کے اندر اندلس وغیرہ میں موشحات اور ازجال کی اصناف رائج ہوئیں۔ عربی اور فارسی میں اِن اختلافات کے باوجود اُوزان میں بڑی حد تک اشتراک پایا جاتا ہے۔

تاہم قدیم ہندی شاعری کو دیکھیں تو اس میں معروف عروضی اوزان کے بجائے صرف حروف کی تعداد کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اگر شعر کے دونوں مصروں میں حروف کی تعداد یکساں ہو تو شعر کو ہم وزن سمجھا جاتا خواہ اِن کی حرکات وسکنات میں کتنا ہی بڑا فرق کیوں نہ ہو۔ بعض اوقات ہندی دوہوں میں معروف عروضی اوزان وقوافی قافیہ یا ردیف کے قواعد بلکہ تعدادِ حروف تک میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس کے باوجود انھیں بڑے لطف کے ساتھ پڑھا اور گایا جاتا ہے اور اِن کی تاثیر ناقابل انکار ہوتی ہے۔ شعر وادب کے بارے میں سب سے آزاد مزاج زبان انگریزی ہے جس میں عروضی اوزان تو کجا مصروں کے طول وعرض میں بھی بسا اوقات زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اور اکثر اوقات قافیے کی بھی کوئی خاص رعایت نہیں جاتی۔ بس لفظوں کی ترتیب میں ایک خاص آہنگ ہوتا ہے اور یہی آہنگ اہل زبان کے لیے ایک خاص کیف و لذت کا سبب بنتا ہے۔ اس ساری بحث سے دراصل اس تاثر کو اجاگر کرنا مقصود تھا کہ شعر کی لذت وحلاوت میں اوزان وقوافی کے لگے بندھے قواعد کی کوئی عالمگیر حیثیت نہیں ہے بلکہ مختلف زبانوں اور مختلف خطوں میں رہنے والے لوگوں کی عادت ومزاج کے مطابق یہ اصول وضوابط بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ایک چیز جو اِن سب زبانوں اور تمام قوموں میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے وہ ہے ایک ''متوازی صوتی آہنگ'' یعنی الفاظ کو اس طرح ترتیب دینا کہ اُن کے تلفظ سے اور انھیں سن کر انسان کا جمالیاتی ذوق حظ محسوس کرے۔ لیکن انسان چونکہ اس قدر مشترک کو اوزان وقوافی کے معروف سانچوں سے الگ کرنے پر قادر نہیں

اس لیے جب وہ شاعری میں لطف پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے لازماً اپنے ماحول کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط کی پابندی کرنا پڑتی ہے جس سے اُس کے کلام میں حسن ولذت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ صرف قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے دنیا کے مختلف خطوں میں مقرر کیے ہوئے شعری قواعد میں سے کسی قاعدے کی پابندی نہیں کی بلکہ صرف متوازن صوتی آہنگ کی قدر مشترک کو اختیار کرلیا ہے۔ جو اِن سارے قواعد کا اصل مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نثر ہونے کے باوجود شعر سے زیادہ لطافت اور حلاوت کا حامل ہے اور صرف اہل زبان ہی نہیں بلکہ دنیا کی ہر زبان کے لوگ اسے سن کر غیر معمولی لذت اور تاثیر محسوس کرتے ہیں۔ یہیں سے یہ بات شروع ہوتی ہے کہ قریش قرآن حکیم کو شاعری قرار دینے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ شعر کی معروف تعریف کسی بھی طرح قرآن کریم پر صادق نہیں آتی اور کفار عرب اپنی ہزار گمراہیوں کے باوجود اتنی حس ضرور رکھتے تھے کہ نثر و نظم میں تمیز کرسکیں۔

یاد رہے کہ عرب معاشرہ، امراؤالقیس بن حجر الکندی، زھیر بن اسلمی، نابغہ زبیانی، الاعشیٰ، لبید بن ابن عامری حسان بن ثابت، کعب بن زہیر اسلمی اور امیہ بن ابی الصلت جیسے شعرا اور اقرع بن حابس تیمی، اکثم بن صیفی، عبدالمطلب بن ہاشم، ابوطالب بن عبدالمطلب، سحبان وائل باہلی، دوید بن زید، زہیر بن جناب، الربیع بن ضبیع، الحرث بن کعب، قیس بن زہیر العبسی، ابوطحان القینی، زوال بن صبح العدوانی اور الحرث بن ذبیان جیسے شعلہ نوا خطبا کا معاشرہ تھا۔ اس لیے یہ تو ممکن نہ تھا کہ وہ نظم ونثر میں تمیز نہ کرسکیں۔ اور نہ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ شعر کے لیے وزن اور قافیہ کی پابندی ضروری ہے جو قرآن حکیم میں مفقود ہے۔ اس کے باوجود انھوں نے کلام الٰہی کو شعر قرار دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کلام کے اسلوب وآہنگ میں انھوں نے شعر سے زیادہ حلاوت وتاثیر محسوس کی اور وہ سمجھ رہے تھے کہ وزن اور قافیہ کی پابندی کے بغیر بھی اس کلام میں شعری ذوق اور وجدان کے لیے وہ جمالیاتی لذت بدرجہ اتم موجود ہے جو اوزان وقوافی کی جکڑ بندیوں سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ قرآن حکیم نے متواتر صوتی آہنگ کی

یہ تاثیر پیدا کرنے کے لیے کون کون سے نئے اصولوں کی رعایت رکھی اس بات کو بیان کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے کیونکہ مروجہ الفاظ و مصطلحات اُس کیفیت کو ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کر سکتے جو قرآنی اسلوب میں رواں دواں نظر آتی ہے۔تاہم جس شخص کو بھی ادبی ذوق اور جمالیاتی حس کا کچھ حصہ ملا ہو وہ ہمارے مذکورہ بیان کی صداقت کو تلاوت قرآن کے دوران خود بخود محسوس کر سکتا ہے۔اس متوازن صوتی آہنگ کی شاہکار کچھ قرآنی آیات پہ نگاہ ڈالتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ (1) لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (2) وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ (3) وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ (4) وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ (5) لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (6)

القرآن الحکیم (سورۃ الکافرون 1.6/109)

ترجمہ؛

''کہہ دو کہ اے کافرو! میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو، نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں، اور نہ میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے، اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں، (اس لیے) تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین''۔

سورہ الفیل پہ نگاہ ڈالیں۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ (1) أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي

تَضْلِيْلٍ (2) وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيْلَ (3) تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ
سِجِّيْلٍ (4) فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ (5)

القرآن الحکیم (سورۃ الفیل 1.5/105)

ترجمہ:

''تم نے دیکھا نہیں کہ تمھارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اُس نے اُن کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا، اور اُن پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے جو اُن کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، پھر اُن کا یہ حال کر دیا جیسے جانوروں کا کھایا ہوا بھوسا۔

سورہ تکاثر پر نگاہ ڈالیں۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ (1) حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (2) كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (3)
ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (4) كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ (5) لَتَرَوُنَّ
الْجَحِيْمَ (6) ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ (7) ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ
النَّعِيْمِ (8)

القرآن الحکیم (سورۃ التکاثر 1.8/102)

ترجمہ:

''زیادہ سے زیادہ دنیا حاصل کرنے کی ہوس نے تم کو غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم قبر کے کنارے تک پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ پھر (سن لو کہ) ہرگز نہیں، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اس روش کے انجام کو) جانتے ہو (تو تمھارا یہ طرز

عمل نہ ہوتا)۔تم دوزخ دیکھ کر رہو گے، پھر (سن لو کہ) تم بالکل یقین کے ساتھ اسے دیکھ لو گے۔پھر ضرور اُس روز تم سے اِن نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی''۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

سورہ عادیات پر نگاہ ڈالیں۔

وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحاً (1) فَالْمُورِيَاتِ قَدْحاً (2) فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحاً (3)
فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعاً (4) فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعاً (5) إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ
(6) وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ لَشَهِيدٌ (7) وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ (8) أَفَلَا
يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ (9) وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ (10) إِنَّ
رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ (11)

القرآن الحکیم (سورۃ العادیات 1.11/100)

ترجمہ؛

''قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو پھنکاریاں مارتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر اپنی ٹاپوں سے چنگاریاں جھاڑتے ہیں، پھر صبح سویرے چھاپہ مارتے ہیں پھر اس موقع پر گرد و غبار اڑاتے ہیں، پھر اسی حالت میں کسی مجمع کے اندر جا گھستے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے اور وہ خود اس پر گواہ ہے، اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے تو کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب قبروں میں جو کچھ مدفون ہے اُسے نکال لیا جائے گا، اور سینوں میں جو کچھ (مخفی) ہے اُسے برآمد کر کے اُس کی جانچ پڑتال کی جائے گی یقیناً اُن کا رب اُس روز اُن سے خود باخبر ہوگا''۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

سورۃ القارعہ پر نگاہ ڈالتے ہیں۔

الْقَارِعَةُ (1) مَا الْقَارِعَةُ (2) وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ (3) يَوْمَ يَكُونُ
النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ (4) وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ
(5) فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ (6) فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ (7) وَأَمَّا
مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ (8) فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ (9) وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ (10) نَارٌ
حَامِيَةٌ (11)

القرآن الحکیم (سورۃ القارعہ 1.11/101)

ترجمہ:

"عظیم حادثہ کیا ہے وہ عظیم حادثہ؟ تم کیا جانو کہ وہ عظیم حادثہ کیا ہے؟ وہ دن جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنکے ہوئے اون کی طرح ہوں گے۔ جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اُس کی جائے قرار گہری کھائی ہوگی اور تمہیں کیا خبر کہ وہ کیا چیز ہے؟ بھڑکتی ہوئی آگ۔

قرآن حکیم کے کلام کی برتری تمام انسانی کلاموں پر واضح ہے۔کلام پاک کی انسانی کلاموں پر برتری کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے علماء بلاغت نے لکھا ہے کہ کسی بھی کلام کی تین قسمیں ہوتی ہیں، خطابی، ادبی اور علمی ۔ اِن تینوں قسموں کے دائرے الگ الگ ہیں، ہر ایک کی خصوصیات جدا اور مواقع مختلف ہیں اور اِن تینوں اسلوب کو ایک ہی عبارت میں جمع کر دینا ممکن نہیں ۔ جب آپ تقریر کرتے ہیں تو اس کا سلوب اور ہوتا ہے۔ جب انسان ادبی نثر لکھنے بیٹھتا ہے تو اُس کا مزاج و کیفیت مختلف ہوتی ہے اور جب کوئی علمی مقالہ لکھنے کا ارادہ کرے تو

اُس کی تیاری اور اسلوب بھی بالکل جدا ہوتا ہے۔مگر اعجاز قرآن یہ ہے کہ وہ اِن تینوں اسلوب کو ساتھ لے کر چلتا ہے، چنانچہ کلام الٰہی میں خطابت کا زور، ادب کی شگفتگی اور علم کی متانت ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور ان تینوں میں سے کوئی صنف غائب نہیں ہوتی یہی اعجاز قرآن ہے اور یہی اس کلام کی دوسرے کلاموں پر برتری کی وجہ ہے۔

کلام الٰہی کی دیگر انسانی کلاموں پر برتری کو ایک اور پہلو سے دیکھتے ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ کائنات میں جتنے لوگ موجود ہیں سبھی قرآن کے مخاطب ہیں، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو۔چنانچہ جب ایک ان پڑھ دیہاتی قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہے تو وہ بھی اس سے حظ حاصل کرتا ہے اور اُس کا دل اس کلام سے جدا ہونے پر آمادہ نہیں ہوتا ہم نے اپنے گھروں میں دیکھا ہے کہ جن لوگوں کو ایک لفظ لکھنا نہیں آتا پڑھنا نہیں آتا وہ بھی قرآن حکیم کی تلاوت نہایت شغف کے ساتھ کرتے ہیں اور بچپن ہی سے کرتے چلے آئے ہیں اگرچہ وہ قرآن کے پیغام اور اُس کی دیگر کلاموں پر برتری کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اس کے باوجود تلاوت قرآن اُن کے لیے سکون و عافیت کا باعث بنتا ہے۔ازاں بعد ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک ماہر فن قرآن حکیم کو دیکھتا ہے تو قرآنی اسلوب کی برتری اور کلام الٰہی کی حلاوت اُسے بھی متاثر کرتی ہے اور وہ اس کلام کی برتری کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایک طرف جب ایک ان پڑھ دیہاتی قرآن پڑھتا ہے تو اس میں سادہ حقائق زیست کو دیکھتا ہے۔دوسری طرف جب ایک محقق قرآن پر نگاہ عمیق ڈالتا ہے تو اسے جا بجا پھیلے علمی نکات اپنی طرف کھینچتے ہیں اور زندگی اور کائنات کی حقیقت کو جاننے کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں وہ کلام الٰہی کے بارے میں علم وفن کی باریکیوں کو حل کرتے ہوئے یہ خیال قائم کرتا ہے کہ معمولی سمجھ بوجھ کے آدمی کا اس کتاب سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔اگرچہ اس کا خیال باطل ہوتا ہے اور ایک دیہاتی بھی اس کلام سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جتنی کہ ایک عالم اس کلام کی برتری کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے۔ایک ماہر لسان کلام الٰہی کو اس کی لسانی برتری کی وجہ سے جانتا ہے

اور اس کلام کی تکریم کرتا ہے تو ایک سائنس دان زمین و آسمان کی ماہیت، کائنات کی حقیقت اور آفرینش حیات سے متعلق آیات پڑھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ سائنس کی کتاب ہے۔ایک عام آدمی کے ذہن کے پیش نظر قرآن حکیم کا طریق استدلال بہت سادہ اور زیادہ تر مشاہدہ کی دلیلوں پر مبنی ہے ،توحید، رسالت ،آخرت ،آفرینش حیات اور وجود باری تعالیٰ جیسے دقیق فلسفیانہ مسائل کو اس نے بالکل سامنے کی دلیلوں سے ثابت کیا ہے اور مظاہر فطرت کی طرف اشارہ کر کے وہ حقائق بیان فرمائے ہیں جو آسانی کے ساتھ ایک ادنیٰ ذہنی معیار کے آدمی کی سمجھ میں آسکیں ،لیکن انھی سادہ حقائق کی تہہ میں اتر کر دیکھئے تو اس میں خالص عقلی اور منطقی دلائل بھی ملیں گے جو فلسفیانہ موشگافیوں کے مریض کو بھی شفا بخشتے ہیں۔باتوں باتوں میں ہی اس نے فلسفہ اور سائنس کے وہ دقیق مسائل بھی حل کر دیئے ہیں جن کی تحقیق کے لیے بڑے بڑے فلسفی ساری عمر دماغ کھپاتے رہے مگر اُن کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا۔کلام الٰہی کی برتری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر ایک ہی بات کو بار بار دہرایا جائے تو کہنے والا ادب و انشاء میں خواہ کتنا ہی بلند پایہ مقام رکھتا ہو ایک مرحلے پر پہنچ کر سننے والا اکتاہٹ کا شکار ہو جائے گا ،کلام کا زور ٹوٹ جائے گا اور اس کی تاثیر کم ہو جائے گی لیکن قرآن کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں ایک ہی بات کو بعض اوقات بیسیوں مرتبہ دہرایا گیا ہے، ایک ہی واقعہ بار بار مذکور ہوا ہے لیکن ہر مرتبہ ایک نیا کیف، نئی لذت اور نئی تاثیر محسوس ہوتی ہے۔

کلام الٰہی کی برتری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کلام کی شوکت اور اس کی نزاکت دو متضاد صفتیں ہیں ،دونوں کے لیے الگ اسلوب اختیار کرنا پڑتا ہے، ان دونوں صفتوں کو ایک عبارت میں جمع کر دینا انسانی قدرت سے باہر ہے لیکن یہ صرف قرآنی اسلوب کا اعجاز ہے کہ اس میں یہ دونوں اوصاف بدرجہ کمال اور یکجا پائے جاتے ہیں۔کلام الٰہی کی برتری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ قرآن کریم نے بعض اُن مضامین میں بھی بلاغت کو اوج کمال تک پہنچا کر دکھایا ہے جن میں کوئی بشری ذہن ہزار کوشش کے باوجود بھی ادبی چاشنی پیدا نہیں کر سکتا، مثلاً قانون وراثت کو لیجئے کہ

یہ ایک ایسا خشک اور سنگلاخ موضوع ہے کہ اس میں دنیا کے سارے ادیب وشاعر مل کر بھی ادبیت اور عبارت کا وہ حسن پیدا نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کرتے ہوئے کلام الٰہی میں اختیار فرمایا ہے۔سورۃ نسا کے اس رکوع پہ نظر ڈالیں تو کلام الٰہی کی برتری دیگر تمام کلاموں پر واضح ہو جائے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!

يُوصِيكُمُ اللّهُ فِي أَوْلاَدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاء فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَآؤُكُمْ وَأَبناؤُكُمْ لاَ تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعاً فَرِيضَةً مِّنَ اللّهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيما حَكِيماً (11)

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلاَلَةً أَو امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوَاْ أَكْثَرَ مِن ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاء فِي الثُّلُثِ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّهِ وَاللّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ (12) تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ وَمَن يُطِعِ اللّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (13) وَمَن يَعْصِ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ (14)

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 10.14/4)

ترجمہ؛

"تمھاری اولاد کے بارے میں اللہ تمھیں ہدایت کرتا ہے کہ مردوں کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، اگر (میت کی وارث) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انھیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے، اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے۔ اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے۔ اور اگر میت کے بھائی بہن ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حقدار ہوگی۔ (یہ سب حصے اُس وقت نکالے جائیں گے) جب کہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اُس پر ہو ادا کر دیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمھارے ماں باپ اور تمھاری اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تم سے زیادہ قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کر دیئے ہیں، اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے ، اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا تمھیں ملے گا، اگر وہ بے اولاد ہوں ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمھارا ہے، جب کہ وصیت جو انھوں نے کی ہو پوری کر دی جائے ، اور قرض جو انھوں نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے۔ اور وہ تمہارے ترکہ میں چوتھائی کی حقدار ہوں گی، اگر تم بے اولاد ہو، ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں اُن کا حصہ آٹھواں ہوگا۔ بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو وہ پوری کر دی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو وہ ادا کر دیا جائے۔ اور اگر وہ مرد یا عورت (جس کی میراث تقسیم طلب ہے) بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں، مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی

میں وہ سب شریک ہوں گے جب کہ وصیت جو کی گئی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہوا دا کر دیا جائے، بشرطیکہ وہ ضرر رساں نہ ہو۔ یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ دانا و بینا و نرم خو ہے۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اُسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اِن باغوں میں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا اللہ اُسے آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب کی سزا ہے"۔

یہ ایک غیر معمولی کلام ہے جس میں حسن و جمال کے ساتھ ایک ایسا قانون بیان کیا گیا ہے جو اپنے موضوع اور عنوان کے لحاظ سے خشک اور بیان کے لحاظ سے مشکل ہے مگر کلام الٰہی کا اسلوبِ بیان اس بات کا شاہد ہے کہ اللہ ہر بات کو احسن طریقے سے بیان کرنے پر قادر ہے کلام الٰہی کی برتری کی ایک دلیل یہ ہے کہ جہانِ ادب میں جب کوئی شاعر و ادیب وارد ہوتا ہے تو اُس کی فصاحت و بلاغت کا ایک مخصوص میدان ہوتا ہے جس سے ہٹ کر اس کا کلام پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اہل عرب کے اسلوب زبان ہی سے سمجھیں کہ اُن کے مشہور شعرا میں سے امرؤ القیس کو نسیب و غزل کا امام مانا جاتا ہے نابغہ زبیانی کا قلم خوف و ہیبت اگلتا ہے تو اعشیٰ حسنِ طلب اور بیانِ وصف میں یکتا خیال کیا جاتا ہے اور زہیر بن اسلمی کے قلم سے رغبت و امید کے گُل کھلتے ہیں۔ یہی اصول ہر زبان کے شعرا اور ادیبوں پر منطبق ہوتا ہے۔ اب قرآن کو دیکھیں کہ کلام الٰہی میں اس قدر مختلف الانوع اور متضاد مضامین کو سمویا گیا ہے کہ اُن کا احاطہ دشوار ہے۔ کلام الٰہی میں ترغیب ہو یا ترہیب، وعد ہو یا وعید، وعظ ہو یا نصیحت، امثال و قصص ہوں یا

عقائد واحکامات ہر جگہ ہر موضوع کے بیان میں اعلیٰ ترین بلاغت کا معیار قائم ہے اور پڑھنے والا نہ تو کہیں اٹکتا ہے اور نہ کہیں اُسے ضعف کلام کا احساس ہوتا ہے اور یہی وہ برتری ہے جو الٰہی کلام کو انسانی کلام سے ممیّز کرتی ہے۔کلام الٰہی کا ایک اور امتیازی وصف ایک اور اعجاز کلام الٰہی کا ایجاز واختصار ہے۔یادرہے کہ کلام الٰہی کا یہ وصف نہایت ہی نمایاں ہے اس لیے کہ قرآن حکیم میں سمندروں کو کوزوں میں بند کردیا گیا ہے، چھوٹے چھوٹے اور مختصر جملوں میں وہ وسیع مضامین سمیٹ دیئے گئے ہیں کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں اس کلام سے ہدایت حاصل کی جاتی رہے۔پندرہ سو سال ہونے کو آئے ہیں اس پر بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ قرآن کا کوئی مضمون پرانا ہوگیا ہے،قرآن کی کسی ہدایت کی اب انسانوں کو ضرورت نہیں رہی قرآن کے کسی حکم کی اب انسانی معاشروں میں گنجائش نہیں نکلتی۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کرنے کے لیے اتارا گیا ہے اور قیامت تک انسان اس کلام سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔اگرچہ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ گزرتے وقت کے ساتھ بہت کچھ بدلا ہے، بڑے بڑے عظیم انقلابات وجود میں آئے ہیں، انسان نے تہذیب وتمدن کے بہت سے نئے تصورات کو اپنایا ہے اس کے باجود انسان اس بات کا ضرورت مند ہے کہ ہدایت کے لیے اسی کتاب کی طرف رجوع کرے۔اس لیے کہ اس کتاب کے سوادنیا میں اور کوئی کتاب اس لائق ہی نہیں کہ ہدایت کے لیے اُس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔اس لیے بھی کہ قرآن ایک سدابہار کلام ہے جس پر کبھی خزاں نہیں اتر سکتی۔ اس کے مضامین،اس کی ہدایت،اس کے احکامات کبھی بوسیدہ نہ ہوں گے اور ہر دور کا انسان اس بات کامحتاج رہے گا کہ ہدایت کے لیے اسی کلام کی طرف متوجہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ قرآن تاریخ کی کتاب نہیں اس کے باوجود تاریخ کا مستند ترین ماخذ یہی کتاب ہے۔قرآن سیاست کی کتاب نہیں اس کے باوجود قرآن میں چند مختصر جملوں میں ہی سیاست اور جہان بانی کے وہ اصول بیان فرمادیئے گئے ہیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کی

رہنمائی کرتے رہیں گے۔قرآن فلسفہ اور سائنس کی کتاب نہیں لیکن اس نے فلسفہ اور سائنس کے بہت سے عقدے کھول دیئے ہیں۔قرآن معاشیات اور عمرانیات کی کتاب نہیں لیکن کلام الٰہی میں اِن دونوں موضوعات پر ایسی جامع ہدایات موجود ہیں کہ دنیا کے علوم وفنون سینکڑوں ٹھوکریں کھانے کے بعد آج ان کے قریب پہنچے ہیں[*13]۔

حقیقت یہ ہے کہ فصاحت قرآن کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔یہ اللہ کا کلام ہے انسان جتنی بھی کوشش کرلے اِس کلام کی حقیقی ماہیت اور برتری بیان کرنے سے قاصر ہی رہتا ہے۔اللہ کے کلام کی تفصیل وتشریح کے لیے ہماری لغات کا دامن تنگ ہے،ہمارے قلم گونگے بہرے اور ناکارہ ہیں۔ہماری عقلیں اُس مقام تک نہیں پہنچ سکتیں جہاں اس کلام کی حقیقی ماہیت کو اجاگر کرسکیں۔اس لیے یہ محض ایک کوشش ہے،ایک تعارف ہے جس کو پیش کرنے کی ہم نے کوشش کی ہے اگرچہ اس کا حق ادا کرنا انتہائی دشوار ہے۔اللہ کا کلام اس قدر مبسوط ہے کہ اُس کی تعریف وتوصیف کے لیے بھی علم کا ایک معیار چاہیے جس سے ہم خود کو عاری پاتے ہیں۔وقت کے ایک معروف مفکر جاوید احمد غامدی کی کتاب میزان سے ایک پیراگراف پر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔جناب جاوید احمد غامدی کلام الٰہی کی برتری کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ[*14]!

”قرآن کا اسلوب ایک منفرد اسلوب ہے۔اس میں نثر کی سادگی اور ربط وتسلسل ہے،لیکن اسے نثر نہیں کہا جاسکتا۔یہ نظم کا غنا،موسیقی اور حسن تناسب اپنے اندر لیے ہوئے ہے،لیکن اسے نظم بھی نہیں کہہ سکتے۔یہ اس طرح کی کوئی کتاب بھی نہیں ہے جس طرح کی کتابوں سے ہم واقف ہیں اور جن میں ابواب وفصول قائم کرکے کسی ایک موضوع یا موضوعات پر بحث کی جاتی ہے۔اہل عرب اسے کبھی شاعری کہتے اور کبھی کاہنوں کے سجع سے مشابہ ٹھیراتے،لیکن اُن کا یہ تردد ہی واضح کردیتا ہے کہ وہ خود

بھی اپنی اس بات سے مطمئن نہیں تھے۔حقیقت یہ ہے کہ اپنے سلوب کے لحاظ سے قرآن ایک بالکل ہی منفرد کتاب ہے۔اس میں دریاؤں کی روانی ہے سمندروں کا زور ہے،حسن استدلال کی ندرتیں ہیں،ربط معنی کی ادائیں ہیں مثالیں ہیں،قصے ہیں،کلام میں اپنے مرکز کی طرف بار بار رجوع ہے،تہدید وزجراور عتاب کے گوناں گوں اسالیب ہیں،افسوس ہے،حسرت ہے،شدتِ یقین ہے،گریز کی مختلف صورتیں اور اعراض کے مختلف انداز ہیں۔اِس میں محبت اور التفات کے موقعوں پر"**ایں چیست کہ چوں شبنم بر سینہ من ریزی**" کی کیفیت ہے اور غضب کے موقعوں پر،دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان کا سماں ہے۔خطاب کے وہ عجائب وتصرفات ہیں کہ آدمی اُن میں بالکل کھو کر رہ جاتا ہے۔اِس کلام کی یہی وہ خصوصیات ہیں جن کے پیش نظر فرمایا گیا کہ!

لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (21)

القرآن الحکیم (سورۃ الحشر 21/59)

ترجمہ؛

"اس قرآن کو اگر ہم کسی پہاڑ پر اتارتے تو (اے پیغمبر) تم دیکھتے کہ وہ اللہ کی خشیت سے دب جاتا،پھٹ جاتا۔اور یہ مثالیں ہم اِن لوگوں کو سناتے ہیں کہ شاید یہ غور کریں"۔

❄❄❄

لسانِ قرآن

اسلوب وفصاحتِ قرآن کے تذکرے کے بعد ہم لسانِ قرآن کی برتری کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔کلام الٰہی کی برتری ہر پہلو اور ہر زاویہ سے مسلّم ہے۔اگرچہ قرآن ہدایت کی کتاب ہےاوراس کےنزول کا بنیادی مقصدانسان کی رہنمائی ہے۔تاہم ظاہر ہے کہ جب تک بات کو ایسے لہجےاورطریق سے بیان نہ کیا جائے جوسامع کے دل میں اتر جائے تب تک بات نہیں بنتی۔ اسی لیے کلام الٰہی کی دیگر خصوصیات کے ساتھ یہ وصف بھی نہایت نمایاں ہے کہ قرآن نے انسان کو راہ ہدایت کی طرف بلانے کے لیے نہایت ہی متاثر کن اور بلند اسلوب اپنایا ہے۔قرآن اُس زبان میں نازل کیا گیا جو قریش مکہ کی زبان تھی جس کوسارا عرب بولتا تھا۔بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال مچلتا رہا ہے کہ قرآن مجید کو نازل کرنے کے لیے آخر عربی زبان کو ہی کیوں چنا گیا۔اللہ تعالیٰ تمام زبانوں کا خالق ہے۔وہ انسان کا بھی خالق ہےاوراُس کی زبان کا بھی وہی خالق ہےاور یہ حق بھی اُسی کا ہے کہ وہ انسان کو کب پکارے اور کس زبان میں پکارے۔وہ اس بات پر قادر ہے کہ کسی

بھی زبان میں اپنا پیغام دنیا تک منتقل کرے۔نزول قرآن کے وقت بڑی بڑی ترقی یافتہ زبانیں موجود تھیں جیسا کہ یونانی ،سریانی اور عبرانی وغیرہ۔اِن سب زبانوں میں مذہبی ادب بھی موجود تھا ۔مگر یہ اللہ کی مرضی تھی کہ اُس نے قرآن کو عربی زبان میں اتارا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْماً لُّدّاً

(97)

القرآن الحکیم (سورۃ مریم 97/19)

ترجمہ؛

''پس ہم نے اس (قرآن) کو تمھاری زبان میں نہایت سہل اور موزوں بنایا ہے کہ تم اس کے ذریعے سے اہل تقویٰ کو بشارت دو اور ہٹ دھرم لوگوں کو اس کے ذریعے سے اچھی طرح خبردار کردو''۔

قرآن مجید نے چونکہ رہتی دنیا تک رہنا تھا اور اس کے ذریعے بے شمار نئے تصورات انسانوں تک منتقل کیے جانے تھے اس لیے ضروری تھا کہ قرآن مجید کو نازل کرنے کے لیے ایک ایسی زبان کا انتخاب کیا جائے جو ایک طرف تو اتنی ترقی یافتہ ہو کہ قرآن جیسے کلام کے اعلیٰ ترین مطالب کا تحمل کر سکے،انھیں اپنے اندر سمو سکے،انھیں آنے والی نسلوں تک منتقل کر سکے تو دوسری طرف ضروری تھا کہ اس زبان میں پہلے سے کوئی غیر اسلامی تصورات نہ پائے جاتے ہوں اور نہ اس زبان پر کسی مذہبی عقیدے کی چھاپ ہو۔دیکھیں ہر زبان کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے ۔کسی زبان کا یہ مزاج اس قوم کے عقائد تصورات اور خیالات کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے۔ فرانسیسی ،انگریزی ،ہندی سنسکرت،فارسی اور اردو زبانوں کا بھی ایک مزاج ہے جس کا عکس

اِن زبانوں کے بولنے والے معاشروں کے ہاں محسوس کیا جاسکتا ہے۔لیکن قرآن کی زبان نے لوگوں پر کیا اور کس طرح اثرات مرتب کیے جسٹس امیر علی کی کتاب سے (The Spirit of Islam)سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

It is not poetry,and it is hard to say whether it be or not, it is more than poetry.It is not history, nor biography.It is not anthology,like the sermonon the mount; nor moetaphysical dialics, Like the Buddhist sutras; nor sublime homileletics like Plto,s conferences of thewise and foolish teachers.It is a prophet,s sry, semitic to the core, yet of a meaning so universal and so timely that all the voices of the age take it up, willing or unwilling, and it echoes over palaces and deserts,over cities and empires,first kindlind its chosen hearts to world conquest,then gathering itself up into a reconstructive force that all the creative light of Greece and asia might penetrate the heavy gloom of Christianity was but the queen of night.

ترجمہ؛

’’قرآن اگر شاعری نہیں ہے،اور یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ شاعری ہے یا نہیں تب بھی وہ شاعری سے زیادہ ہے۔وہ تاریخ نہیں ہے نہ سوانح عمری ہے۔وہ انجیل کے پہاڑی وعظ کی طرح مجموعہ امثال بھی نہیں ہے۔وہ مابعد الطبیاتی مکالمہ نہیں ہے جیسا کہ بدھا کے سوتر میں پایا جاتا ہے۔وہ موعظت بھی نہیں ہے جیسا کہ افلاطون کے ہاں عاقل اور نادان کی مجلسوں میں پایا جاتا ہے۔ وہ ایک پیغمبر کی پکار ہے۔وہ آخری حد تک سامی اور عربی ہے اس کے باوجود اس میں ایسی معنویت ہے جو انتہائی آفاقی ہے اور وہ اتنا مطابق وقت ہے کہ ہر زمانہ کی آوازیں اس کو ماننے پر مجبور ہیں خواہ وہ اس کو چاہیں یا نہ چاہیں۔اس کی آواز کی بازگشت محلوں اور صحراؤں میں،شہروں اور بادشاہتوں میں سنائی دیتی ہے۔پہلے وہ اپنے منتخب دلوں میں عالمی فتح کی آگ سلگاتا ہے۔اس کے بعد وہ ایک ایسی تعمیری طاقت بن جاتا ہے جیسے کہ یونان وایشیا کی تمام تخلیقی روشنی مسیحی یورپ کی گہری تاریکیوں میں داخل ہو جائے،اس وقت جبکہ مسیحیت صرف رات کی ملکہ کی حیثیت رکھتی تھی[*15]‘‘۔

یہ جسٹس امیر علی کا بیان ہے جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قرآن کی زبان کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کس قدر دشوار ہے کہ اُس کو شاعری قرار دیا جائے یا نثر کہا جائے۔اگر چہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قرآن کا انداز واسلوب خطابت کے قریب ہے۔تاہم یہ بھی محض ایک خیال ہی ہے جو دوسرے خیالات سے قدرے مستحکم ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ اے پیغمبر ہم نے آپ پر یہ کلام عربی مبین میں نازل کیا ہے۔

نَـزَلَ بِـهِ الرُّوحُ الْأَمِيْنُ (193) عَـلٰـى قَـلْـبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُـنْـذِرِيْنَ (194) بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (195)

القرآن الحکیم (سورۃ شعرا 193.195/26)

ترجمہ؛

''تمھارے دل پر (اے پیغمبر) اسے روح الامین لے کر اترے ہیں تا کہ تم (لوگوں کے لیے) نذیر بنو، صاف اور واضح عربی زبان میں''۔

آگے مزید ارشاد فرمایا کہ!

قُرآناً عَرَبِيّاً غَيْرَ ذِىْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (28)

القرآن الحکیم (سورۃ الزمر 28/39)

ترجمہ؛

''ایک عربی قرآن کی صورت میں جس میں کوئی اونچ نیچ نہیں تا کہ وہ (عذاب سے) بچ سکیں''۔

چنانچہ قرآن کی زبان کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ زبان قیامت تک قائم رہنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے لیے عربی زبان کا انتخاب کیا جو ایک ترقی یافتہ زبان تھی اس پر کسی مذہبی عقیدے کی چھاپ نہ تھی۔ اس زبان کے بولنے والے اگر چہ خود کو دین ابراہیم پر بیان کرتے تھے مگر اُن کی اصل یہ تھی کہ وہ بس چند توہمات اور رسم ورواج کی پیروی تک ہی محدود ہو کر رہ گئے تھے اور اُن کی دلچسپی کے میدان فصاحت و بلاغت تھے۔ انھوں نے اپنی

زبان کواس قدر مصفیٰ اور مسجعیٰ بنالیا تھا کہ اُن کی زبان اُس عصر کی زبانوں سے بہت آگے نکل گئی تھی ۔جب قرآن کا نزول شروع ہوا تو زبان ہی اُن کا فخر تھی اور قرآن کی زبان نے اہل عرب کو انھی کے میدان میں مات دی تھی جس کا سب سے خوبصورت اعتراف ابن لبید کا ہے جو اہل عرب کے اُس قبیلہ کے سرخیل تھے جنھوں نے عربی زبان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا ۔سبعہ معلقہ میں سے صرف وہی تھے جو زندہ تھے اور جن کے اس شعر پر وقت کے سب سے بڑے شاعر فرزدق نے سجدہ کیا تھا۔

وجلا السيول عن الطول كأنها

زبر تجد متونها اقلامها[*16]

حضرت لبید ابن عامری رضی اللہ عنہ نے دس ہجری کو اسلام قبول کیا تھا۔رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا لبید اب آپ شعر نہیں کہتے تو حضرت ابن لبید رضی اللہ عنہ یہ تاریخی جواب دیا کہ!

ما كنت لا قول شعراً بعد ان علمنى الله البقرة و آل عمران ۔

سورۃ بقرہ اور آل عمران نازل ہونے کے بعد اب شعر کہنے کی گنجائش ہی کہاں بچی ہے"۔

یاد رہے کہ یہ محض ایک شخص کا اعتراف نہ تھا بلکہ دراصل یہ اس حقیقت کی نشاندہی تھی کہ عرب کی ساری فصاحت و بلاغت کلام الٰہی کے سامنے سرافگندہ ہوگئی ہے۔یہ تو خیر دوستوں کا خیال تھا دشمنوں نے بھی اس کلام کی برتری کو برسرِعام تسلیم کیا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں میں ولید بن مغیرہ سے بڑھ کر اور کون ہوگا مگر جب اُس نے کلام الٰہی سنا تو اہل قریش سے کہا محمد (ﷺ) سے رُک جاؤ اور میری بات سنو!

”واللّٰــہ، مــامــنــکــم رجل اعرف بالاشعار منی، ولا اعلم برجزہ ولا بـقـیـصیـدہ منی، ولا باشعار الجن ، واللّٰہ ، مایشبہ الذی یقول شیئاً مـن هـذا ۔ واللّٰہ ، ان یقولہ الذی یقولہ حلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ ، وانـہ لـمثمر اعلاہ ،مغدق اسفلہ ، وانہ لیعلو ولا یعلیٰ ، و انہ لیحطم ماتحتہ ۔

بـخـدا ؛ تـم میـں سے کوئی شخص مجھ سے بڑھ کر نہ شعر سے واقف ہے نہ زجر اور قصیدہ سے اور نہ جنوں کے الہام سے۔ خدا کی قسم، یہ جو کلام ہے اس شخص کی زبان پر جاری ہے اِن میں سے کسی چیز کے مشابہ نہیں ہے۔بخدا ، اس کلام میں بـڑی حـلاوت اور اس پر بڑی رونق ہے ،اس کی شاخیں ثـمر بار ہیں ، اس کی جڑیں شاداب ہیں، یہ لازماً غالب ہو گـا ،اس پـر کوئی چیز غلبہ نہ پا سکے گی اور یہ اپنے نیچے ہر چیز کو توڑ ڈالے گا ۔[*17]

اوررسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ تو اہل عرب کو بتا ہی چکا تھا کہ کلام الٰہی سب کلاموں پر غالب ہے اس لیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور کوئی کلام اس سے ہمسری کا دعویٰ تک نہیں کرسکتا۔اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو انھی کے میدان میں چیلنج کر دیا جس کے مقابلے میں اہل عرب کے ہاں صرف خاموشی تھی اور اُس کلام کی ہیبت تھی جو اِن کو سرعام للکار رہا تھا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ
وَادْعُواْ شُهَدَاءكُم مِّن دُونِ اللّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (23)

القرآن الحکیم (سورۃ مریم 23/2)

ترجمہ؛

''اور اگر تم اُس چیز کی طرف سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو اُس کے مانند ایک سورہ ہی بنا لاؤ اور اس کے لیے اللہ کے سوا اپنے سب ہم نواؤں کو بلا لو اگر تم سچے ہو''۔

آگے مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ
يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً (88)

القرآن الحکیم (سورۃ بنی اسرائیل 88/17)

ترجمہ؛

''کہہ دو کہ اگر جن وانس سب مل جائیں اور اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اِس جیسا کوئی قرآن لے آئیں تو نہ لا سکیں گے، اگرچہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں''۔

اس سے ظاہر ہوا کہ قرآن اگرچہ عربوں کی زبان میں اتارا گیا جو اہل مکہ کی زبان تھی مگر کلام الٰہی کی برتری کو اُن پر واضح کر دیا گیا اور انھیں بتایا گیا کہ وہ اس کلام میں ذرا بھی شک نہ کریں جو

اللہ کی طرف سے آنحضرت محمد ﷺ پر اتارا جا رہا ہے۔تاریخی تناظر میں اگر عربی زبان کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ یہ زبان ایک زندہ زبان کے طور پر سولہ سترہ سو سال سے خطہ ارض پر موجود ہے۔لسانیات کی تاریخ میں یہ ایک منفرد واقعہ ہے جس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ صرف چالیس سال پہلے ہمارے ہاں BA کے نصاب میں ایک شاعر چوسر کی نظمیں شامل تھیں ۔چوسر کی نظمیں بھی عجیب تھیں جن کا نہ سر ہوتا نہ پیر، نہ وہ گرائمر کے کسی اصول کی پیروی کرتا نہ ہی اس کے الفاظ کے ہجے درست ہوتے اس کے باوجود انگریز اسے شاعر کہتے اور اس کی شاعری کو نصاب کی کتابوں میں شامل کیا جاتا۔آج اگر چوسر زمین پر دوبارہ آجائے تو اسے کوئی شخص نہ ملے گا جو اس کی انگریزی سمجھتا ہو۔دنیا کی اس معروف اور ترقی یافتہ زبان میں ارتقاء کا یہ حال ہے تو دوسری زبانوں کا کیا کہنا۔مگر یہ اعجازِ قرآن ہے کہ عربی زبان آج بھی وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی پیدائش مبارک سے دو سو یا تین سو سال پہلے خطہ عرب میں بولی جاتی تھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ چوسر اگر لندن میں نمودار ہو جائے تو کوئی اس کی زبان کو نہ سمجھ سکے گا مگر اسی مثال کو اگر عربی زبان کے حوالے سے بیان کیا جائے تو معاملہ الٹ جائے گا۔اس لیے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے آباء میں شامل مشہور قریشی سردار قصیٰ بھی دنیا میں تشریف لے آئیں تو انھیں دنیا کے ہر کونے میں ایسے لوگ مل جائیں گے جو اُن کی زبان جانتے ہوں گے، اُن کی زبان بولتے ہوں گے۔حتیٰ کہ یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں کہ انھیں واشنگٹن اور ماسکو میں بھی ایسے لوگ مل جائیں گے جو اُن کی زبان سے آشنا ہوں۔یہی اعجاز قرآن ہے کہ اُس نے عربی زبان کو ہمیشگی عطا کر دی، اس لیے کہ جب تک روئے زمین پر قرآن موجود ہے، قرآن کے پڑھنے والے موجود ہیں، قرآن کی زبان بھی زندہ رہے گی۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ خطہ ارض پر بولی سمجھی اور لکھی جانے والی بڑی زبانوں کی عمر بھی دو تین سو سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔زبانوں میں ارتقاء و تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے اور ایک وقت آتا ہے جب زبان مکمل طور پر کسی اور زبان کا روپ دھار لیتی ہے۔دیکھیں کہ رومن ایمپائر

کے زمانہ میں پوری ریاست کی عام زبان لاطینی تھی اگرچہ مختلف علاقوں کے رہنے والے لوگوں کے لہجے میں فرق تھا۔جیسا کہ عربی زبان کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اہل عرب کے ہاں بھی مختلف علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی زبان تو اگرچہ ایک ہی تھی تاہم اُس میں لہجے کا فرق ضرور پایا جاتا تھا۔لاطینی زبان میں چونکہ لہجے کے اس اختلاف کو ایک وحدت میں باندھے رکھنے کے لیے کوئی طاقتور ادبی معیار موجود نہ تھا اس لیے لہجے کا یہ فرق بڑھتا رہا یہاں تک کہ لہجوں کا یہ فرق بالآخر زبانوں کا فرق بن گیا اور لاطینی زبان کے بطن سے وہ مختلف زبانیں وجود میں آئیں جنھیں اب رومی زبانیں کہا جاتا ہے۔ چنانچہ لہجے کے اس فرق نے لاطینی زبان کو ختم کر دیا اور وہ فرانسیسی،اطالوی،اسپینی اور پرتگالی زبانوں میں منقسم ہوگئی۔

اس کے ساتھ ساتھ اسی لاطینی زبان کے بطن سے اُن علاقائی زبانوں کا بھی جنم ہوا جو آج یورپ کے مختلف دیہی علاقوں میں بولی جاتی ہیں اِن میں Sardinian, Occitan,Catalan,Rhaetian,Creoles شامل ہیں۔یوں چند ہی صدیوں میں ایک زبان سے ایک درجن زبانیں بن گئیں اور اِن زبانوں کی قدیم اور حقیقی اصل زمانے کی راکھ میں کہیں کھوگئی۔اب پھر عربی زبان کو دیکھتے ہیں کہ لہجے کے فرق کے باوجود خطہ عرب کے تمام علاقوں کی تحریری زبان ایک ہی رہی۔عربی زبان مستحکم رہی اور اس زبان سے کئی زبانیں وجود میں نہ آسکیں۔کہا جاسکتا ہے کہ عربی زبان کی وحدت براہ راست قرآن کا کرشمہ ہے۔یہ تمام تر قرآن کا تاثیری کارنامہ ہے کہ اس نے لہجے کے فرق کے باوجود عربی زبان کو تحریری طور پر بکھرنے نہ دیا۔بولنے کے وقت تو ایک عرب اپنے مقامی لہجے کو اختیار کرسکتا ہے تاہم جب وہ عربی لکھے گا تو اسی رسم الخط اور اسی زبان ومحاورہ کے مطابق ہی لکھے گا جو قرآن کی زبان ہے۔اس طرح قرآن کا طاقتور ادبی معیار اِن کے لہجاتی فرق پر اس طرح چھایا رہا کہ اس نے اِن کو الگ الگ ہوکر بکھرنے سے محفوظ کر دیا۔مشہور مغربی محقق Philip k Hitti قرآن کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ!

’’قرآن کی ادبی تاثیر کا اندازہ اس وقت ہو جاتا ہے جب یہ دیکھا جائے کہ یہ صرف قرآن ہی تھا جس کی وجہ سے ایسا ہوا کہ عربوں کی مختلف بولیاں الگ الگ زبان کی صورت اختیار نہ کر سکیں، جیسا کہ رومی زبانوں کے ساتھ پیش آیا۔آج ایک عراقی اگرچہ ایک مراکشی سے گفتگو کرتے ہوئے دشواری محسوس کرے گا مگر وہ اسی عراقی کی تحریر کو پڑھنے میں کوئی دشواری محسوس نہ کرے گا۔ کیونکہ عراق اور مراکش اور اسی طرح شام، مصر، سعودی عرب، کویت ہر جگہ کلاسیکی زبان کی حیثیت سے وہی عربی زبان رائج ہے جس کا نمونہ قرآن نے پیش کیا ہے۔آنخضرت محمد (ﷺ) کے وقت عربی نثر کی کوئی باقاعدہ کتاب موجود نہ تھی اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن ہی سب سے قدیم نثری کتاب ہے اور یہی کتاب اول روز سے عربی نثر کا سب سے اعلیٰ نمونہ بنی۔قرآن کی زبان میں نغمہ ہے اگرچہ وہ شعر نہیں۔اس پُر نغمہ نثر نے ایک ایسا معیار قائم کر دیا ہے کہ تقریباً ہر قدامت پسند عرب ادیب آج تک اہتمام کے ساتھ اسی نثری نمونہ کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔قرآن نے عربی زبان پر دو ایسے اثرات ڈالے ہیں جن کی مثال دنیا کی کسی بھی دوسری زبان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ایک یہ کہ قرآن نے عربی کو نظم سے نثر کی طرف موڑ دیا کہ قرآن سے پہلے عربی دورِ شعر میں تھی اور قرآن کے بعد وہ دورِ نثر میں داخل ہوگئی۔دوسرا بے مثال اثر یہ ہے کہ قرآن نے عربی زبان کو ایک ایسا اعلیٰ اور آخری نمونہ بنا دیا جو گویا عربی کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔قرآن کی یہی خصوصی عطا ہے جس کی وجہ سے عربی زبان آج بھی سینکڑوں سال گزرنے کے بعد آج بھی اپنی سابقہ صورت میں زندہ ہے۔اس کے بغیر عربی کا وہی انجام ہوتا جو دوسری تمام زبانوں کے ساتھ بلا استثناء پیش آیا ہے۔قرآن نے جب یہ اعلان کیا کہ وہ ابدی ہدایت نامہ ہے تو اس میں یہ چیز بھی شامل تھی کہ اس زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے ہمیشہ باقی رہنا ہے اور تاریخ نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کا اعلان

اپنے تمام تقاضوں کو پورا کر رہا ہے‘‘۔[*18]

کسی بھی زبان کی تحریر میں خط کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔یہاں ہم خط قرآنی کی تاریخ کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔شہر مکہ میں قبیلہ قریش کے صرف سترہ لوگ تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔لیکن مکہ مکرمہ میں کوئی معیاری رسم الخط رائج نہ تھا ظاہر ہے کہ جب تحریر کا ہی رواج نہ ہو تو رسم الخط کا کیا سوال کوئی معیاری رسم الخط مروّج نہ ہونے کی وجہ سے کسی خاص رسم الخط کی پیروی کا ذکر بھی نہیں ملتا جس کی لوگ عام طور پر پیروی کرتے ہوں۔ جیسا کہ آج اردو زبان کا ایک معیاری رسم الخط ہے جس میں اس زبان کا ادب تحریر کیا جاتا ہے اور یہی اصول تمام زبانوں پر منطبق ہوتا ہے۔دنیا کی ہر زبان کا ایک رسم الخط ہوتا ہے اسی کے ذریعہ اس زبان کو تحریر کیا جاتا ہے۔ہر زبان کے رسم الخط کی پیروی مروّج ہوتی ہے اور اُس کے اصول مسلّمہ ہوتے ہیں جس کی لوگ پیروی کرتے ہیں۔ایک ایک لفظ کے ہجے متعین ہوتے ہیں اور انھی کے مطابق اس لفظ کو لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔نزول قرآن کے وقت اگرچہ اہل عرب اپنی ادبی ترقی کی ایک انتہا پر تھے اور اُن کے شعرا قادر الکلام اور اُن کے خطبا شعلہ بیان تھے اس کے باوجود ابھی تک اُن کے ہاں اُن کی زبان کے تحریری اصول وقواعد وضع نہ کئے گئے تھے۔اسے بھی کرشمہ قرآن ہی سمجھا جائے گا کہ اُن کے ہاں تحریر کے قواعد وضوابط وضع ہوئے اور وہ تحریر میں مشاق ہوتے چلے گئے۔تاہم یہ خیال بھی عبث ہے کہ عرب سرے سے لکھنا پڑھنا جانتے ہی نہ تھے اگرچہ اُن میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد قدرے کم تھی اس کے باجود وہ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے اور مختلف علاقوں میں کئی رسم الخط مروّج تھے جن کی پیروی کا پتا چلتا ہے۔مکہ مکرمہ میں لوگ نبطی رسم الخط کو اپنائے ہوئے تھے۔نبطی شمالی عرب کی ایک قوم تھی جس

نے تحریر میں مہارت حاصل کی اور ایک خط ایجاد کیا تھا جس میں عربی کی ابتدائی تحریریں لکھی جاتی تھیں۔ہم اسے موجود عربی رسم الخط کا پیش رو بھی کہہ سکتے ہیں۔عرب تاجروں کے قافلے دور دور تک جاتے تھے اور عرب تاجر اس ضمن میں بہت سی قوموں سے رابطے میں رہتے تھے اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے لوگ بین الاقوامی حیثیت کے حامل تھے۔اسی لیے جب وہ کسی علاقے میں جاتے تو اُن کے رسم ورواج اور زبان کا مشاہدہ کرتے۔انھی عرب تاجروں نے اپنی تجارتی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اول اول تحریر کا فن سیکھا۔

چنانچہ مکہ مکرمہ میں جن لوگوں کے بارے میں علم ہوا ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اُن میں سے اکثر وبیشتر تاجر ہی شامل ہیں اگرچہ کئی دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی علم ہوا ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے مگر یہ اُن کی ذاتی ترجیحات کی بنا پر تھا جیسا کہ حضرت ورقا بن نوفل کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ وہ توحید کے متلاشی تھے اور اس سلسلے میں انھوں نے دور دراز کے کئی سفر بھی کئے اور ادیان عالم کا علم حاصل کرنے کے لیے لکھنا پڑھنا بھی سیکھا۔رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے چنا اور آپ ﷺ پر قرآن اترنا شروع ہوا تو شروع ہی سے آنحضرت محمد ﷺ نے اس امر کا اہتمام کیا کہ قرآن کو تحریری شکل میں محفوظ کیا جائے۔ چنانچہ یہ بات بغیر کسی شک وشبہ کے بیان کی جاسکتی ہے کہ جب مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو جو قرآن مکہ میں نازل ہو چکا تھا مسلمانوں کے پاس وہ سارا کلام تحریری شکل میں محفوظ تھا جسے ہجرت کرتے وقت مسلمان اپنے ساتھ لے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اُن کے پاس قرآن کے مختلف اجزا مختلف چیزوں پر لکھے ہوئے تھے اور یہ سارا قرآن ایک بوری میں بند تھا جب اُنھوں نے ہجرت کی تو اپنی ضرورت کا ذاتی سامان مکہ میں ہی چھوڑ دیا اور اس بات کو ترجیح دی کہ اپنے لکھے ہوئے قرآن کو محفوظ کرسکیں۔یوں انھوں نے اپنا بستر اور ضرورت کی باقی تمام چیزیں چھوڑ دیں اور صرف قرآن کی آیات پر مشتمل وہ بوری اٹھائی اور اپنا رُخ مدینہ کی طرف کر

لیا۔اللہ تعالیٰ اِن صحابہ کوقرآن سے محبت کی جزادے کہ یہ انھی کی محبت تھی کہ آج ہمارے ہر گھر میں بلکہ ہر آدمی کے پاس قرآن حکیم کا نسخہ موجود ہے۔جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اس وقت تک مدینہ (یثرب) کو ایک مشہور اور باقاعدہ بستی کی حیثیت حاصل ہوچکی تھی۔وہاں کے باشندوں کی تعداد مکہ مکرمہ کے لوگوں سے زیادہ تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں یہودیوں کا خاصا بڑا طبقہ آباد تھا۔یہودی اگرچہ عربوں کے بعد مدینہ کی دوسری اکثریت تھے تاہم وہاں اِکا دُکا نصاریٰ کی موجودگی کے شواہد بھی ملتے ہیں۔اہل کتاب ہونے کی وجہ سے یہودیوں میں پڑھنے پڑھانے کا رواج عربوں سے زیادہ تھا بلکہ شہر مدینہ کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے باقاعدہ مکتب تھے جہاں اُن کے بچے لکھنے پڑھنے کی تربیت حاصل کرتے تھے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہودیوں کے اِن مدارس میں عربوں کے بچے بھی پڑھنے کے لیے جایا کرتے تھے۔جس سے یہ فرق واضح ہوا کہ اہل مکہ کی نسبت اہل مدینہ کے کافی زیادہ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت سے علم ہوتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر یہودیوں کی کتابی زبان عبرانی سمیت کئی زبانیں سیکھ لی تھیں جن کی مدد سے وہ خطہ عرب کے مختلف علاقوں میں حکومت والے عرب اور غیر عرب قبیلوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مکتوب لکھا کرتے۔

مکہ مکرمہ کے بارے میں بیان کردیا گیا ہے کہ وہاں نبطی رسم الخط رائج تھا اور جو لوگ تحریر کا فن جانتے تھے وہ اسی رسم الخط کو اختیار کیے ہوئے تھے۔جب کہ مدینہ منورہ میں حمیری رسم الخط مروّج تھا اور تحریر میں اسی خط کی پیروی کی جاتی۔مدینہ منورہ میں مستعمل حمیری رسم الخط نبطی رسم الخط کی نسبت بہتر اور زیادہ ترقی یافتہ تھا۔چنانچہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کو تحریر کے ضمن میں جن صحابہ کی معاونت حاصل رہی وہ زیادہ تر حمیری رسم الخط سے ہی مانوس تھے اور اسی میں لکھتے تھے۔اِن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ، حضرت عبادہ بن صامت

رضی اللہ عنہ، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد قرآن مجید کو اب خط حمیری میں تحریر کیا جانے لگا۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور جیسا کہ انسانی کاوش وقت اور مسلسل مشق کے ساتھ بہتر ہوجاتی ہے اسی طرح خط حمیری میں بھی بہتری پیدا ہوتی چلی گئی نکھار آتا چلا گیا حتیٰ کہ جب مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عراق میں کوفہ اور بصری جیسے نئے شہر بسائے تو عربی رسم الخط بھی تیزی کی ترقی کی جانب مائل ہوا اور اب ایک نیا رسم الخط وجود میں آیا جسے کوفی رسم الخط کہا گیا۔ یاد رہے کہ کوفہ اور بصرہ نے بہت جلد مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کے بڑے مراکز کی حیثیت حاصل کرلی تھی۔ جزیرہ عرب کی شمالی سرحدوں پر جب یہ دو بڑے تہذیبی مراکز مستحکم ہوئے تو مسلمانوں نے قرآن کے بے شمار نسخے خط کوفی میں لکھے۔ خط کوفی دوسری صدی ہجری میں وضع کیا گیا۔

آج قرآن حکیم کے بے شمار نسخے خط کوفی میں موجود ہیں۔ پھر کئی صدیوں تک قرآن حکیم کے نسخے خط کوفی میں ہی لکھے جاتے رہے حتیٰ کہ تین صدیاں بیت گئیں۔ تہذیب وتمدن میں ترقی ہوئی تو پھر خط کوفی میں بہتری کا خیال لوگوں کے دل میں پیدا ہوا جس کے نتیجے میں خط کوفی کی جو ترقی یافتہ صورت سامنے آئی اُسے خط نسخ کہا گیا۔ یہ عہد عباسی کی عطا ہے۔ یہ تو خیر ایک طویل تذکرہ ہے کہ عہدِ عباسی نے مسلمانوں کو تہذیب وتمدن اور علم وادب کے میدان میں کیا کیا عطا۔ تاہم خط نسخ کی صورت میں انھوں نے امت کو جو تحفہ دیا اُس کا کوئی جواب نہیں۔

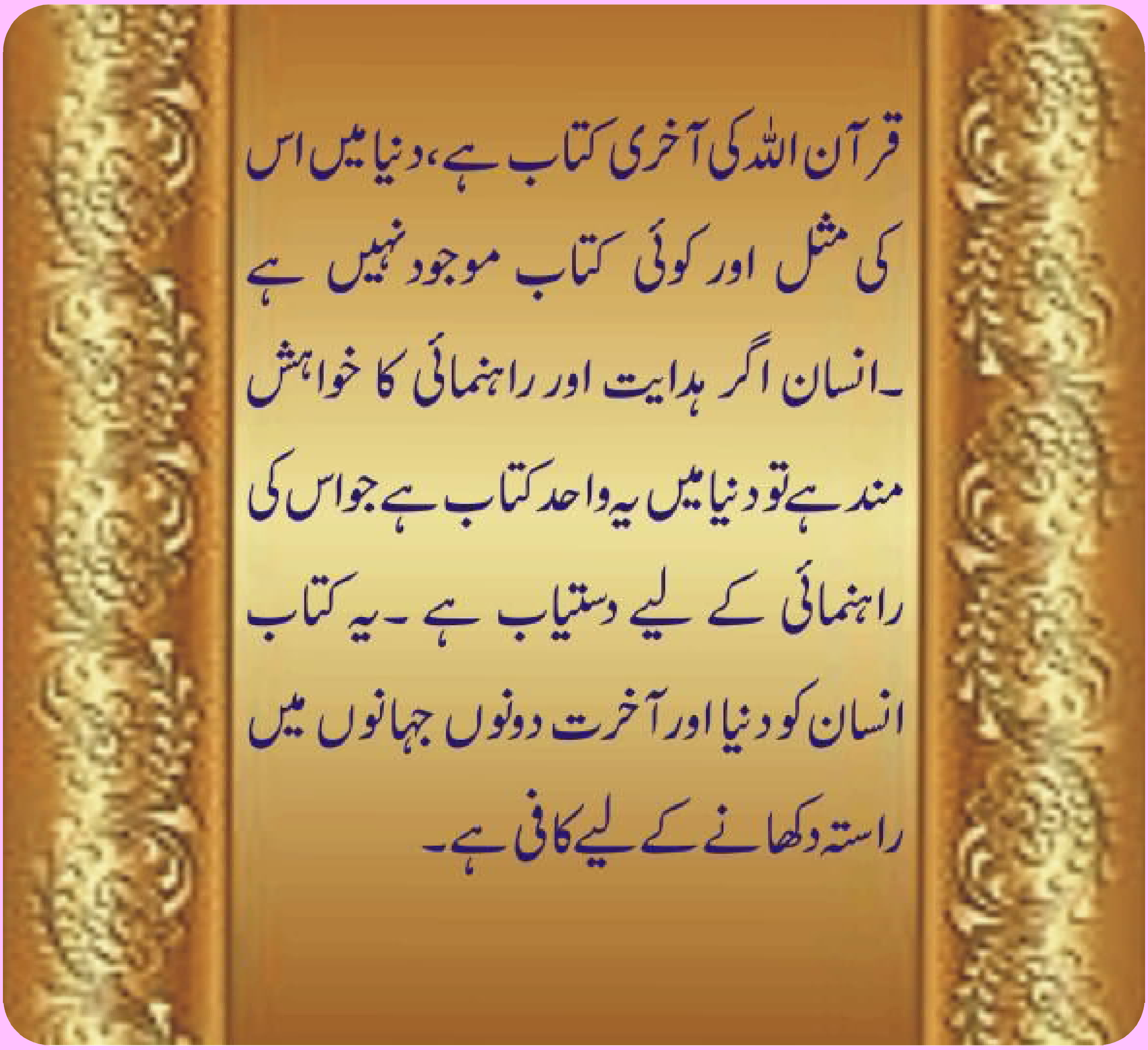
اس لیے کہ عہد عباسی سے لے کر آج تک قرآن حکیم کو اکثر وبیشتر خط نسخ میں ہی لکھا جاتا رہا ہے اور قرآن حکیم کے اربوں نسخے اسی رسم الخط میں لکھے ہوئے دنیا میں موجود ہیں۔ گذشتہ ایک ہزار سال سے خط نسخ ہی مروّج چلا آیا ہے۔ قرآن کے علاوہ اس ہزار سال میں مدون ہونے والا عربی ادب بھی تمام تر اسی رسم الخط میں تحریر کیا گیا جس کی وجہ سے آج خط نسخ ہی عربی زبان کا روایتی رسم الخط قرار دیا جاتا ہے۔ اِن خطوط میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ یہ سب عربی

زبان ہی کے خطوط تھے اور اِن سب میں عربی زبان ہی لکھی جاتی تھی۔ اِن مختلف رسم الخط میں معمولی فرق ہی پایا جاتا ہے جیسا کہ عمومی طور پر ہم انگریزی زبان میں دیکھتے ہیں کہ وہاں مطبوعہ خطوط کا رسم الخط اور ہوتا ہے اور تحریری رسم الخط قدرے مختلف ہوتا ہے۔ گوتھک خط میں بیل بوٹے بنے ہوتے ہیں جو عام خطوط میں نہیں ہوتے۔ اسی طرح ایک ہی وقت میں مختلف زبانوں میں کئی خطوط مروّج ہوتے ہیں۔

چنانچہ خاص قرآنی اسلوبِ تحریر پر نگاہ ڈالی جائے تو سب سے پہلے اس مقدس کلام کو نبطی رسم الخط میں لکھا گیا۔ ازاں بعد حمیری خط استعمال کیا جانے لگا، پھر خط کوفی کا عہد آتا ہے جو تین صدیوں پر محیط ہے۔ عباسی عہد میں خط نسخ وضع ہوا جسے انتہائی مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ قریش کی عربی مبین کے مختلف رسم الخط کا تذکرہ ہے۔ گزرتے وقت کے ساتھ مسلمانوں نے قرآن کی خطاطی کو اپنے فنون میں شامل کرلیا اور ہزار سال تک لوگوں نے اتنے شہ پارے وضع کیے جن کی مثال نہیں ملتی۔ دراصل یہ محبت اور عقیدت کی دنیا تھی جس میں جب مشقت اور لگن شامل ہوئی تو قرآنی کیلوگرافی وجود میں آئی۔ کھوج اور جستجو کے اس سفر میں مسلمانوں نے قرآن کو تحریر کرنے کے لیے 104 رسم الخط وضع کیے۔ فیصل مسجد اسلام آباد میں قرآن حکیم کا ایک ایسا نسخہ موجود ہے جسے لکھنے کے لیے چار سو الگ الگ رسم الخط اختیار کیے گئے ہیں۔ پھر وقت بدل گیا اور کمپیوٹر کمپوزنگ کا آغاز ہوا۔ تحریر اور رسم الخط میں یہ ایک نئے عہد کا آغاز تھا جو بیسویں صدی کے ربع آخر میں ظاہر ہوا۔ اس چھوٹی سی مشین کی وجہ سے اب ایک ہی آدمی بہت سے خطوط میں ماہر تصور کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ہم دیکھتے کہ اردو اور عربی زبان کے سینکڑوں خطوط ایک ہی پروگرام میں فراہم کردیئے جاتے ہیں اس پروگرام کے تحت ایک تحریر کو کسی اور رسم الخط میں بدلنے کے لیے محض چند لمحے درکار ہوتے ہیں۔ آج اگرچہ دنیا بھر میں تحریر کا اکثر و بیشتر کام ہاتھ کی بجائے کمپیوٹر کو منتقل ہو چکا ہے مگر قرآن حکیم کو تحریر کرنے والوں نے اپنے فن کو اس مشین کا محتاج نہیں بنایا بلکہ آج بھی ہمارے مصور اور فنکار قرآن حکیم کو بصری شہ پاروں میں

بدلنے کی نئی نئی راہیں دریافت کر رہے ہیں اور محبت ولگن کا یہ سلسلہ اُس روز تک جاری رہنے والا ہے جب زمین کو لپیٹ لیا جائے گا اور سورج بجھا دیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت سے نوازے اور قرآن حکیم کو ہمارے لیے آسان بنا دے تا کہ اس کے اُجالے ہماری تاریک زندگیوں کومنور کردیں۔آمین

❄❄❄


قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے، دنیا میں اس
کی مثل اور کوئی کتاب موجود نہیں ہے
۔انسان اگر ہدایت اور راہنمائی کا خواہش
مند ہے تو دنیا میں یہ واحد کتاب ہے جو اس کی
راہنمائی کے لیے دستیاب ہے ۔یہ کتاب
انسان کو دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں
راستہ دکھانے کے لیے کافی ہے۔



قرآن اللہ کی کتاب ہے، اُس کی شان نرالی ہے۔ یہ کتابِ ہدایت ہے، وہ روشن چراغ ہے جس کی روشنی قیامت تک لوگوں کے دل منور کرتی رہے گی۔ یہ نور کی وہ برسات ہے جس سے دل نرم ہوتے رہیں گے، یہ راستی کا وہ نشان ہے جس سے قیامت تک لوگ راہ منزل پاتے رہیں گے۔ یہ کلام الٰہی ہے جس میں کوئی شک نہیں مگر اسی خطہ ارض پر بعض ایسے بد بخت بھی ہیں جنھوں نے اس کتاب میں شک کیا اور اس کتاب کی شان گھٹانے کی کوشش کی۔ اِن میں سرفہرست یہودی ہیں، پھر نصاریٰ ہیں، پھر ہندوں ہیں، پھر ملحد ہیں۔ الغرض انسانوں کی ایک تعداد ہمیشہ سے موجود رہی ہے جنھوں نے یا تو اللہ کا انکار کیا یا اُس کے نبیوں کا انکار کیا یا اُس کی کتابوں کا انکار کیا۔ اول اول جب قرآن اترنا شروع ہوا تو سب سے پہلے قوم قریش نے قرآن کا انکار کیا جو رسول اللہ ﷺ کی اپنی قوم تھی اور اسی قوم کو سب سے پہلے قرآن نے مخاطب کیا تھا تاہم قوم قریش کا انکار وقتی اور عارضی تھا۔ اُن کا انکار دو وجہ سے تھا ایک تو یہ کہ وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت سے خائف ہو گئے تھے اس لیے کہ قرآن نے

اُن سے زبان دانی کا فخر چھین لیا تھا۔دوسرا کلام الٰہی کی ماہیت کو دیکھتے ہوئے وہ جان گئے تھے کہ یہ کلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے۔چنانچہ انھوں نے جانا کہ اگر وہ اس کلام کو قبول کرتے ہیں تو قیادت اور سیادت کا جو مقام اہل عرب نے انھیں عطا کر رکھا تھا وہ یقیناً اُن سے چھن جائے گا۔اس لیے یہ بات کسی شک وشبہ سے عاری ہے کہ قریش کا انکار دراصل ایک سیاسی انکار تھا اگرچہ لوگ اسے عقائدی انکار بھی کہتے ہیں۔

مگر ہمارا خیال ہے کہ جن عقائد کے وہ پیرو تھے اُن عقائد سے زیادہ انھیں اپنی سیادت کی فکر تھی جو انھوں نے کئی صدیوں کی جدوجہد سے حاصل کی تھی۔ظاہر ہے جب دن کے اجالے میں قریش کلام الٰہی کا انکار کرتے اور رات کے اندھیرے میں اسے چھپ چھپ کر سنتے تو اس کا جواز یہی بیان کیا جا سکتا ہے کہ وہ کلام الٰہی کی برتری پر دل سے ایمان لا چکے تھے مگر ظاہراً اس پر ایمان لانے سے اُن کے تمام تر دنیاوی مفاد متاثر ہوتے تھے اس لیے انھوں نے اپنی قوم کو رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور پیغام رسالت یعنی قرآن کی مخالفت پر مجتمع کیا اور اس کے انکار پر مستحکم ہو گئے۔

اُن کا خیال تھا کہ وہ اس معاملے کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔خاص طور پر اُن کو اپنی عسکری صلاحیتوں پر ناز تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر زبانی کلامی رسول اللہ ﷺ اس معاملے سے باز نہ آئے تو وہ طاقت کا استعمال کریں گے اور معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیں گے۔تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کرنا تھا،اپنے کلام کو لوگوں تک منتقل کرنا تھا اس لیے اسباب کا ایک تسلسل رسول اللہ ﷺ کی پشت پر رہا اور قریش رسول اللہ ﷺ کو گزند نہ پہنچا سکے۔البتہ اسلام اُن کے گھروں میں داخل ہو گیا اور وہ کلام جس سے وہ نفرت کرتے تھے انھیں اپنے ہی گھروں میں اس کی صدا سنائی دینے لگی۔چنانچہ انھوں نے انتہائی اقدام کا فیصلہ کیا تو دیکھا کہ اہل مدینہ رسول اللہ ﷺ کی پشت پر آ کھڑے ہوئے ہیں۔انھوں نے طاقت کا استعمال کیا جس کے نتیجے میں بدر واُحد واحزاب کے معرکے بپا ہوئے۔اِن معرکوں میں کلام الٰہی کے بڑے بڑے دشمن مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو گئے اور باقی رہ جانے والوں نے شہر مکہ مسلمانوں کے قبضہ میں آنے کے فوراً بعد قرآن کی حقانیت کو

تسلیم کرلیا۔ یوں قریش کی مخالفت تو ختم ہوگئی اور وہ پاسبان قرآن بن گئے البتہ مدینہ کے یہودیوں نے قرآن حکیم کے خلاف عناد کی جو آگ بھڑکائی اُس کے شعلے صدیوں بلند رہے۔ آج پندرہ سو سال گزر گئے ہیں مگر اہل یہود کے عناد میں کوئی فرق نہیں آیا وہ آج بھی اسلام دشمنی میں سب سے آگے ہیں اور انھی یہودیوں نے کلام الٰہی کی سب سے زیادہ مخالفت کی اور اس کے خلاف بہت سے محاذ کھولے۔ اللہ کا کلام سچا ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں سوائے اُن لوگوں کے جن کے دلوں میں کجی ہے۔ تو اِن صفحات میں کچھ انھی لوگوں کا تذکرہ مقصود ہے جن کے دلوں میں کجی ہے اور اللہ نے جن کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور وہ اپنی پھونکوں سے سورج کی طرح روشن کلام الٰہی کو بجھانے کی کوششوں میں مصروف ہیں بھلا کوئی اُن کو بتائے کہ انسان کی پھونکوں سے بھی کبھی سورج بجھے ہیں؟؟؟

اسلام جب مستحکم ہوگیا اور دنیا کے کونے کونے تک قرآن کا پیغام پہنچا دیا گیا تو لوگوں کے مختلف گروہوں نے کلام الٰہی پر تحقیق کا کام شروع کیا۔ دراصل تحقیق کے نام پر وہ قرآن کا انکار کرنا چاہتے تھے اور اُن کا مقصد یہ تھا کہ کلام اللہ سے تضادات تلاش کریں اور انھیں لوگوں کے سامنے لائیں قرآن کو انسانی کلام ثابت کریں تا کہ لوگوں کے دلوں سے اس کلام کی عقیدت اور دشمن کے دلوں میں اس کلام کی ہیبت باقی نہ رہے۔ چنانچہ سب سے پہلے انھوں نے یہ خیال پیش کیا کہ معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت جھوٹی تھی اور قرآن آپ ﷺ کی تحریر کردہ کتاب ہے۔ اہل مکہ بھی رسول اللہ ﷺ پر اسی طرح کے الزام لگاتے رہے تھے۔ کبھی وہ یہ کہتے کہ نبی اکرم ﷺ فلاں کاہن سے قرآن سیکھتے ہیں، کبھی وہ کہتے آنحضرت محمد ﷺ فلاں راہب سے قرآن سیکھتے ہیں حد تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھار مکہ کے ایک لوہار کے پاس کھڑا ہولیا کرتے تھے تو انھوں نے کہا یہ لوہار آنحضرت محمد ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے۔ ظاہر ہے یہ خیال انتہائی احمقانہ ہے اور اہل مکہ یہ سب اس لیے کرتے کہ اُن کے پاس کلام الٰہی کا کوئی جواب نہ تھا اور وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت سے زچ ہو کر رہ گئے تھے۔ اُن کی دوسری پریشانی یہ تھی کہ مکہ کے نوجوان رفتہ رفتہ اسلام قبول کر رہے تھے اس لیے وہ اس

طرح کی بے سر و پا باتیں کرتے رہتے تھے ،اگرچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی ایسی بیہودگیوں کا بار بار جواب دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ O

القرآن الحکیم (سورۃ النحل 103/16)

ترجمہ؛

''ہم جانتے ہیں کہ لوگ آپ ﷺ پر کیسے کیسے الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو (فلاں) آدمی قرآن سکھاتا ہے، حالانکہ جس شخص کی طرف یہ انگلی اٹھاتے ہیں وہ تو عجمی ہے اور قرآن صاف اور واضح عربی مبین میں ہے''۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل مکہ ہوں، مدینہ کے یہودی ہوں یا آج کے مغربی مستشرقین سب کے سب جھوٹے اور اللہ کے دین کے دشمن ہیں۔اِن لوگوں کے دلوں میں تنگی ہے اور یہ اللہ کی قدرت سے انکار کرنے والے ہیں۔تاریخ کے بہت سے صفحات ہیں جنھیں اِن کج رو لوگوں نے اپنے احمقانہ تخیلات سے آلودہ کیا ہے۔کتنے ہی پست الزامات ہیں جو انھوں نے ہادی برحق پر لگائے ہیں۔کلام الٰہی کے بارے میں اُن کے ہیچ تصورات پڑھ کر اُن کے انسان ہونے پر شرمندگی ہوتی ہے۔حق کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر وہ اللہ کی کتاب پر ایمان نہیں لاتے تو نہ لائیں اس پر کیچڑ تو مت اچھالیں کہ کروڑوں لوگ ہیں جو اللہ کی کتاب پر ایمان نہیں لائے۔انھوں نے اپنے تصورِ زیست کو حق جانا اور اُس پر قائم ہو گئے اور اسلام میں کسی پر زبردستی نہیں جو ایمان قبول کرنا چاہے کرے جو انکار کرنا چاہے

انکار کردے اللہ اُس کو دیکھ لے گا۔مگر انسانوں کے ایک گروہ نے اپنی زندگی اس بات کے لیے وقف کر دی کہ وہ تمام عمر اسلام اور قرآن کے خلاف بات کرتے رہیں گے چاہے اس کے لیے انھیں اخلاق وشرف کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ لوگ کس کس پستی میں گرے اور کون کون سے طریقوں سے انھوں نے اس چراغ حق کو بجھانے کی کوشش کی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور فضل سے انسانوں کی ہدایت کے لیے روشن کیا تھا۔وہ چراغ آج بھی پوری آب وتاب کے ساتھ روشن ہے اگر چہ سرخ وسفید چہروں والے اِن سیاہ بختوں سے کچھ نہ بن پڑا جن کے باطن تاریک و پراگندہ تھے۔

متشرقین کا تفصیلی تذکرہ سیرت المزمل ؐ میں گزر چکا ہے یہاں ہم مستشرقین کے صرف اُن اعتراضات پر کچھ بحث کرنا چاہتے ہیں جو انھوں نے کلام الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک پر اٹھائے ہیں۔ایک زمانہ تھا کہ جب مغربی مستشرقین عیسائیت کے شدید تعصب میں مبتلا ہو کر کھلم کھلا کہا کرتے کہ قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ نے خود لکھا ہے اور یہ کہ اُن کا دعویٰ نبوت سچ نہیں ہے۔لیکن جب علم میں اضافہ ہوا اور لوگوں نے جان لیا کہ اب اس جھوٹ کو نبھانا مشکل ہو گیا ہے تو خود مغرب سے آوازیں آنے لگیں کہ ہمارے پیش رو جو کچھ لکھتے رہے ہیں اُس کی کوئی اصل نہیں اور ہم اس بات پر شرمندہ ہیں۔پھر انھوں نے اس بارے میں بہت سی کتابیں لکھیں تا کہ اُن کے جاہل پیش رو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو تاثر پھیلاتے رہے اُس کا اثر زائل ہو جائے۔مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ جدید دور کا مستشرق انصاف پسند اور سچ کا پیرو ہو گیا ہے بلکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ ایک جھوٹ وہ ہوتا ہے جس کو سن کر لوگوں کی ہنسی نکل آئے۔اور کچھ جھوٹ ایسے ہوتے ہیں جو لچھے دار ہوتے ہیں لوگوں کے ذہن میں خلجان پیدا کرتے ہیں، دین کی پوری سمجھ نہ رکھنے والوں کے بہک جانے کا سبب بنتے ہیں۔کل کے مستشرق کا تخیل آج لوگوں کا مذاق بن کے رہ گیا ہے اس لیے آج کا مستشرق بھی اگر چہ جھوٹ ہی بولتا ہے مگر ذرا تہذیب وشائستگی کے ساتھ!!

چنانچہ عہد حاضر کے مشہور مستشرق (Mintgumre Watt) رسول اللہ ﷺ کے بارے میں

لکھتے ہیں کہ!

’’قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں یہ تصور عام کیا گیا تھا کہ محمد (ﷺ)۔(معاذ اللہ) ایک جھوٹے نبی ہیں اور وہ غلط طور پر یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔لیکن قرونِ وسطیٰ کے یہ تصورات جو دراصل جنگی پروپیگنڈے کی حیثیت رکھتے تھے اب آہستہ آہستہ یورپ اور عیسائی دنیا کے ذہنوں سے اتر رہے ہیں‘‘۔[*19]

پروفیسر منٹگمری واٹ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کی یہ تکذیب کسی علمی دلیل پر مبنی نہ تھی بلکہ یہ محض اُس پروپیگنڈے کا ایک جز تھا جسے مسلمانوں سے لڑنے کے دوران اختیار کیا گیا۔اُس دور میں جب مستشرقین اس طرح کے توہمات اپنے لوگوں میں پھیلانے میں مصروف تھے تب انھیں جنگ کے ہر میدان میں مسلمانوں کی تلوار کاٹ رہی تھی اور مستشرق چاہتا تھا کہ اُن کی فوج کہیں بددل ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کا خیال ہی ترک نہ کردے۔اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے سروپا باتیں بناتے رہتے۔منٹگمری واٹ نے اپنے پیش رو مستشرقین کی حماقتوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اُن کے اِن دعووں کی تردید کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنون یا کسی اور بیماری میں مبتلا تھے۔اس عہد کے مستشرقین اپنی بات کو اس قدر سہل اور باتہذیب طریقے سے بیان کرتے ہیں کہ بعض اوقات مسلمان بھی اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اور انھیں عادل اور منصف مزاج سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔دیکھیں وہی منٹگمری واٹ جو رسول اللہ ﷺ پر لگے ہر الزام کو مٹانا چاہتا ہے اپنی اسی کتاب کے اگلے صفحے پر لکھتا ہے کہ!

’’لہٰذا محمد (ﷺ) کے بارے میں قرونِ وسطیٰ کے اس تصور کو تو اب خارج از بحث قرار دے دینا چاہیے کہ وہ جھوٹے نبی تھے، حقیقت یہ ہے کہ ہم تو محمد (ﷺ) کے بارے میں یہ جانتے ہیں کہ وہ ایک ایسے انسان تھے جو پورے خلوص اور نیک نیتی سے لوگوں کو وہ پیغامات سناتے تھے جن کے بارے میں اُن کا عقیدہ تھا کہ یہ اُن کے پاس خدا کی طرف سے آتے ہیں حالانکہ یہ محض اُن کے اندر کی آواز تھی جسے وہ وحی سمجھ بیٹھے تھے‘‘۔[*20]

منٹگمری واٹ جب اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اُس کے پیش رو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جھوٹ بولتے رہے تو پڑھنے والا سوچتا ہے شاید یہ خود رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سچ بولے گا اور یہی تاثر دراصل وہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ حق کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب منٹگمری واٹ رسول اللہ ﷺ کو سچا سمجھتا ہے تو اُسے رسول اللہ ﷺ کی بات پر یقین کرنا چاہیے تھا اور اُس کلام کو بھی اللہ کی وحی ماننا چاہیے تھا جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں اور اُس پر ایمان لے آنا چاہیے تھا مگر معاملہ یہاں معاملہ وہی کتے کی دُم والا ہے جو کبھی سیدھی نہیں ہوتی اور ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہتی ہے۔ صدیوں سے ذہنوں میں موجود تصورات اگرچہ حق کے سامنے پل بھر میں زائل ہو سکتے ہیں مگر یہ تب ہوتا ہے جب انسان اپنے اندر سے اٹھنے والی حق کی آواز پر کان لگائے۔ دوسری صورت میں انسان کبھی حق کو تسلیم نہیں کرتا اور مستشرقین کا تو پورا قبیلہ اس بات پر بضد تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور کلامِ الٰہی کی ہر صورت تکذیب کریں گے اور انھوں نے تاریخ کے ہر دور میں ایسا ہی کیا ہے۔ اس عہد کے مستشرقین نے رسول اللہ ﷺ کو براہ راست جھوٹا کہنے کے بجائے بیچ کی ایک راہ تلاش کی ہے جس کے مطابق وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سچے ہیں انھوں نے لوگوں تک جو کلام پہنچایا ہے وہ بھی سچ ہے بات صرف اتنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس بات کو اللہ کی وحی کہتے ہیں وہ دراصل رسول اللہ ﷺ کے اندر

کی آواز تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے وحی سمجھ لیا اور اسے لوگوں سے بیان کیا۔ وہ کلام الٰہی کو کوئی خارجی کلام قرار دینے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ اُن کے خیال میں قرآن رسول اللہ ﷺ کی (Inner Voice) تھی جسے آپ ﷺ نے غلطی سے وحی قرار دے دیا۔ مغربی مستشرقین دراصل اس بات پر تو تیار نہ تھے کہ اپنے دین کو چھوڑ کر دین حق کی طرف مراجعت کریں اس لیے انھوں نے آنحضرت محمد ﷺ کے دعویٰ نبوت کی عجیب وغریب تاویل کی۔

انھوں نے کہا کہ محمد ﷺ پر نازل ہونے والی وحی درحقیقت کوئی خارجی چیز نہیں بلکہ ایک اندرونی کیفیت تھی جو آپ کے طویل غور وفکر اور مشاہدات کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی۔ جسے آپ کسی فرشتے کی آواز سمجھتے رہے، آپ ابتدائی عمر سے ہی اپنی قوم کے مذہب اور اُن کے طور طریقوں سے بیزار تھے اس لیے آپ نے اُن کا مذہب اختیار نہ کیا اُن کے طریقہ عبادت اور رسم ورواج سے خود کو دور کر لیا اور تنہائی کی عادت ڈالی، غور وفکر کے لیے آپ غارِ حرا میں جانے لگے۔ جہاں آپ نے اپنی قوم کے مصائب کا حل تلاش کرنا شروع کیا اور اس نتیجے تک پہنچے کہ انھیں اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینی چاہیے۔

مستشرقین نے کہا کہ غار حرا کی بسیط تنہائیوں میں جہاں آپ سے کوئی بات کرنے والا بھی نہ ہوتا تب آپ کے دل ودماغ پر غور وفکر کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا کہ آپ نے سمجھا کہ یہ کسی فرشتے کی آواز ہے حالانکہ یہ آپ کے دل کی آواز تھی جسے آپ نے اپنی قوم کے سامنے پیش کر دیا اور اللہ کا نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اہل مکہ نے اُن کا انکار کیا تاہم اہل مدینہ نے اُن کی بات مان لی جس بعد انھوں نے طاقت کے زور پر سارے عرب کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ استغفر اللہ!!!

یہ اُس تخیل کا خلاصہ ہے کہ جسے آج کے دور کے مستشرقین نے اپنایا ہوا ہے۔ یاد رہے کہ یہ ایک دو مستشرقین کا خیال نہیں بلکہ اس عہد کے سینکڑوں مستشرقین اسی خیال کو اپنائے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے یہ وہ عبث تخیل ہے جس پہ بات کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ یہ اُن کی بددیانتی ہے کہ ایک طرف تو وہ ایک شخص کو سچا اور ایماندار کہتے ہیں اور دوسری طرف اسی شخص پر جھوٹی نبوت کا الزام لگاتے ہیں

ظاہر ہے کہ انھوں نے پہلے سے طے کر رکھا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو کسی صورت قبول نہیں کرنا بلکہ اُن کے رسول ہونے کے معاملے کو بھی مشتبہ بنانا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے لیے اس بات کے کوئی معنی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اللہ کے حقیقی رسول ہونے کے کتنے واضح دلائل موجود ہیں اور نہ انھیں یہ باور کرایا جاسکتا ہے کہ قرآن اللہ کی وحی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر اتاری گئی اس لیے جب لوگوں کا ایک گروہ پہلے ہی یہ فیصلہ کر لے کہ کسی معاملے میں اُن کی آخری رائے یہ ہوگی تو ایسے لوگوں کو قائل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور وحی الٰہی کے متعلق انھوں نے جو تخیل پیش کیا ہے اس قدر بودا ہے کہ کوئی صاحب عقل اس کو اہمیت نہ دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اُن کی اخلاقی حالت پر شرم محسوس ہوتی ہے اور انھوں نے جس جرأت کے ساتھ جھوٹ گھڑے ہیں اُس سے اُن کی نیت کا اندازہ بھی ہوجاتا ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ وحی الٰہی اور آنحضرت محمد ﷺ کی رسالت کے متعلق انھوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن کا جواب دینا بھی محض وقت کا ضیاں ہے۔ تاہم بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کی چرب زبانی اور اُن کا طریق استدلال جو بظاہر اسلام کی اور رسول اللہ ﷺ کی حمایت کرتا نظر آتا ہے سے بعض سطحی ذہن رکھنے والے مسلمان اس مغالطے میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ مستشرقین کے قبیلہ میں کچھ عدل پسند لوگ بھی شامل ہیں۔ اِن لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے جو مستشرقین کی باتوں کو سنجیدگی سے لیتے ہیں اور آج کے مستشرق نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور کلام الٰہی کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے کی جو جسارت کی ہے اُس پر جو عقلی اعتراضات وارد ہوتے ہیں اُن کا مختصر اظہار اِن سطور میں کرنا مناسب ہوگا۔

... یہ امر اس قدر الجھا ہوا نہیں ہے کہ اس کے الجھاؤ کو دور کرنے کے لیے کسی برتر عقلی معیار کی ضرورت پیش آئے۔ بلکہ یہ تو عام فہم معاملہ ہے کہ مستشرقین رسول اللہ ﷺ پر یہ الزام لگانے سے پہلے کہ جو کلام وہ لوگوں پر پیش کرتے ہیں وہ خود انھی کا کلام ہے اس بات کا

اعتراف کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہایت زیرک، معاملہ فہم اور دانش مند آدمی ہیں اور بہت سی ذہنی و عملی صلاحیتوں سے مزین ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا وہم تھا یا اُن کے نفس کی آواز تھی جسے انھوں نے وحی قرار دے دیا۔ کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ مسلسل تیئس سال تک ایک شخص کو کوئی آواز سنائی دیتی رہے اور وہ یہ نہ جان سکے کہ کوئی پکارنے والا اُسے خارج سے پکار رہا ہے یا یہ اُس کے اندر کی آواز ہے۔ حالانکہ یہ کوئی دو چار بار والا معاملہ نہ تھا بلکہ مسلسل تیئس سال رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی جہاں نہ غار حرا جیسی خاموشی تھی اور نہ تنہائی، بلکہ رسول اللہ ﷺ پر سوار ہونے کی صورت میں، جنگ میں مصروف ہونے کی صورت میں، بیٹھے ہوئے، کھڑے ہوئے، لیٹے ہوئے، چلتے ہوئے ہر حالت میں وحی آتی رہی ہے۔ اور یہ ایک غیر معمولی کیفیت تھی جس کا ہزاروں لوگ مشاہدہ کرتے رہے ہیں۔ بعض اوقات تو وحی کے نزول کے وقت سخت سردی میں بھی رسول اللہ ﷺ کا پسینہ بہنے لگتا۔ چنانچہ کوئی اِن عقل کے اندھوں کو بتائے کہ وحی کی آمد سے انکار اُن کو عقلی طور پر پست کر رہا ہے اور وحی کی تعلیم سے انکار اُن کو عذاب الٰہی کی طرف لے جا رہا ہے اور وہ بزعم خود دانش ور بنے بیٹھے ہیں۔

* * * * * *

... مستشرقین نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم کی اخلاقی اور عقائدی حالت کا بہت دُکھ تھا اس لیے آپ اکثر پریشان رہا کرتے۔ جس کی وجہ سے آپ کی اندورنی کیفیت یہ ہوئی کہ آپ کو خیال ہوا کہ آپ پر وحی کی جا رہی ہے اور اپنے اس اندرونی خیال کو انھوں نے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔ اگر مستشرقین کی بات میں وزن ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے اپنی قوم کو اُن کی جہالت سے منع کرنا چاہیئے تھا۔ مگر آپ جب پہلی وحی لے کر مکہ میں تشریف لاتے ہیں تو اُس میں نہ اُن کی قوم کی گمراہی کا تذکرہ ہے، نہ اُن کو شرک روکا گیا ہے، نہ اُن کی

اخلاقی پستی پر کلام کیا گیا ہے اور نہ ہی اُن کو عقیدہ توحید کی طرف بلایا گیا ہے بلکہ پہلی وحی میں تو فرمایا گیا کہ!

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (1) خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (2) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (3) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (4) عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (5)

القرآن الحکیم (سورۃ العلق 1.4/96)

ترجمہ؛

"پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کو، پڑھو، اور تمھارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا ہے، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا"۔

... مستشرقین نے کلام اللہ کو رسول اللہ ﷺ کے اندر کی آواز قرار دیا مگر اُن عقل کے اندھوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اگر یہ رسول اللہ ﷺ کی اندرونی کیفیت تھی تو ایک مرتبہ پیش آنے کے بعد اچانک ٹھنڈی کیوں پڑ گئی۔ پھر تین سال تک آپ ﷺ کو اپنے اندر سے کوئی آواز کیوں نہ سنائی دی۔ اس عرصے میں آپ ﷺ وحی کے انقطاع سے پریشان بھی رہے، لیکن تین سال تک مکمل سکوت طاری رہتا ہے، اس کے بعد پھر وحی نازل ہوتی ہے تو اس میں بھی شرک کی واضح تردید نہیں کی جاتی اور نہ اہل عرب کی عملی کوتاہیوں کا کوئی ذکر ہوتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ کیفیت آپ ﷺ پر اپنی قوم کی گمراہیوں پر سوچ بچار اور تصورِ توحید کے غلبہ سے پیدا ہوئی تھی تو وحی کے بالکل ابتدائی واقعات میں یہ تصورات کہاں گئے ؟؟؟ اور تین سال تک اِن تصورات کے غلبے کی کوئی کیفیت پیدا کیوں نہ ہوئی۔ بلکہ

مورخین کے مطابق رسول اللہ ﷺ پر دوسری بار جب وحی اتری تو وہ سورہ مدثر کی ابتدائی آیات تھیں۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَأَنذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (3) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (4) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (5) وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ (6) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (7)

القرآن الحکیم (سورۃ مدثر 1.7/76)

ترجمہ؛

"اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو، اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو، اور اپنے کپڑے پاک صاف رکھو، اور گندگی سے دور رہو، اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے بلکہ اپنے رب کی خاطر صبر کرو"۔

... مستشرقین نے کہا کہ وحی الٰہی رسول اللہ ﷺ کی اندرونی کیفیت تھی۔ اگر وحی رسول اللہ ﷺ کی تھی تو اسے رسول اللہ ﷺ کے خیالات سے ہم آہنگ ہونا چاہیے تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر رسول اللہ ﷺ کے ذاتی خیالات سے اختلاف کیا جاتا ہے بلکہ اُن کے ذاتی تخیل کے خلاف ہدایات جاری کی جاتی ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو آپ ﷺ کی ذاتی رائے کی سراسر تردید کر دی جاتی ہے اور اس پر ایک لطیف عتاب بھی موجود ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے اس امر کی وضاحت ہو رہی ہے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (128) وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن

يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (129)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 128.129/3)

ترجمہ؛

''آپ کو اس میں کوئی دخل نہیں یہاں تک کہ اللہ اُن کی طرف متوجہ ہو جائے یا انھیں کوئی سزا دے، کیونکہ وہ ظلم کرنے والے ہیں، اور اللہ ہی مالک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے، اللہ جس کو چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اگرچہ وہ بہت ہی معاف کرنے والا اور رحمت والا ہے''۔

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّهُ يُرِيدُ الآخِرَةَ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (67)

القرآن الحکیم (سورۃ الانفال 66.67/8)

ترجمہ؛

''نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اُن کے قیدی باقی رہیں (بلکہ اُن کو قتل کیا جانا چاہیے)۔ جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح کفار کی خون ریزی نہ کرلیں، تم تو دنیا کا اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور حمت والا ہے''۔

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

عَفَا اللّٰهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ (43)

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 43/9)

ترجمہ؛

''اللہ نے آپ کو معاف کر دیا ہے، لیکن آپ نے اُن کو اجازت کیوں دی جب تک کہ سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے''۔

... اگر چند لمحوں کے لیے مستشرقین کے اس خیالِ بد کو ہی تسلیم کر لیا جائے کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سامنے پیش کرتے وہ آپ ﷺ کے اندر کی آواز تھی اور بعض اوقات کوئی شدید غلبہ انسان کو ایک خارجی آواز کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے تب اس سوال کا جواب کون دے گا کہ اس اندورنی کیفیت کے تحت جو بات بھی لبِ رسالت سے نکلتی ہے پوری ہو کے رہتی ہے۔ وہ جو حکم بھی دیں انجام کار درست ثابت ہوتا ہے، وہ جو الفاظ بول دیں پتھر پہ لکیر ثابت ہوتے ہیں، جو کلام اُن کی زبان سے نکلے اُس کے مقابل سارے عرب شاعر اور دنیا بھر کے ادیب و خطیب عاجز ہو کر بیٹھ جائیں، آپ فرمائیں چاند دو ٹکڑے ہو جاؤ تو وہ دو ٹکرے ہو جاتا ہے، آپ فرمائیں اسلام غالب آ جائے گا تو اسلام غالب آ جاتا ہے، آپ فرمائیں کہ رومی عیسائی جلد ہی ایرانی پارسیوں پر غالب آ جائیں گے تو سارا عرب دیکھتا ہے کہ رومی عیسائی ایرانی پارسیوں پر غالب آ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی کلام کی بنیاد پر پورے جزیرہ عرب میں ایسا عظیم انقلاب بپا ہو جاتا ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

... اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ تصورات کے غلبے سے محسوس ہونے والی آواز کوئی حقیقت رکھتی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اسی شخص کے علم وتصور کا ایک عکس ہوسکتی ہے جسے وہ سنائی دے رہی ہے، اور جو بات پہلے سے اس کے علم میں نہ ہو وہ اس آواز سے معلوم نہیں ہوسکتی۔لیکن قرآن کریم کی تلاوت کر کے دیکھئے تو اس میں بے شمار ایسی باتیں ہیں جو وحی سے پہلے آپ ﷺ کو معلوم نہ تھیں، وحی کے علم نے ہی آپ ﷺ کو پہلی بار اُن سے آشنا کیا۔

مثلاً دیکھئے کہ!

وَكَـذَلِكَ أَوْحَيْـنَـا إِلَيْكَ رُوحاً مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُوراً نَّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاء مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (52)

القرآن الحکیم (سورۃ شوریٰ 52/42)

ترجمہ؛

”ہم نے آپ کی طرف وحی کی یعنی اپنا حکم بھیجا اس سے پہلے تو آپ جانتے تک نہ تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اس قرآن کو روشنی بنایا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں“۔

... مستشرقین کا یہ تخیل اس لیے بھی کسی عقلی معیار سے بعید ہے کہ قرآن حکیم میں تو بہت سے ایسے واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ تو کیا عرب بھر میں کوئی بھی واقف نہ تھا۔بالخصوص پچھلی امتوں کے اکثر واقعات وہ ہیں جن کے بارے میں خود قرآن حکیم نے بھی تصریح کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سے واقف نہ تھے اور تاریخی اعتبار سے بھی یہ امر ناقابل انکار ہے کہ آپ ﷺ نزول وحی سے قبل اُن سے واقف نہ تھے، قرآن حکیم نے

ہی پہلی بار اُن کو یہ علم عطا کیا ہے۔

مثلاً سورہ ہود میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَـٰذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ (49)

القرآن الحکیم (سورۃ هود 49/11)

ترجمہ؛

''یہ غیب کی خبریں ہیں جنھیں ہم آپ کی طرف بذریعہ وحی نازل کرتے ہیں، حالانکہ اس سے قبل آپ اِن خبروں سے آگاہ نہ تھے اور نہ ہی آپ کی قوم اس بابت کچھ جانتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ متقی ہی آخر میں کامیاب ہوں گے''۔

اور سورۃ یوسف میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ (102)

القرآن الحکیم (سورۃ یوسف 102/11)

ترجمہ؛

''یہ غیب کی خبریں ہیں جنھیں ہم بذریعہ وحی آپ پر نازل کرتے ہیں اور جس وقت یہ لوگ اپنے معاملے میں متفق ہو رہے تھے اور تدبیریں کر رہے تھے اُس وقت آپ اُن کے پاس نہ تھے''۔

اِن آیات سے وہ حقیقت ظاہر ہورہی ہے جس پر مستشرقین پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔دراصل جب کوئی آدمی ہدایت سے دور ہو اور اپنی ضد پر اڑا ہو تو اُس سے کسی بھی بے عدلی کی توقع کی جاسکتی ہے۔اب دیکھیں کہ اسی قبیلے کا ایک اور فرد (J M Rrodwell) کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے توحید کا سبق عیسائی راہبوں سے سیکھا اور انھی سے سابقہ کتابوں کا علم حاصل کیا۔[21*]

اُس کا کہنا ہے کہ خود مسلمانوں کی کتابوں میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر شام کے دوران بحیرہ راہب سے ملاقات کی تھی اور اسی طرح کے ایک دوسرے سفر میں نسطورا راہب سے رسول اللہ ﷺ کی ملاقات بھی ثابت ہے۔ہم نے مستشرقین کے طریقہ واردات کا گہرا مطالعہ ہے۔تاریخ کے مطالعہ کے دوران مستشرقین جہاں محسوس کرتے ہیں کہ یہ روایت اُن کے کام آسکتی ہے تو وہ اسے الگ کر لیتے ہیں پھر اس کی ماہیت، اُس کے زمان و مکان اور اس کے راوی، اس کی حقیقت اس کے مندرجات غرض ہر چیز کو نظر انداز کرتے ہوئے اس روایت کی بنا پر ایک افسانہ تیار کرتے ہیں اور اسے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے اپنی کتابوں میں چھاپ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انھوں نے سورج پر کپڑا ڈال دیا ہے اب اُس کی روشنی دنیا کو منور نہ کرے گی ۔ چنانچہ (J M Rrodwell) نے کہا کہ بحیرہ راہب آریوسی فرقے سے تعلق رکھتا تھا جو عیسائیوں کا وہ واحد فرقہ ہے جو آخر دم تک توحید پر قائم رہا۔اس لیے رسول اللہ ﷺ نے توحید کا علم بحیرہ راہب سے ہی حاصل کیا۔مستشرقین کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جن کو یہ تک معلوم نہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بحیرہ راہب سے ملاقات کی تب آپ ﷺ کی عمر نو سال تھی اور ایک نو سال کا بچہ توحید جیسے علمی موضوع اور تاریخ انبیاء جیسے دقیق موضوع پر کیسے علم حاصل کرسکتا ہے۔کیا اُن کے راہب جادوگر تھے جو انھوں نے بنی اسرائیل کے سارے انبیاء کی تاریخ رسول اللہ ﷺ کے دل میں ڈال دی اور آپ ﷺ نے اُن ساری معلومات کو راتوں رات جذب کر کے ایک انقلاب آفرین انقلاب کی بنیاد رکھ دی؟؟؟

اول تو (J M Rrodwell) کا یہ دعویٰ ہی سرے سے بلا دلیل بلکہ بے بنیاد ہے کہ بحیرا راہب کا

تعلق آیوسی فرقے سے تھا، کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی اور مل بھی کیسے سکتی ہے جب کہ آیوسی فرقے کو تو چوتھی صدی عیسوی میں ہی بدعتی اور ملحد فرقہ قرار دے کر اُن کا اس قدر قتل عام کیا گیا تھا کہ شاید ہی اس فرقے کا کوئی شخص 580ء تک موجود ہو جب رسول اللہ ﷺ نو سال کی عمر میں بحیرہ راہب سے ملاقات کرتے ہیں۔ دوسری طرف جب ہم اُن روایات کو دیکھتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی بحیرہ راہب سے ملاقات کا قصہ بیان کیا گیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بحیرہ راہب سے رسول اللہ ﷺ کی ملاقات اس قدر سرسری اور عمومی تھی کہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی ایسی بات وقوع پذیر ہوئی جس کی بنیاد پر اتنا بڑا افسانہ تیار کیا جانا ممکن ہو سکے۔ بحیرہ راہب سے رسول اللہ ﷺ کی ملاقات کے متعلق جو مفصل ترین روایت ملتی ہے وہ جامع ترمذی میں ہے جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں جس کو پڑھ کر قارئین اندازہ لگائیں کہ اس روایت کی بنا پر کس قدر بھونڈا افسانہ تیار کیا گیا جس کی کوئی چول دوسری چول کے ساتھ نہیں ملتی۔

''حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ قریش کا ایک قافلہ ملک شام کی طرف روانہ ہو رہا تھا جس میں حضرت ابوطالب کا سامان تجارت بھی شامل تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سے ضد کی کہ وہ بھی اس قافلے میں شامل ہونا چاہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی کم عمری کی وجہ سے پہلے تو حضرت ابو طالب نے انکار کیا کہ وہ اپنے کم سن بھتیجے کو اس دشوار گزار سفر کے ہرگز قابل نہ پاتے تھے۔ تاہم جب رسول اللہ ﷺ اپنے چچا کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر کھڑے ہو گئے تو فرحت محبت میں حضرت ابوطالب نے انھیں اپنی اونٹنی پر سوار کر لیا اور قافلہ ملک شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ قریش کا یہ قافلہ جب ملک شام کے قریب ایک سرائے میں اترا تو سرائے سے ملحق ایک خانقاہ میں ایک راہب کا ڈیرہ تھا۔ عام طور پر وہ راہب آتے جاتے تجارتی قافلوں کی طرف ملتفت نہ ہوتا مگر جب قریش کا یہ تجارتی قافلہ وہاں اترا تو راہب خلاف معمول اپنی خانقاہ سے باہر نکل آیا اور متجسسانہ نظروں سے قافلے کے ایک ایک آدمی کو دیکھنے لگا یہاں تک کہ اُس کی نظر آنحضرت محمد ﷺ پر پڑی تو اُس نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

هٰذَا سَیِّدُ الْعَالَمِیْنَ، هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ، یَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ ،

”یہی ہے تمام جہانوں کا سردار ، یہی ہے پروردگار عالم کا رسول ، جس کو اللہ تمام کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا“۔

سرادارنِ قریش اُس کی طرف متوجہ ہوئے اور اُس سے دریافت کیا کہ اُس نے کیسے جانا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں؟ تو اُس نے کہا جس وقت آپ سب لوگ گھاٹی سے نکلے تو کوئی شجر وحجر ایسا نہیں تھا جس نے اس بچے کو سجدہ نہ کیا ہو،اور شجر وحجر صرف ایک نبی کو ہی سجدہ کرتے ہیں،اس کے علاوہ میں اِن کو اُس مہر نبوت کی وجہ سے بھی پہچانتا ہوں جو ایک سیب کے مشابہ ہے اور آپ کے شانے کے نیچے واقع ہے۔راہب یہ کہہ کر واپس ہو گیا اور اپنے لوگوں سے کہا اس معزز قافلے کے لیے کھانا تیار کرو۔جب کھانا تیار ہو گیا تو سارا قافلہ اُس کی دعوت کھانے پہنچ گیا،تاہم راہب نے دیکھا کہ محمد ﷺ اُن میں موجود نہیں تو اس نے استفار کیا کہ وہ بچہ کہاں ہے۔لوگوں نے کہا ہم نے انھیں سامان کی حفاظت کے لیے پیچھے ہی چھوڑ دیا ہے،راہب نے کہا یہاں تمھارے سامان کو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگائے گا میں اس کا ضامن ہوں،چنانچہ ایک آدمی بھیج کر رسول اللہ ﷺ کو بھی بلا لیا گیا جب آپ ﷺ اپنی قوم کے پاس پہنچے تو سب لوگ بیٹھ چکے تھے حتیٰ کہ اب سایہ میں کوئی جگہ نہ تھی،رسول اللہ ﷺ کونے میں بیٹھ گئے تو لوگوں نے دیکھا کہ سایہ بھی سرک گیا اور آپ ﷺ کے سر پہ چھاؤں کر دی۔نصاریٰ کے اس راہب نے قریش سے کہا دیکھو تم اس بچے کو لے کر یہودیوں کے علاقے میں مت جانا ورنہ وہ انھیں دیکھتے ہی قتل کر دیں گے۔اثناء کلام میں اُس کی نظر اٹھی تو اُس نے دیکھا کہ روم کے سات آدمی کسی کی تلاش میں اسی طرف آ رہے ہیں،راہب اُن کی طرف چلا گیا اور اُن سے دریافت کیا تم کس لیے نکلے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم اُس نبی کی تلاش میں نکلے ہیں جس کی بشارت

تورات وانجیل میں موجود ہے۔ جو اس مہینے سفر میں نکلنے والا ہے اس لیے ہم نے اُن کی تلاش میں ہر طرف اپنے آدمی دوڑا دیئے ہیں۔ راہب نے اُن سے کہا مجھے ایک بات بتاؤ کہ جس شیئ کا اللہ نے ارادہ فرما لیا ہو کوئی دوسرا اُس کو ٹال سکتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا نہیں۔ تب راہب نے اُن مسافروں سے عہد لیا کہ وہ اُس نبی کی تلاش سے باز آ جائیں ورنہ نقصان اٹھائیں گے۔ انھوں نے عہد کیا اور وہاں سے چلے گئے۔ اس کے بعد راہب قریش کے قافلے کی طرف آیا اور کہا اس بچے کا والی کون ہے۔ حضرت ابوطالب اٹھے اور کہا محمد میرے بیٹے ہیں۔ راہب نے کچھ سوچا پھر پوچھا کیا آپ اس کے حقیقی والد ہیں تو حضرت ابوطالب نے کہا نہیں میں اس کا چچا ہوں۔ تو راہب نے لمبا سانس لیا اور کہا میں جانتا تھا کہ اس کا والد زندہ نہیں ہو سکتا۔ تم اس بچے کو لے کر ابھی واپس ہو جاؤ اور یاد رکھو اسے یہودیوں سے محفوظ رکھنا ورنہ وہ اسے قتل کر دیں گے۔ حضرت ابوطالب فوراً ہی سوار ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کو ہمراہ لے کر مکہ کے لیے واپس ہو لیے یا بعض نے کہا کہ کسی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو مکہ بھیج دیا''۔[22*]

یہ وہ روایت ہے جس کی بنا پر مستشرقین نے اپنی طرف سے ایک بڑا افسانہ تیار کیا اور دین اسلام میں تذبذب پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ روایت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ ایک مختصر ملاقات تھی جس میں بحیرہ راہب نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کی بنا پر اس افسانے کی کوئی گنجائش نکلتی ہو جو مغربی مصنفین نے وضع کیا ہے۔

مستشرقین کی علمی بددیانتی کے پس منظر میں اُن کی مذہبی عصبیت اور نفرت دکھائی دیتی ہے جو وہ مسلمانوں سے کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے تو اُن کا اعناد کھلا ہوا ہے انھوں نے قرآن حکیم کی شان کو کم کرنے کی بہت کوشش کی مگر اُن کا انجام اُسی شخص جیسا ہوا جو چاند پر تھوکنے کی کوشش میں مصروف ہو۔ ایک مثال سے سمجھتے ہیں کہ اُن کی علمی بددیانتیوں کا سلسلہ کس قدر طویل ہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں مقاملہ قرآن لکھا گیا جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مریمؑ تو حضرت موسیٰؑ کی بہن تھیں اور اُن کے والد کا نام عمران تھا جنھیں قرآن نے غلطی سے اُن کی ماں لکھا ہے۔ چنانچہ انھیں مریم بنت عمران لکھنا قرآن کی غلطی ہے۔ اللہ لعنت کرے اِن جھوٹے عالموں پر جو کلام اللہ میں جھوٹ تلاش کرتے ہیں۔[*23]

مقام افسوس ہے کہ یہ بے سروپا اعتراض برٹانیکا جیسی عالمی شہرت کی حامل کتاب میں درج کرتے ہوئے مقالہ نگار نے ذرا بھی شرم محسوس نہ کی۔ اگر برٹانیکا کا مقالہ نگار کسی یقینی دلیل سے بھی یہ ثابت کر دیتا کہ حضرت مریمؑ کے والد کا نام عمران نہیں تھا تب تو کسی درجے میں یہ اعتراض قابل لحاظ بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اگر پلٹ کر خود انھیں سے کوئی یہ پوچھ لے کہ آپ ہی بتا دیں کہ حضرت مریمؑ کے والد کا نام اگر عمران نہیں تو کیا تھا۔ تو اس کے جواب میں اُن کے پاس شرمندگی کے سوا کچھ نہ ہوگا اس لیے کہ بنی اسرائیل کی ساری تاریخ اس بارے میں خاموش ہے کہ حضرت مریمؑ کے والد کا نام کیا تھا۔ انتہا تو یہ ہے کہ بائبل میں بھی حضرت مریمؑ کے والد کا کوئی نام مذکور نہیں اور خود برٹانیکا کے مقالہ نگار نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ انھیں بھی حضرت مریمؑ کے والد کا نام معلوم نہیں ۔

وہ لکھتا ہے کہ!

”حضرت مریم کے والدین کے بارے میں پہلی صدی عیسوی کی کسی تاریخی دستاویز میں کوئی ریکارڈ موجود نہیں“۔[*24]

ایک طرف یہ لاعلمی ہے اور دوسری طرف یہ دعویٰ کہ قرآن حکیم میں حضرت مریمؑ کا نام غلط تحریر کیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر مغربی مصنفین عدل سے اس قدر عاری کیوں ہیں اور انھیں سوائے قرآن سے جھوٹ کھوجنے کے اور کوئی موضوع کیوں نہیں ملتا جس پر وہ طبع آزمائی کریں۔ کیا برٹانیکا

کے مقالہ نگار سے یہ سوال نہیں پوچھا جاسکتا کہ اگر ایک مرتبہ کسی شخص کا نام عمران رکھا جاچکا ہے تو کیا آئندہ کسی شخص کا نام عمران نہیں ہوسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تو قرآن کریم کی حقانیت کی واضح دلیل ہے کہ وہ اُن تاریخی حقائق کی علی الاعلان نقاب کشائی کررہا ہے جو چھ سوسال سے نامعلوم تھے، اور قرآن جو بات کرتا ہے پورے اعتماد سے کرتا ہے پندرہ سوسال میں مستشرقین قرآن سے ایک بھی غلط بات ثابت نہیں کرسکے یہ تو اُن کی بے شرمی اور ہٹ دھرمی ہے کہ وہ مسلسل اسی کام میں لگے ہوئے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ پھونکوں سے سورج نہیں بجھائے جاسکتے وہ اس عبث مشق میں مگن ہیں۔ دراصل تو یہ ایک عذاب ہے جس کی مشقت میں اللہ تعالیٰ نے انھیں جکڑ رکھا ہے۔ جب تم خود اس بات یعنی مریمؑ کے والد کے نام سے واقف نہیں ہو تو کسی دوسرے کی بات مان لو۔ پھر یہ بات صرف حضرت مریمؑ کے والد کے نام ہی تک محدود نہیں، بلکہ حضرت مریمؑ کی پیدائش، اُن کی تربیت اُن کے بچپن اور اُن کی ابتدائی زندگی کے تمام حالات کے بارے میں بھی عیسائیوں کے تمام مستند ماخذ خاموش ہیں اور ہمیں صرف قرآن ہی سے اُن کے حالات کا پتا چلتا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَاناً شَرْقِيّاً (16)
فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَاباً فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَراً
سَوِيّاً (17) قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَن مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيّاً (18) قَالَ
إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَاماً زَكِيّاً (19) قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي
غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيّاً (20) قَالَ كَذَلِكِ قَالَ رَبُّكِ
هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْراً مَّقْضِيّاً
(21) فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَاناً قَصِيّاً (22) فَأَجَاءهَا الْمَخَاضُ
إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنتُ نَسْياً
مَّنسِيّاً (23) فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ
سَرِيّاً (24) وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَباً جَنِيّاً

(25) فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْناً فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَداً فَقُولِي
إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْماً فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيّاً (26) فَأَتَتْ بِهِ
قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئاً فَرِيّاً (27) يَا أُخْتَ
هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيّاً (28) فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ
قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيّاً (29) قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ
آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيّاً (30) وَجَعَلَنِي مُبَارَكاً أَيْنَ مَا كُنتُ
وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيّاً (31) وَبَرّاً بِوَالِدَتِي وَلَمْ
يَجْعَلْنِي جَبَّاراً شَقِيّاً (32) وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ
وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيّاً (33) ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ
يَمْتَرُونَ (34) مَا كَانَ لِلَّهِ أَن يَتَّخِذَ مِن وَلَدٍ سُبْحَانَهُ إِذَا قَضَى أَمْراً
فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ (35)

القرآن الحکیم (سورۃ مریم 26.34/19)

ترجمہ؛

’’اور اے نبیؐ! اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو جب کہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہوکر شرقی جانب گوشہ نشین ہوگئی تھی اور پردہ ڈال کر اُن سے چھپ کر بیٹھ گئی تھی، اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے پورے انسان کی شکل میں نمودار ہوا، مریم یکا یک بول اٹھی، اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے خدائے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں، اُس نے کہا: میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پا کیزہ لڑکا دوں، مریم نے کہا: میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جب کہ کسی بشر نے مجھے چھوا تک نہیں اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں فرشتے نے کہا! ایسا ہی ہوگا اس لیے کہ تیرا رب فرماتا ہے ایسا

کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ اُس لڑکے کو لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت، اور یہ کام ہو کر رہنا ہے۔ مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لیے ہوئے دور کے ایک مقام پر چلی گئی۔ پھر زچگی کی تکلیف نے اسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگی کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام ونشان نہ رہتا۔ فرشتے نے پائنتی سے اس کو پکار کر کہا: غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تروتازہ کھجوریں گریں گی، پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر، پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نظر مانی ہے اس لیے آج میں کسی سے نہ بولوں گی۔ پھر وہ اس بچے کو لیے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی، لوگ کہنے لگے اے مریم یہ تو نے کیا کیا؟ نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی۔ مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے۔ تب بچہ بول اٹھا اور کہا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں، اور نماز اور زکواۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جب کہ میں پیدا ہوا اور جب کہ میں مروں اور جب کہ میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں۔ یہ ہے عیسیٰ ابن مریم اور یہ ہے اُس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔ اللہ کا کام یہ نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے، وہ پاک ذات ہے وہ جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے''۔

اسی طرح حضرت مریمؑ کے بارے میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ (91)

القرآن الحکیم (سورۃ الانبیاء 91/21)

ترجمہ؛

”اور وہ خاتون (مریم) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت تھی، ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا اور اُسے اور اُس کے بیٹے کو جہان والوں کے لیے نشانی بنا دیا“۔

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ (50)

القرآن الحکیم (سورۃ المومنون 50/23)

ترجمہ؛

”ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ اور اُن کی ماں مریم کو (لوگوں کے لیے) بڑی نشانیاں بنایا ہے، ہم نے اُن دونوں کو ایک ایسی زمین میں لے جا کر پناہ دی جہاں بہت سا غلہ اور میوہ جات تھے اور وہ جگہ شاداب اور رہنے کے قابل تھی“۔

برٹانیکا ہی کے مقالہ قرآن میں ایک اور بے وقوفانہ اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ قرآن میں فرعون کے ایک وزیر کا نام ہامان لکھا گیا ہے۔ حالانکہ اس نام سے فرعون کے کسی وزیر کا نام بائبل میں نہیں ملتا

۔حیرت ہے اس مقالہ نگار پر جو اتنی دور کی کوڑی لایا ہے، جی چاہتا ہے اس کی عقل پر ماتم کیا جائے۔
اس سے پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ اِن سوالوں کا کیا جواب دیتا ہے کہ قرآن جدید کتاب ہے یا بائبل؟
حتمی اور آخری بات قرآن میں کی گئی ہے یا بائبل میں؟
محفوظ ترین کتاب قرآن ہے یا بائبل؟
لوگ قرآن میں اپنی مرضی کی آیات داخل کرتے رہے یا بائبل میں؟
اللہ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے یا بائبل کی حفاظت کا؟
مدتوں تحریف کی سان پر قرآن چڑھتا رہا یا بائبل؟

ظاہر ہے کہ ہر حوالے سے قرآن ہی بائبل سے برتر ہے اس لیے جو بات قرآن میں کی گئی ہے وہی حتمی اور آخری بات ہے۔اس لیے کہ قرآن ہی وہ واحد کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔مقالہ نگار کہتا ہے کہ ہامان دراصل شاہ اسوریس کا وزیر تھا جس کا ذکر بائبل میں موجود ہے۔وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ چونکہ زبانی کتاب لکھتے تھے اس لیے اُن سے غلطی کا امکان ہے۔قواعد تحریر اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم برٹانیکا کے اس مقالہ نگار کی کھل کر ہجو کریں ورنہ ظاہر ہے اس جیسا جاہل شخص نہ دیکھا نہ سنا۔ورنہ ہم اس کو بتاتے کہ رسول اللہ ﷺ تو پھر بھی اللہ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں مگر اُن کی بائبل کون لکھتا رہا ہے،کبھی کبھی تو یوں ہوا کہ دو ہمسائے ساتھ ساتھ بائبل لکھتے رہے اور ایک کی بائبل دوسرے کی بائبل سے نہیں ملتی، آج بھی ایسا ہی ہے۔بائبل اگر چہ اللہ کی کتاب تھی مگر لوگوں نے اس میں اس قدر تحریف کی کہ اب معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اللہ کا کلام کون سا ہے اور لوگوں کے لکھے ہوئے فقرے کون سے ہیں۔اور ایسے حالات میں برٹانیکا کا مقالہ نگار بائبل کے ایک بیان کا تقابل قرآن سے کرتا ہے اور اُسے یہ کہتے ذرا بھی شرم نہیں آتی کہ جو بات بائبل میں موجود نہیں وہ قرآن میں کیوں آئی ہے۔حالانکہ واضح طور پر قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے کہ ہامان فرعون ہی کا وزیر تھا ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا
هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحاً۔

القرآن الحکیم (سورۃ القصص 38/28)

ترجمہ؛

"اور فرعون نے کہا: اے سردارانِ قوم مجھے اپنے سوا کوئی معبود معلوم نہیں، پس اے ہامان گیلی مٹی پر آگ روشن کر کے میرے لیے ایک محل تعمیر کرو"۔

پھر یہ بھی تو ایک بے سروپا بات ہے کہ دنیا میں ایک نام کے دولوگ نہیں پائے جاسکتے۔اسی طفلانہ مفروضے پر مبنی وہ بات کہی گئی جسے برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھ رہا ہے۔پھر واقعہ یہ ہے کہ اسویرس کے جس نام نہاد وزیر کا تذکرہ برٹانیکا کے مقالہ نگار نے کیا ہے اُس کے متعلق مقالہ نگار کا مطالعہ بھی انتہائی محدود ہے۔یاد رہے کہ وہ قصہ جس کو لے کر برٹانیکا کا مقالہ نگار قرآن جیسی عظیم کتاب پر طعن رکھ رہا ہے اُس کا ذکر صرف ایک مشتبہ کتاب میں ملتا ہے جس کو نصاریٰ کی اکثریت سرے سے بائبل ماننے کے لیے ہی تیار نہیں۔اُس کا تذکرہ آستر (Aporcyphal book) نامی کتاب میں ملتا ہے [25*]۔پروٹسٹنٹ فرقہ اس کتاب کو بائبل قرار دینے کے لیے تیار نہیں۔باقی رہے کیتھولک جو اس کتاب کو کم از کم بائبل تو قرار دیتے ہیں۔تب بھی اس کتاب میں ہامان کا ذکر اس قدر واضح نہیں کہ اُسے قرآن کے مقابلے پر رکھا جاسکے۔اس لیے کہ اول تو یہ کتاب ہی مشکوک ہے، دوم یہ کہ اس کتاب میں ہامان کا نام کہیں تو ہامان لکھا ہے کہیں امان لکھا ہے تو کہیں ایمان لکھا ہے۔پھر جہاں قرآن میں واضح طور پر ہامان کو فرعون کا وزیر قرار دیا گیا وہاں استر نامی کتاب میں ہامان نامی شخص کا عہدہ بھی واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا بلکہ کہیں صدر دربار اور کہیں وزیر لکھا گیا ہے۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقالہ نگار کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ قرآن میں بیان کیے گئے ہامان کے واقعہ

کا اس واقعے سے کوئی تعلق بھی ہے۔ پھر ایک اور چیز نگاہ میں رکھیں کہ اِن دونوں واقعات میں زمانی بُعد بھی پایا جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے بیان فرمایا ہے کہ فرعون نے ہامان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس کے لیے ایک بلند و بالا محل تعمیر کرے تا کہ وہ حضرت موسیٰ کے خدا کو جھانک سکے۔ نیز قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہامان آخر وقت تک فرعون کا پسندیدہ وزیر رہا اور اسی کے ساتھ غرق ہوا۔ جبکہ کتاب استر میں جس ہامان کا تذکرہ ہے اُس کی طرف اس نوعیت کا کوئی واقعہ درج نہیں کیا گیا۔ تاہم اس قدر ضرور معلوم ہوا ہے کہ یہ واقعہ بخت نصر کے حملے کے بعد کا ہے اسی لیے ہم نے کہا کہ مقالہ نگار نے زمانی بعُد کو بھی نظر میں نہیں رکھا یا شاید وہ اس کے بارے میں جانتا ہی نہیں۔

جس شخص نے کتاب استر کا سرسری سا مطالعہ بھی کیا ہو وہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ استر کے اس قصے کا ہامان کے قرآنی واقعے سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں بنتا۔ اگر واقعتاً ہامان کے تذکرے میں استر والے ہامان کا اشتباہ لگا ہوتا تو دونوں قصوں میں کہیں تو کوئی مماثلت پائی جاتی۔ ہامان کا جو واقعہ قرآن نے بیان کیا ہے وہ کسی حقیقی بائبل میں موجود نہیں اور استر میں ہامان کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے قرآن میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا بلکہ اُن کی تاریخ اور مسلمانوں کی تاریخ و روایت میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ دو ہمنام اشخاص کو دیکھ کر اشتباہ لگنے کا یہ فلسفہ عہد حاضر کے عیسائی اور یہودی مستشرقین کو ہمیشہ صرف قرآن اور اسلام کے معاملات میں ہی یاد آتا ہے بائبل میں جو سینکڑوں ہم نام لوگوں کا ذکر ہے اُن کے بارے میں انھیں کبھی اشتباہ نہیں لگتا۔ اللہ اِن لوگوں کو ہدایت دے جو کلام اللہ سے کیڑے نکالنے میں اپنی عمریں ضائع کر رہے ہیں۔

اسی طرح ایک اور مستشرق (F Bohal) صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن نازل ہونے کے اولین عہد میں چونکہ مسلمان قرآن کو لکھتے نہ تھے بلکہ صرف زبانی یاد کرتے تھے اس لیے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ بہت سی آیات اُن کے حافظے سے محو ہوگئی ہوں اور محفوظ نہ رہ سکیں۔ اِن خیالات کا

اظہار اُس نے اپنی ایک کتاب میں کیا ہے[*26] ۔ اپنی کتاب میں اُس نے قرآن حکیم کی دو آیتیں مثال کے طور پہ پیش کی ہیں جو اُس کے استدلال کو مستحکم کرتی ہیں ۔آیات ذیل میں تحریر کی جاتی ہیں ۔

سَنُقْرِؤُكَ فَلَا تَنسَى (6) إِلَّا مَا شَاء اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى (7)

القرآن الحکیم (سورۃ ال اعلیٰ 7/87)

ترجمہ؛

''ہم آپ کو پڑھائیں گے، پھر آپ نہیں بھولیں گے، مگر جو اللہ چاہے''۔

دوسری آیت یہ ہے۔

مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّهَ عَلَىَ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (106)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 106/2)

ترجمہ؛

''ہم جس آیت کو منسوخ کریں گے یا بھلا دیں گے اُس کی جگہ ہم اس سے بہتر یا اسی جیسی آیت لے آئیں گے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے''۔

پہلے بھی ہم ذکر کر چکے ہیں مستشرقین ایک خاص قبیلہ ہے اُن کی ذہنیت اعمال اور نیت ایک ہی ہے

چاہے وہ امریکہ میں بیٹھا ہو یا ناروے میں اسٹریلیا میں بیٹھا ہو یا کینڈا میں انگلینڈ میں بیٹھا ہو یا سویڈن میں، وہ اپنے اسلوبِ بیان سے پہچانا جائے گا کہ یہ مستشرق ہے اور اس نے چاند پر تھوکنے کا پیشہ اپنایا ہوا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس عہد میں استشراق ایک علمی تحقیقی روایت کے بجائے ایک پیشہ بن چکا ہے اس لیے کہ اہل مغرب مستشرقین کو بہت پیسا دیتا ہے کہ خدا کے لیے کہیں سے تو کوئی کوڑی لاؤ جو قرآن کو جھوٹا ثابت کر سکے کبھی تو ثابت کردو کہ رسول اللہ ﷺ کا دعویٰ نبوت جھوٹا تھا۔ وہ مسلمانوں کی اخلاقی اور تہذیبی استحکام سے خائف ہے وہ جانتا ہے کہ کیمونزم کی رخصتی کے بعد اب صرف قرآن ہے جو اُن کی کھوکھلی تہذیبی وتمدنی برتری کو چیلنج کرسکتا ہے اس لیے ایک بہت بڑا طبقہ اس کام میں منہمک ہے اور حکومتوں کا پیسہ اُن کی پشت پر ہے۔

آیئے اب F- Bohul کے جھوٹے تخیل کا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں۔ جو شخص اسلوبِ قرآن سے ادنیٰ سا تعلق بھی رکھتا ہے وہ اس اعتراض کی لغویت کو محسوس کرسکتا ہے اس لیے کہ دونوں آیتوں میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اہل مکہ قرآن کو بھول جاتے تھے یا وہ قرآن لکھتے ہی نہ تھے حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ مکہ میں قرآن لکھا جاتا تھا اسی لیے تو حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے جو حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو قرآن پڑھا رہے تھے جب دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ آگئے ہیں تو انھوں نے قرآن کے اُس صفحے کو اپنی ران کے نیچے چھپا لیا جس پر سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔

ازاں بعد ہم دیکھتے ہیں کہ بہل کی طرف سے پیش کی گئی آیات میں صرف یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس آیت کو منسوخ کریں گے اُس کی جگہ اس سے بہتر یا اسی جیسی کوئی آیت لے آئیں گے۔ چنانچہ سورہ الاعلیٰ کی جو آیت بہل نے پیش کی ہے اُس کا شان نزول یہ ہے کہ جب حضرت جبرائیلؑ قرآن حکیم کی آیات لے کر رسول اللہ ﷺ پر اترتے تو نبی اکرم ﷺ اس خدشے کے پیش نظر کہ آپ ﷺ اِن آیات کو بھول نہ جائیں انھیں جلدی جلدی دہرانے لگتے جس سے آپ ﷺ کو شدید محنت کرنی پڑتی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ہماری طرف سے نازل کردہ

آیات کومت دہرایا کریں اس لیے کہ یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم انھیں آپ کو یاد کرا دیں۔آپ اِن آیات کونہیں بھولیں گے ہم نے قرآن نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (9)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجر 9/15)

ترجمہ؛

''ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔

جہاں تک آیات کے منسوخ کرنے اور اُن کی جگہ دوسری آیات لے آنے کا تعلق ہے تو بہل کی پیش کردہ آیت میں ہی اس بات کا اشارہ بھی موجود ہے کہ ''جس طرح اللہ چاہے'' سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی آیت کو منسوخ کریں گے تو وہ خود بخود آپ کے حافظے سے محو ہو جائے گی۔لہٰذا بہل کی طرف سے پیش کی جانے والی دونوں آیات سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض آیات کو جب اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرما دیا تو اُن کی کتابت کو مٹانے کا حکم تو دیا ہی گیا مگر ساتھ ہی اِن آیات کو رسول اللہ ﷺ کے حافظے سے بھی محو کر دیا گیا۔ورنہ جہاں تک غیر منسوخ آیات کا تعلق ہے تو اُن کے بارے میں تو صراحتاً فرما دیا گیا ہے کہ اللہ اُن کی حفاظت کرنے والا ہے اور وہ آپ کو کبھی نہ بھولیں گی۔جہاں تک کا بہل کا یہ کہنا ہے کہ مکہ میں قرآن نہیں لکھا جاتا تھا تو اس سے قبل ہم حفاظت قرآن کے ضمن میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ مکہ میں قرآن لکھا

جاتا تھااوراس میں کسی کوشک نہیں ہونا چاہیے۔بہل کی پیش کردہ آیات پرغور کیا جائے تو یہی آیات بہل کے استدلال کے بالکل برعکس محسوس ہوتی ہیں اوراُس کے تخیل کا قطعی ساتھ نہیں دیتیں۔

مستشرقین کی ہزرہ سرائیوں کا تذکرہ جاری ہے ۔آیئے دیکھتے ہیں کہ ایک برطانوی مستشرق Margoliouth نےقرآن حکیم کے غیرمحفوظ ہونے کاواویلا بپا کیاتو آخرکیوں؟

وہ کہتا ہے کہ بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات قرآن کی آیات بھول جایا کرتے تھے۔اپنے استدلال کے ثبوت میں اُس نے صحیح بخاری سے حضرت عائشہ ؓ کی یہ روایت درج کی ہے۔

''حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ ایک بار جب رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے تو آپ کے قریب ہی ایک صحابی نماز ادا کر رہے تھے۔جب وہ صحابی قرآن پڑھ رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا!

''رَحِمَهُ اللّٰهُ ، لَقَدْ اَذْكَرَنِيْ اٰيَةً كُنْتُ اَنْسَيْتُهَا''

اللہ اس شخص پر رحم کرے انھوں نے مجھے ایک ایسی آیت یاد دلا دی جسے میں بھول چکا تھا''۔

چنانچہ اس روایت کی آڑ لے کر Margoliouth دراصل یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ ایک آیت بھول سکتے ہیں تو اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ آپ کو کوئی آیات بھول چکی ہوں۔مارگولیتھ نے یہ بات اپنی ایک کتاب میں بیان کی ہے[27*]۔

یہ بھی اُسی قبیل کا ایک اعتراض ہے جن کا تذکرہ اِن صفحات میں کیا جا رہا ہے۔ایک معمولی سمجھ بوجھ کا حامل شخص بھی اس بات کو جان سکتا ہے کہ مذکورہ بالا روایت کے متعلق زیادہ سے زیادہ صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ بسا اوقات ایک بات انسان کو یاد تو ہوتی ہے مگر چونکہ عرصہ دراز تک اُس کا ذکر نہیں ہوتا تو اُس کی طرف خیال بھی نہیں جاتا اس لیے وہ ذہن میں مستحضر نہیں رہتی۔ جب کوئی شخص اُس کا ذکر چھیڑتا ہے تو وہ فوراً حافظے میں تازہ ہو جاتی ہے اور انسان یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ اس بات کو کبھی بھولا ہی نہ تھا۔ہمارے ساتھ عام زندگی میں بھی ایسا ہوتا ہے ہر آدمی اس سے آشنا ہے کہ بعض اوقات جب کبھی وہ اپنے کسی پرانے ہم جماعت سے ملتا ہے تو وہ اس کو فوراً پہچان لیتا ہے اگرچہ فوری طور پر اُس کا نام ذہن میں نہیں آتا۔اگرچہ کچھ ہی دیر میں اُس کا نام بھی یاد آ ہی جاتا ہے۔یہی معاملہ یہاں بیان کیا گیا ہے جس کو بڑھا کر مارگولیتھ نے افسانے کا رنگ دے دیا ہے اور یہ مستشرقین کی پرانی عادت ہے اور ہم اپنے قارئین کو اُن کے طریقہ واردات سے آگاہ کرتے رہے ہیں۔چنانچہ اس طرح کی کسی بات کو بنیاد بنا کر رسول اللہ ﷺ پر نسیان کا الزام لگانا انتہا درجے کی بے انصافی ہے اگرچہ ہم بار بار بیان کر چکے ہیں کہ مستشرقین پرلے درجے کے بے عدل ہیں اور جھوٹ ہی اُن کا پیشہ ہے۔

یہ محض تعصب ہے اس لیے کہ اگر مارگولیتھ کی نیت درست ہوتی اور وہ اپنی پیش کردہ اس روایت کو بصیرت اور انصاف کی نگاہ سے دیکھتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ اس روایت سے اگر واقعی کوئی بات ثابت ہو رہی ہے تو وہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کا اس قدر کڑا اہتمام فرمایا ہے کہ اس کی کسی آیت کے گم ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔کیونکہ خود مارگولیتھ ہی کی پیش کردہ روایت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قرآن حکیم کی ایک ایک آیت اتنے بے شمار افراد کو یاد تھی کہ اگر کوئی آیت اتفاق سے کسی صحابی کے حافظے سے یا خود رسول اللہ ﷺ کے حافظے سے محو ہو جائے تب بھی اس کے گم ہونے جانے کا کوئی خدشہ نہیں اس لیے کہ اگر ایک کو نہیں تو دوسرے کو دوسرے کو نہیں تو تیسرے کو تیسرے کو نہیں تو چوتھے کو وہ آیت ضرور یاد ہوگی۔اس کے علاوہ مارگولیتھ شاید اس بات کو

بھول گئے ہیں کہ صحابہ کے پاس قرآن کی ایک ایک آیت لکھی ہوئی محفوظ تھی۔

یہی Margoliouth D S ہے اور اپنی اُسی کتاب Incyloopaedia of Religion and Ethics میں آگے جا کر ایک اور اعتراض اٹھاتا ہے اور شان قرآن میں گستاخی کی ناکام کوشش کرتا ہے[28*]۔ وہ کہتا ہے کہ چونکہ قرآن لکھا ہوا نہ ہوتا اس لیے قرآن کی آیات ایک دوسرے سے بدل جاتیں۔ یا انھیں تحریر کرتے وقت کچھ تبدیلی ہو جاتی۔ یا شاید وہ کہنا چاہتا ہے کہ ایک ہی آیت بعض اوقات کئی کئی بار درج ہو جاتی۔ اُس نے کہا کہ ایک ہی بات کو بیان کرتے ہوئے ایک جگہ اور الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور دوسری جگہ اور الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب وہ آیت دوسری بار نازل کی گئی تب پہلی بار نازل کی گئی آیت کے الفاظ گم ہو چکے تھے جن آیات کے بارے میں مارگولیتھ نے یہ جاہلانہ استدلال وضع کیا ہے انھیں ہم تحریر کیے دیتے ہیں تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يُكَفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ۔

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 140/4)

ترجمہ:

”اور اللہ تم پر قرآن میں یہ اتار چکا ہے کہ جب تم (کسی مجلس میں) اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر اور استہزا ہوتا ہوا سنو تو تم اُن کے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں“۔

یہ مدنی آیت ہے اور اس میں سورۃ انعام کی جس مکی آیت کا حوالہ دیا گیا وہ مندرجہ ذیل ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوضُونَ فِيْ آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُواْ فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهِ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 68/6)

ترجمہ؛

"اور جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کرتے ہیں تو اُن لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں"۔

مارگولیتھ کا یہ استدلال بدیہی طور پر اس قدر غلط ہے کہ اس کا جواب دیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے اس لیے کہ اگر سورہ نساء کے نزول کے وقت سورہ انعام کی مذکورہ آیت کے الفاظ بقول مارگولیتھ گم ہو گئے تھے تو پھر بعد میں وہ قرآن حکیم میں کیسے درج ہوئے اور اگر سورہ انعام کے اصل الفاظ محفوظ نہ ہوتے تو قاعدے کا تقاضا تو یہ تھا کہ بعد میں لکھنے والے سورہ انعام میں بھی وہی الفاظ لکھتے جو سورہ نساء میں مذکور ہیں، اِن دونوں آیتوں کا لفظی اختلاف تو درحقیقت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں آیتوں کے الفاظ ہمیشہ سے پوری طرح محفوظ اور غیر متبدل رہے ہیں اور اُن میں کسی کے قیاس وگمان کو کوئی دخل نہیں رہا۔ کیونکہ اگر قرآن کریم کی کتابت قیاس اور اندازے سے ہوتی تو اِن دونوں آیتوں کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

علاوہ ازیں سورہ انعام کی جس آیت پر مارگولیتھ نے کلام کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت لکھی ہوئی نہ تھی تو یہ مارگولیتھ کی کم علمی ہے ورنہ اسے معلوم ہوتا کہ سورہ انعام ایک ہی بار پوری کی پوری نازل ہو ئی تھی اور اس میں یہ آیت بھی موجود تھی جو مارگولیتھ کے دعویٰ سے ہوا نکالنے کے لیے کافی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَهَـٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ انعام 92/6)

ترجمہ؛

''اور یہ (قرآن) بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، جو بڑی برکت والی کتاب ہے اور اپنے سے پہلے (نازل شدہ) کتابوں (توراۃ وانجیل) کی تصدیق کرنے والی ہے''۔

اِس آیت میں قرآن کے لیے لفظ کتاب لکھا گیا ہے، اگر سورہ انعام کے نزول کے وقت تک قرآن کریم کو لکھنے کا معمول نہ تھا تو اسے کتاب کہنے کا کیا مطلب؟

حقیقت یہی ہے کہ مارگولیتھ کا یہ اعتراض بھی بالکل بے بنیاد، لغو اور اُس تعصب وعناد کی پیداوار ہے تو عام طور پر مستشرقین کی پہچان رہی ہے۔

چند صفحات بعد مارگولیتھ نے صحیح بخاری کی ایک اور حدیث لی اور اُس پر یہ افسانہ تیار کرنے کی کوشش کہ قرآن محفوظ کتاب نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث کے مطابق حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اُن سے کچھ آیات گم ہو گئیں تھیں۔ جس روایت کا ماگولیتھ نے حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے۔

یہ روایت مسنداحمد کے باب مسنداتِ عائشہؓ میں یہ روایت درج کی گئی۔

عن عائشۃ زوج النبی صلے علیہ وسلم قالت لقد انزلت اٰیۃ الرّجم ورضعات الکبیر عشراً فکانت فی ورقۃ تحت سریر فی بیتی فلمّا اشتکیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تشا غلنا بأمرہ ودخلت دویبۃ لنا فا کلتھا ۔[*29]

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رجم کی آیت اور بڑے آدمی کے دس رضعات کی آیات نازل ہوئی تھیں ،یہ آیتیں میرے گھر میں ایك تخت کے نیچے کاغذ پر لکھی ہوئی تھیں ، جب آنحضرت محمد ﷺ کو مرض وفات کی تکلیف ہوئی اور ہم آپ ﷺ کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے تو ہمارا پالتو جانور آیا اور اُس نے وہ کاغذ کھا لیا "۔

ذخیرہ احادیث میں اس حدیث کی حیثیت،اس کی صحت،اس کے راویوں پر بحث ہمارا موضوع نہیں ہے۔ورنہ اہل علم نے ایسی حدیثوں پر کلام کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ذخیرہ احادیث بہت کچھ ایسا ہے جو موضوع ہے اور توجہ کے لائق نہیں ۔حقیقت یہ ہے کہ ایسی روایت ہی نے مستشرقین کے حوصلوں کو بلند کیا ہے اور انھیں مواقع فراہم کیے ہیں کہ وہ اسلام کی سفید اور اجلی چادر پر کیچڑ اچھالیں ۔آیئے اب دیکھتے ہیں کہ مارگولیتھ نے اس روایت کی بنا پر شانِ قرآن پر جو اعتراض کیا ہے اُس کی علمی حیثیت کیا ہے۔علماء تاریخ نے بیان کیا ہے کہ اس روایت میں حضرت عائشہؓ نے جن آیات کا ذکر کیا ہے وہ باجماع امت وہ آیتیں ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے ۔خود حضرت عائشہؓ بھی اِن آیات کے منسوخ التلاوۃ ہونے کی قائل ہیں۔لہٰذا اگر یہ روایت درست ہے اور اگر واقعتاً حضرت عائشہؓ نے کسی کاغذ پر کچھ آیات لکھی ہوئی تھیں تو اُن کا منشا سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ

ایک یادگار کے تحفظ کی خواہشمند تھیں۔ تاہم اگر وہ آیات قرآن جز تھیں تب حضرت عائشہؓ سمیت سینکڑوں صحابہ کو زبانی یاد ہوں گی اگرچہ باصراحت بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ وہ آیات تھیں جن کی تلاوت کو منسوخ کر دیا گیا تھا اور اُن کی جگہ نئے احکامات قرآن حکیم میں اتارے جا چکے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود حضرت عائشہؓ کے نزدیک یہ آیات محض ایک علمی یادگار کی حیثیت رکھتی تھیں اور قرآن حکیم کی دوسری آیات کی طرح اس کو مصحف میں درج کرنے کا کوئی اہتمام اُن کے پیش نظر بھی نہ تھا لہٰذا اس واقعہ سے قرآن حکیم کی حفاظت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

بعض مستشرقین نے شانِ قرآن میں کمی کرنے کے لیے صحیح بخاری کی اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے جس میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی گئی ہے۔ اس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں چار افراد نے قرآن اکٹھا کیا۔ مستشرقین نے کہنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں میں بس یہی چار لوگ تھے جن کو قرآن زبانی یاد تھا۔ حالانکہ جو روایت مستشرقین نے پیش کی ہے اُس میں سرے سے ایسی کوئی بات ہی نہیں۔ روایت ذیل میں تحریر کی جاتی ہے۔

صحیح بخاری کی اس روایت کے روای حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ہیں:

''سألتُ انس بن انس بن مالك رضی اللہ عنه من جمع القراٰن علیٰ عهد صلی اللّٰه علیه وسلم، قال اربعة کلهم من الانصار، اُبی بن کعبؓ و معاذ بن جبلؓ و زید بن ثابتؓ و ابو زیدؓ،

''میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں قرآن کریم کس نے جمع کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا؛ چار افراد نے جن میں ہر ایك انصار میں سے تھا، حضرت ابی

بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابن ثابتؓ اور حضرت ابو زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں"۔

اس روایت سے بعض لوگ یہ سمجھے ہیں کہ آنحضرت محمد ﷺ کے عہدِ مبارک میں قرآن حکیم کے حافظ بس یہی چار لوگ تھے۔ حالانکہ یہ خیال درست نہیں، حقیقت یہ ہے کہ احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ بہت سے صحابہ تھے جو حافظ قرآن تھے اِن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا، حضرت اُم سلمیٰ رضی اللہ عنہا، حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابوحلیمہ معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ، حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ، حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ لہٰذا حضرت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کی پوری جماعت میں صرف یہی چار لوگ تھے جن کو پورا قرآن زبانی یاد تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ روایت میں جن صحابہ کے نام لیے گئے ہیں اُن میں صرف وہ لوگ شامل ہیں جن کے پاس عہد رسالت میں ہی پورا قرآن تحریری طور پر لکھا ہوا موجود تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا پس منظر بھی مورخین کے ہاں محفوظ ہے چنانچہ علامہ بن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ

اوس وخزرج کے مابین باہمی مفاخرت کا دور چلا تو قبیلہ اوس کے حضرات نے اپنے اُن صاحب عزت افراد کے نام گنوائے جنھیں اسلام میں خصوصی مقام حاصل ہوا۔اس کے جواب میں بنوخزرج نے اپنی طرف سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ،حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ،حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ،حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ کے نام گنوائے اور کہا یہ ہمارے لوگ ہیں اور اِن میں سے ہر ایک کے پاس پورے کا پورا قرآن لکھا ہوا محفوظ ہے۔لہٰذا اس روایت سے صرف اس قدر بات واضح ہوتی ہے کہ بنو خزرج کے ہاں یہی چار لوگ تھے جن کے پاس لکھا ہوا قرآن پاک محفوظ تھا۔

مستشرقین نے اپنی عادت کے مطابق اس روایت کو شانِ قرآن کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی مگر ظاہر ہے اُن کے اس استدلال کو دس سال کا بچہ بھی قبول کرنے سے انکار کردے۔مستشرقین اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ ذخیرہ روایت سے کوئی ایسی روایت انھیں مل جائے جس کی بنا پر وہ ایک افسانہ تیار کرسکیں جو دین اسلام میں تذبذب پیدا کردے۔مگر جیسا کہ ظاہر ہے مستشرقین کی ہزار سالہ کوشش بھی اسلام کی عمارت میں ایک دراڑ تک نہیں ڈال سکی۔اگرچہ اس ضمن میں انھوں نے انتہائی جدوجہد کی ،جھوٹ بولنے کے نئے نئے طریقے دریافت کیے،علمی بدیانتی کے نئے نئے ریکارڈ بنائے ،اپنی بے عقلی کو زمانے پر آشکار کیا مگر سوال یہ ہے کہ اُن کے ہاتھ کیا آیا دنیا کی ذلت اور آخرت کا عذاب!!

اب نظر ڈالتے ہیں برطانوی مستشرق Motgomery Watt پر جو بہت دور کی کوڑی لائے ہیں جس پہ افسوس کرنے کی بجائے ہنسی نکلتی ہے۔اپنی ایک کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ معوذتین قرآن کا حصہ نہیں ہیں [30*]۔اس مغربی مستشرق نے اپنی عادت کے مطابق ذخیرہ حدیث سے ایک کمزور بلکہ شاذ روایت کو چنا اور اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا۔حالانکہ علم حدیث کا علم رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی

زندگی کا ایک ایک پل آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کے لیے آپ ﷺ کی بے شمار روایت کو محفوظ کیا۔ یہ ایک طویل تاریخی تسلسل تھا جس میں ہر طرح کی روایت منتقل کر دی گئی۔ علم حدیث بعد میں وضع ہوا اور مسلمانوں نے انتہائی مشکل علوم دریافت کئے اور اس بات کو متعین کرنے کے لیے یہ فلاں روایت کو درجہ حدیث پہ فائز کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ یاد رہے کہ اصول حدیث کے مطابق مسند احمد کی جس روایت کو اس مغربی مستشرق Motgomery Watt نے اپنی افسانہ طرازی کے لیے چنا ہے اُس کو تو حدیث کہا بھی نہیں جا سکتا بلکہ وہ محض ایک آثار ہے جو خبر واحد کے توسط سے حدیث کی کتابوں میں درج ہو گیا اور جب علوم حدیث دریافت ہو گئے تب ایسی تمام روایات کو مردود قرار دے دیا اور امت مسلمہ اس بات کو پورے وثوق کے ساتھ جانتی ہے کہ ایسی کسی روایت کی کوئی قانونی حیثیت ہے ہی نہیں جو علم روایت کی کڑی کسوٹی پر پوری نہ اترتی ہو۔

اس ضمن میں سے سب پہلے تو یہ جان لیں کہ اصل بات کیا ہے اس کے بعد مستشرق کے سوال کا جواب دیا جاتا ہے۔ اصل میں حقیقت صرف اتنی سی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس اُن کا جو ذاتی مصحف موجود تھا اُس میں انھوں نے قرآن حکیم کی اِن آخری دو سورتوں یعنی سورہ فلق اور سورہ والناس جن کو عام طور پر معوذتین بھی کہا جاتا ہے اپنے مصحف میں نہ لکھا تھا جس کی وجہ یہ تھی عام طور پر آج بھی مسلمانوں کو یہ دونوں سورتیں یاد ہوتی ہیں اور وہ تو عہدِ رسالت تھا جس میں لوگوں کو پورا پورا قرآن یاد تھا۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے محض اس لیے کہ انھیں تو یہ سورتیں ہمیشہ سے یاد ہیں اور ہمیشہ یاد رہیں گی اپنے مصحف میں لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ چنانچہ یہ بات کسی روایت میں نقل ہو گئی اور Motgomery Watt کو افسانہ بنانے کا موقعہ مل گیا۔

دراصل یہ بدمعاش لوگ ہیں، عیاری اور مکاری ہی اُن کا پیشہ ہے ورنہ وہ اسلامی علوم کا محقق ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر اتنا بڑا طعن رکھ رہا ہے تو اس کو یہ بھی یاد ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو اپنے مصحف میں سورہ فاتح بھی نہ لکھی تھی اس لیے کہ انھوں نے اس کی ضرورت

محسوس نہ تھی، کسی صحابی اُن سے دریافت کیا کہ انھوں نے اپنے مصحف میں سورہ فاتح کیوں نہیں لکھی تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر میں فاتح لکھتا تو پھر اسے ہر سورہ سے پہلے لکھتا جس سے اُن کی مراد یہ تھی کہ نماز کی ہر رکعت میں دیگر قرآن پڑھنے سے پہلے سورہ فاتح پڑھی جاتی ہے۔ Motgomery Watt جانتا تھا کہ اگر اُس نے یہ واویلا کیا کہ سورہ فاتح قرآن کا حصہ نہیں تو اُس کا بہت مذاق اڑایا جائے گا چنانچہ اُس نے سورہ فاتح کو تو بخش دیا مگر معوذتین کو جواز بنا کر فسانہ طرازی شروع کر دی۔ Motgomery Watt کے اس جاہلانہ تصور کو تو کسی بھی عقلی و نقلی دلیل کی پشت پناہی حاصل نہیں البتہ اُس کے اس موقف کو غلط ثابت کرنے کے سینکڑوں قرینے موجود ہیں جن میں سے ذیل میں صرف چند اشارات پہ اکتفاء کیا جاتا ہے۔

... حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو کبھی خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا کہ انیسویں صدی کا کوئی بدخواہ اُن پر اس طرح کا الزام لگائے گا۔ وہ پوری طرح اس بات کے قائل تھے کہ معوذتین قرآن کی آخری سورتیں ہیں۔ جن روایتوں کو اس افسانے کی بنیاد بنایا گیا ہے وہ سراسر غلط ہیں اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم کی جو متواتر قرائتیں منقول ہیں اُن میں معوذتین شامل ہیں۔ قرأت عشرہ میں سے حضرت عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت حضرت ابو عبدالرحمان سلمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت زر بن جیش رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابوعمر شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ اور یہ تینوں حضرت اس طریقہ قرأت کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جس طرح کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قرأت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ، اسود رحمۃ اللہ علیہ، ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ، مسروق رحمۃ اللہ علیہ، عاصم بن ضمرہ رحمۃ اللہ علیہ اور حارث رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ اس کے علاوہ قرأت عشرہ میں سے کسائی اور خلف کی قرائتیں بھی بالآخر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت پر ختم ہوتی ہیں۔ کیونکہ کسائی رحمۃ اللہ علیہ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور خلف رحمۃ اللہ علیہ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، اور اس بات میں امت کا اجماع ہے کہ قرأت عشرہ کی ساری اسانید دنیا بھر میں سب سے زیادہ قوی ہیں اور نسلاً بعد نسل تواتر سے امت

کو منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔صدیوں سے امت انھی طریقوں پر قرآن حکیم کی تلاوت کر رہی ہیں جو انھیں رسول اللہ ﷺ کے عہدِ زریں سے منتقل ہوا۔

... چنانچہ اس عظیم ترین علمی تسلسل کو جو صدیوں کی جدوجہد سے امت تک منتقل ہوا اُسے کسی خبر واحد کی بنا پر رد نہیں جاسکتا۔ بلکہ اصول حدیث کے عین مطابق اُس خبر واحد کو رد کر دیا جائے گا جو امت کے مستقل عموم کے خلاف ہو۔اسی قسم کے امکانات کو رد کرنے کے لیے محقق علماء اور محدثین کی اکثریت نے اِن روایتوں کو ضعیف،موضوع یا کم ازکم نا قابل قبول بتایا ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف یہ باطل خیال منسوب کرتی ہیں کہ وہ معوذتین کو قرآن کا حصہ نہ جانتے تھے جن علماء نے اس روایت کے رد میں کام کیا ہے اُن میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ،ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ،امام رازی رحمۃ اللہ علیہ،قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اور آخری عہد کے معروف محقق علامہ زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں[31*]۔

... بعض لوگوں کے ذہن میں سوال سر اٹھا سکتا ہے کہ Motgomery Watt نے جن روایت کا سہارا لیا ہے وہ آخر مسلمانوں ہی کے مدون سے حاصل کی گئی ہیں اور مستشرق کا یہ کہنا کہ اس روایت کے راوی مستحکم ہیں تو اس بات کا کیا جواب دیا جائے گا۔اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کو علم حدیث سے ادنیٰ سا تعلق بھی ہوگا وہ جانتا ہوگا کہ صرف راویوں کا ثقہ ہونا کسی روایت کے صحیح ہونے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ روایت کسی بھی قسم کی علت یا شاذ سے پاک ہو۔تمام محدثین کے نزدیک یہی اصول مستحکم ہے کہ صرف وہی روایت حدیث قرار پائے گی جو ہر قسم کے سقم سے پاک ہو۔چنانچہ اگر کسی روایت میں کوئی علت یا شذوذ پایا جاتا ہے تو روایوں کے ثقہ ہونے کے باوجود اِس روایت کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔اگر چہ اس ضمن میں ہمیں بہت سے محدثین کی پشت

پناہی حاصل ہے مگر ہم حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مقدمہ ''فتح الملہم'' سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جو ہمارے موقف کو مستحکم کرے گا۔

وہ فرماتے ہیں!

''پس حدیث معلل وہ حدیث ہے جس میں کوئی علت معلوم ہوئی ہو جو اس حدیث کی صحت کو مجروح کرتی ہو، باوجود یہ کہ ظاہری نظر میں وہ حدیث صحیح معلوم ہوتی ہے، اور یہ علت اُس سند میں بھی واقع ہو جاتی ہے جس کے روای ثقہ ہوتے ہیں۔ اور جس میں بظاہر صحت کی تمام شرائط موجود ہوتی ہیں ۔ اور اس علت کا ادراک علم حدیث میں بصیرت رکھنے والوں کو مختلف طریقوں سے حاصل ہو جاتا ہے۔ کبھی راوی کو منفرد دیکھ کر اور کبھی یہ دیکھ کر کہ وہ راوی کسی دوسرے راوی کی مخالفت کر رہا ہے اور اس ضمن میں دیگر بھی کئی قرائن موجود ہیں[32*]''۔

... علمائے حدیث نے اقسام حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حدیث کی بہت سی اقسام میں ایک قسم ہے ''حدیث شاذ''۔ شاذ حدیث اُس حدیث کو کہا جائے گا جس کے روای اگر چہ ثقہ ہوتے ہیں مگر وہ اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کے خلاف روایت کرتے ہیں اس لیے اُن کی روایت کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہی معاملہ اُن تمام روایتوں کے ساتھ ہے جن میں منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن کا حصہ نہ مانتے تھے۔ علمائے حدیث نے وہ تمام روایتیں جن میں یہ بات کہی گئی اُن کو مندرجہ ذیل قوانین حدیث کی بنا پر رد کیا گیا ہے۔

ا۔

یہ روایتیں معلول ہیں اور اِن کی سب سے بڑی علت یہ ہے کہ یہ تمام تر اُن متواتر قرأت کے خلاف ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔

۲۔

مسند احمد کی جس روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا گیا کہ انھوں نے کہا؛

اَنَّھُمَا لَیْسَتَا مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ

''معوذتین کتاب اللہ کا جز نہیں ہیں''

یہ فقرہ صرف عبدالرحمان بن یزید نخعیؒ سے منقول ہے، اُن کے علاوہ کسی اور نے اس جملہ کی نسبت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف نہیں کی۔ چنانچہ اصول احادیث کی رو سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ روایت متواترات کے خلاف ہے اس لیے اس روایت کو شاذ کا درجہ دیا جائے گا۔ اور محدثین کہتے ہیں کہ حدیثِ شاذ مقبول نہیں ہوتی۔

۳۔ چنانچہ اگر بالفرض اِن روایتوں کو صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی یہ بہر حال اخبارِ آحاد ہیں اور اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جو اخبارِ آحاد متواترات اور قطعیات کے خلاف ہوں وہ مقبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس معاملہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ عبدالرحمان بن یزید نخعیؒ کی خبر واحد کے مقابل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی متواتر قرأتیں حضرت عاصمؒ ، حضرت ابو عبدالرحمان سلمیؒ ، حضرت زر بن جیشؒ اور حضرت ابو عمر شیبانیؒ سے منقول ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی اِن متواتر قرأتوں کے مقابل عبدالرحمان بن یزید نخعیؒ کی خبر واحد یقیناً واجب الرد ہے اور اسی پہ امت کا اجماع ہے۔

اس باب میں مستشرقین کی اس خواہش پہ نگاہ کی جا رہی ہے کہ معاذ اللہ وہ کسی طرح قرآن کو جھوٹا قرار دے سکیں، قرآن سے تضاد تلاش کر سکیں، قرآن کو دنیا کی نظر میں مشکوک بنا سکیں، قرآن کی شان گھٹا سکیں مگر اللہ کی شان نرالی ہے، اللہ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا فیصلہ کیا تھا ورنہ اِن بدقسمتوں نے اپنی کتاب کا جو حال کیا تھا قرآن کا وہ اس سے زیادہ برا حال کرتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس بدبخت

قبیلے کو کوشش کرتے ہوئے ہزار سال بیت گئے مگر اس میدان میں سوائے ذلت کے اُن کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آیا۔ یہ سلسلہ تا حال جاری ہے اور یہ قبیلہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اس لیے کہ شیطان نے اِن لوگوں کو ورغلا لیا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی اِن لوگوں کے دلوں کی بیماری کا تذکرہ کیا گیا ہے جنھوں نے اللہ کے رسولوں اور حق کا انکار کیا۔ اِن لوگوں کے ہدایت سے رُک جانے کی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ چند آیات سے استفادہ کرتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ!

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قُرُوناً آخَرِينَ (42) مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ (43) ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّ مَا جَاء أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُم بَعْضاً وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ فَبُعْداً لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ (44) ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَى وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ (45) إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْماً عَالِينَ (46) فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ (47) فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ (48) وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ (49)

القرآن الحکیم (سورۃ المومنون 42.49/23)

ترجمہ؛

’’پھر ہم نے اُن کے (قوم ہود) بعد دوسری قومیں اٹھائیں، کوئی قوم نہ اپنے وقت سے پہلے ختم ہوئی نہ وقت پورا ہونے کے بعد ٹھیر سکی۔ پھر ہم نے پے در پے رسول بھیجے، جس قوم کے پاس بھی اُس کا رسول آیا اُس نے اُس کا انکار ہی کیا۔ اور ہم بھی ایک کے بعد ایک قوم کو ہلاک کرتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ اُن کو بس افسانہ ہی بنا کے چھوڑا۔ لعنت ہے اُن لوگوں پر جو (حق کو) جھٹلاتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ پھر ہم

نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ فرعون اور اُس کے اعیانِ سلطنت کی طرف بھیجا۔ مگر انھوں نے تکبر کیا اور اللہ کے رسول کا انکار کیا اور کہنے لگے؛ کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں، اور آدمی بھی وہ جن کی قوم ہماری غلام ہے پس انھوں نے دونوں کو جھٹلایا اور ہلاک ہونے والوں میں جا ملے اور موسیٰ کو ہم نے کتاب عطا فرمائی تا کہ لوگ اس سے رہنمائی حاصل کریں"۔

آگے مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

قَاتِلُواْ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ
اللّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِيْنُونَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُواْ
الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (29) وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّهِ
وَقَالَتْ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُونَ
قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ (30) اتَّخَذُواْ
أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ
إِلَّا لِيَعْبُدُواْ إِلَـهاً وَاحِداً لَّا إِلَـهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (31)
يُرِيْدُونَ أَن يُطْفِؤُواْ نُورَ اللّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ
كَرِهَ الْكَافِرُونَ (32) هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (33) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ إِنَّ
كَثِيْراً مِّنَ الأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن
سَبِيْلِ اللّهِ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِيْ سَبِيْلِ
اللّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ (34) يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ

فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ (35)

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 29.35/9)

ترجمہ؛

''جنگ کرو اہل کتاب کے اُن لوگوں کے ساتھ جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اُس کے رسول نے حرام کیا ہے اُسے حرام نہیں کرتے۔ اور دین حق کو اختیار نہیں کرتے۔ (اُن سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کے رہیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں اُن لوگوں کی دیکھا دیکھی جو اُن سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے۔ خدا کی مار اُن پر یہ کہاں سے دھوکا کھا رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ اُن کو ایک معبود کے سوا کسی اور کی بندگی کا حکم نہ دیا گیا تھا۔ وہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پاک ہے وہ اِن مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ لگے، وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام انسانوں پر غالب کر دے۔ خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو (جان لو کہ) اِن اہل کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا یہ حال ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ دردناک سزا کی خوشخبری دو اُن لوگوں کو جو سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی

پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے اُن کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور اُن سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ خزانہ جسے تم لوگ اپنے لیے جمع کرتے رہے ہو تو لو اب اس سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ لو"۔

آگے مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِن بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى
ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءكُمْ رَسُولٌ بِمَا
لاَ تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقاً كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقاً تَقْتُلُونَ (87)
وَقَالُواْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّه بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلاً مَّا يُؤْمِنُونَ
(88) وَلَمَّا جَاءهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُواْ
مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُواْ فَلَمَّا جَاءهُم مَّا عَرَفُواْ كَفَرُواْ
بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّه عَلَى الْكَافِرِينَ (89) بِئْسَمَا اشْتَرَوْاْ بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن
يَكْفُرُواْ بِمَا أنَزَلَ اللّهُ بَغْياً أَن يُنَزِّلُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ عَلَى مَن يَشَاءُ
مِنْ عِبَادِهِ فَبَآؤُواْ بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ (90)
وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُواْ بِمَا أَنزَلَ اللّهُ قَالُواْ نُؤْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا
وَيَكْفُرونَ بِمَا وَرَاءهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ
أَنبِيَاءَ اللّهِ مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (91) وَلَقَدْ جَاءكُم مُّوسَى
بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ (92) وَإِذْ
أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُواْ مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ
وَاسْمَعُواْ قَالُواْ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُواْ فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ

بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ
(93) قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الآخِرَةُ عِندَ اللّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ
فَتَمَنَّوُاْ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (94) وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَداً بِمَا
قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمينَ (95) وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ
النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُواْ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ
وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ وَاللّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ
(96)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 2/87.96)

ترجمہ؛

''ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔آخر عیسی ابن مریم کو روشن نشانیاں دے کر بھیجا اور روح پاک سے اس کی مدد کی۔ پھر یہ تمھارا کیا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمھاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی حکم لے کر تمھارے پاس آیا تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی۔ کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل محفوظ ہیں۔نہیں!

بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اِن کے کفر کی وجہ سے اِن پر اللہ کی پھٹکار پڑی ہے۔اس لیے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔اور اب جو ایک کتاب اللہ کی طرف سے اتاری گئی ہے تو اُس کے ساتھ اِن کا برتاؤ کیسا ہے؟ حالانکہ یہ کتاب اُس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو اُن طرف اس سے پہلے اتاری گئی ہے، اور باوجو یکہ اس کی آمد سے پہلے یہی لوگ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کے لیے اسی کی وساطت سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔مگر جب وہ چیز اِن کے پاس آ گئی جسے وہ اچھی طرح پہچانتے بھی تھے تو انھوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔خدا کی لعنت ہو اِن منکرین پر کیسا برا ذریعہ ہے جس

سے یہ اپنے نفس کی تسلی حاصل کرتے ہیں۔کہ جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے اس کو تو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بنا پر انکار کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے (وحی و رسالت) اپنے جس بندے کو چاہا نواز دیا۔لہٰذا اب یہ غضب برائے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں اور ایسے کافروں کے لیے ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اُس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اُس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے ہاں (یعنی قوم بنی اسرائیل کی طرف) اتری ہے۔اس دائرے سے باہر جو کچھ آیا ہے اسے ماننے سے وہ انکار کرتے ہیں حالانکہ وہی حق ہے اور وہ اس تعلیم کی تصدیق و تائید کر رہا ہے جو اُن کے ہاں پہلے سے موجود تھی۔

اچھا! (اے نبی) اِن سے کہو!

اگر تم اُسی تعلیم پر ایمان رکھنے والے ہو جو تمھارے ہاں آئی تھی تو اس سے پہلے اللہ کے اِن پیغمبروں کو (جو خود قوم بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے تھے) کیوں قتل کرتے رہے ہو؟ تمھارے پاس موسیٰ کیسی کیسی روشن نشانیوں کے ساتھ آیا تھا۔پھر بھی تم ایسے ظالم تھے کہ اس کے پیٹھ پھیرتے ہی تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا تھا۔پھر ذرا اُس میثاق کو یاد کرو جو طور کو تمھارے اوپر اٹھا کر ہم نے تم سے لیا تھا۔ہم نے تاکید کی تھی کہ جو ہدایات ہم دے رہے ہیں اُن کی سختی کے ساتھ پابندی کرو اور کان لگا کر سنو،تو تمھارے اسلاف نے کہا تھا کہ ہم نے سن لیا مگر مانیں گے نہیں۔اور اُن کی باطل پرستی کا یہ حال تھا کہ اُن کے دلوں میں تو بس بچھڑا ہی بسا ہوا تھا۔کہو! اگر تم مومن ہو تو یہ کیسا ایمان ہے جو تمھیں بُری باتوں کی طرف ہی کھینچتا ہے؟؟ اِن سے کہو اگر واقعی اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمھارے لیے ہی مخصوص ہے تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو؟

(مگر یقین جانو کہ) یہ کبھی ایسا نہیں کریں گے اس لیے کہ اپنے ہاتھوں جو کچھ کما کر انھوں نے اپنے آگے بھیجا ہے اس کا اقتضاء یہی ہے (کہ یہ سب وہاں جانے کی تمنا نہ کریں) اور اللہ اِن ظالموں کے حال سے خوب واقف ہے۔ تم انھیں سب سے بڑھ کر جینے کا حریص پاؤ گے حتیٰ کہ اس معاملے میں تو یہ مشرکوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اِن میں سے ایک ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح ہزاروں برس جئے، حالانکہ لمبی عمر اُن سے وہ عذاب تو دور نہیں پھینک سکتی۔ جیسے کچھ اعمال یہ کر رہے ہیں اللہ تو انھیں دیکھ ہی رہا ہے''۔

یہ محض کچھ آیتیں تھیں جنھیں اس ضمن میں منتخب کیا گیا حالانکہ اس ذہنیت کے لوگوں کی مذمت میں تو پورا قرآن بھرا پڑا ہے۔ دیکھیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوگئی اور قرآن کو آپ ﷺ کے قلب مبارک پہ نازل فرما دیا گیا تو اِس کلام مبارک میں اس بات کو بھی واضح کر دیا گیا کہ زمین کے سینے پر اب ہمیشہ صرف دو قسم کے لوگ ہی موجود رہیں گے ایک وہ جو آنحضرت محمد ﷺ اور اُس کتاب پر ایمان لائے ہیں جو آپ ﷺ پر اتاری گئی ہے اور دوسرے وہ جنھوں نے آنحضرت محمد ﷺ کی رسالت اور اُس کتاب کا انکار کیا جو آپ ﷺ پر اتاری گئی ہے۔ چنانچہ اللہ کی اس برحق خبر کے نتیجے میں آج دنیا میں انھی دو اقسام کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ لوگوں کی اکثریت نے آنحضرت محمد ﷺ کی رسالت اور آپ ﷺ پر اتاری جانے والی کتاب کا انکار کیا۔ تاہم ایک مہیب اکثریت اُن لوگوں کی بھی ہے جنھوں نے آنحضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا اور قرآن حکیم کو اللہ کی کتاب کے طور پر قبول کیا۔ ہم یہاں دوسرے گروہ کی ذہنیت پر بات کر رہے ہیں جنھوں نے اللہ کی کتاب مبارک کا انکار کیا اور خود کو اُن خوشخبریوں سے محروم کر لیا جو اس کتاب میں دی گئی ہیں یاد رہے کہ آج خطہ ارض پر بسنے والا کوئی بھی شخص جو کتاب اللہ کا انکار کرنے والوں میں سے ہے

مسلمانوں کے خلاف اپنے سینے میں بغض ضرور رکھتا ہے۔چاہے وہ ہندوستان کا ہندو ہو، ہندوستان کا سکھ ہو، جاپان کا بدھ ہو، امریکہ کا عیسائی ہو، اسرائیل کا یہودی ہو یا روس کا ملحد ہو، یہ لوگ دنیا کے بے شمار ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور فطری طور پر خود کو اُس گروہ میں شامل محسوس کرتے ہیں جنھوں نے آنحضرت محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کیا اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب سے منہ موڑا۔ یہ الگ بات ہے کہ اِن کافروں کی عظیم اکثریت نے اپنی زندگی کو اپنے نفس کے حوالے کیا ہوا ہے اس لیے وہ براہ راست مسلمانوں سے برسر پیکار نہیں ہیں۔

تاہم جیسا کہ اس مضمون میں ہم نے اپنے قارئین کو اِن لوگوں کی خبر دی ہے کہ علمی محاذ پر یہودیوں اور عیسائیوں کا ایک طبقہ اس کام میں مہنمک ہے کہ وہ دین حق کی اجلی چادر کو داغدار کر سکے۔اس کام کے لیے انھیں اپنی حکومتوں کی اخلاقی اور مادی پشت پناہی حاصل ہے۔اُن میں سے بہت ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں اسی کام میں لگا رکھی ہیں اور اُن کا مشن صرف ایک ہے کہ وہ شانِ قرآن میں کمی کر سکیں۔مثال کے طور پر دیکھیں کہ اُن میں سے ایک گروہ نے خود کو اس کام میں منہمک کیا ہوا ہے کہ وہ قرآن کو اس کی نزولی ترتیب کے مطابق استوار کریں اس کے بعد اس پر تنقید کریں۔

اس کام کا آغاز 1860ء میں (Noldeke) نے کیا جو ایک جرمن مستشرق ہے۔(William Muir) نے اس مشن کو آگے بڑھایا۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

اس کے بعد 1902ء میں (Hirschfold Hartwig) نے اس کام کو جاری رکھا اور قرآن پر ایک کتاب لکھی جس کا نام (New Researches into the composition and exegesis of the Qoran.) ہے۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

پھر(J-M Rodwell) نے قرآن حکیم کا ایک ترجمہ کیا جس میں اُس نے قرآن کو نزولی ترتیب کے تحت مرتب کرنے کی کوشش کی۔1953ء میں اُس کا یہ ترجمہ قرآن لندن سے شائع کیا گیا۔1938,39میں(Bell Richard)نے بھی اس ضمن میں نام پیدا کیا اور اپنی کتاب (Translation of the Quran.) پیش کی۔

یاد رہے کہ اِن سب کوششوں کے پس منظر کوئی علمی معرکہ سر کرنے کی خواہش نہ تھی بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم ابھی تک غیر مرتب کتاب ہے جسے وہ اپنی کوششوں سے مرتب کر دیں گے۔اللہ اِن پر لعنت کرے اور اُن کو اپنے مقاصد میں کبھی کامیابی حاصل نہ ہونے دے۔حقیقت یہ ہے کہ قرآن وہ سورج ہے جسے یہ بد بخت پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔نتیجہ ظاہر ہے کہ آخر میں اُن کے مقدر میں محض ذلت و رسوائی ہے اس لیے کہ شانِ قرآن میں کمی کرنے کی اُن کی کوششیں اگر ہزار سال تک ناکام رہی ہیں تو اُنھیں سوچنا چاہیے تھا مگر اس کے لیے بھی تو اللہ کی رضا ضروری ہے جو انھیں حاصل نہیں۔

علوم قرآن

اللہ کی ذات سب سے ارفع و اعلیٰ ہے،اسی نسبت سے اُس کا کلام بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیےمتعدد کتابیں نازل کیں۔مگرقرآن کودیگر کتابوں پر یہ برتری حاصل ہے کہ اللہ کی یہ کتاب انسانوں کے لیے ہدایت کا آخری صحیفہ ہے۔نزول قرآن کے بعد قیامت تک انسانوں کی ہدایت کے لیےبس یہی ایک کتاب ہےجس میں انسانوں کی رہنمائی کا مکمل اہتمام کیا گیاہے۔اللہ نے انسان کوعقل عطافرمائی ہےاوروہ اس عقل سے مدد لے کراللہ کی منشا کو پاسکتا ہے اوریہی وہ ارفع منزل ہےجس تک قرآن انسان کو لے جانا چاہتا ہے۔اب یہ بھی نہیں کہ کوئی شخص کتاب الٰہی کوکھولےاور ہدایت اس کی جھولی میں آگرے۔ہدایت کےاُس منصب تک پہنچنے کے کچھ شرائط ولوازم ہیں۔اللہ کی کتاب کھولنے کے کچھ اصول وضوابط ہیں اس کے بعدہی یہ کتاب اپنی ہدایت کوانسان پرآشکار کرتی ہے۔

ارشادباریٰ تعالیٰ ہے کہ!

الٓمٓ (1) ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (2) الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (3) والَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (4)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 1.4/2)

ترجمہ؛

”الف، لام، میم ۔ یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے پرہیز گار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی گئی تھیں اُن سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں“۔

یقینی بات ہے کہ قرآن کا اسلوبِ ابلاغ اچھوتا ہے اور معانی کی دنیا خدا کے جلووں کی دنیا ہے۔ کون ہے جو خدا کے جلووں کو انسانی زبان میں بیان کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں الفاظ ختم ہوتے ہیں وہیں سے معانی کا آغاز ہوتا ہے۔ ہم جب کسی معانی کو بیان کرتے ہیں تو دراصل ہم اِن کو بیان نہیں کرتے بلکہ اصل بیان کو کچھ گھٹا ہی دیتے ہیں اُن کے اوپر ایک لفظی پردہ ڈال دیتے ہیں۔ اس لیے کہ کسی بامعنی حقیقت کو کوئی شخص محض اس کے الفاظ سے نہیں سمجھ سکتا، ایک اندھا شخص کسی کے بتانے سے کبھی نہیں جان سکتا کہ گلاب کا پھول دراصل کیسا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص جس نے معنوی حقائق کو دیکھنے کی صلاحیت اپنے اندر نہ جگائی ہو وہ معنوی حقائق سے کبھی آشنا نہیں ہوسکتا چاہے وہ

ساری ڈکشنری کوزبانی یادکرلے۔خواہ"**قاموس المعانی**" کی تمام جلدوں کوازبرکرلے۔
اوپرپیش کی گئی آیات میں اسی امر کی طرف اشارہ کیا گیاہے کہ کتاب الٰہی ہدایت کے در اُسی شخص کے لیے کھولتی ہے،جس کے دل میں ہدایت حاصل کرنے کی خواہش ہو۔جواپنے اندرتقویٰ کی صفت رکھتا ہو،جس کوسچائی کی تلاش ہو،جس کا دل سچائی تک پہنچنے کے لیے بے قرار ہو۔جوراہ راست کا طالب ہو۔ایساشخص گویانصف راستہ طے کرچکاہے۔وہ اپنے اندر چھپے"عہدِالست" کی صداؤں کوسن رہا ہے۔وہ اپنے اندراس صلاحیت کو بیدار کرچکاہے جومعانی کی زبان کوسمجھتی ہے۔گویاایساشخص مادی دنیا کی بے رغبتی کی وجہ سے خود کوحقائق عالم سے اس قدرقریب کرلیتاہے کہ اُسے فرشتوں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگتی ہیں۔
قرآن صدائے فطرت کی تفسیر ہے اس لیے اس کوسمجھنے کے لیے لازم ہے کہ جتناممکن ہوانسان خودکو فطرت کے قریب کرلے۔ جب وہ اس منزل کو پالیتا ہے تب وہ اپنے اندر چھپے ہوئے ملفوف اشارات کوغیرملفوف زبان میں پالیتاہے۔قرآن کی اہم ترین صفت یہ ہے کہ وہ ہدایت کی کتاب ہے۔قرآن سچائی کادروازہ ہےقرآن کے ذریعہ ہی آدمی سچائی کی دنیامیں داخل ہوتاہے۔ہمارے پاس آنکھ ہےمگر جب تک تاریکی ہو یہ آنکھ کچھ نہیں دیکھ سکتی۔جب روشنی ہوتبھی یہ آنکھ دیکھنے کے قابل ہوتی ہےاورقرآن ایسی ہی روشنی ہے جوبصارت کوبصیرت سے بدل دیتی ہے۔قدیم عرب میں بہت سے لوگ تھے جوحق تک رسائی کے خواہش مند تھے،تب انھیں حنفاء کہاجاتاتھاآج انھیں حق کامتلاشی کہہ لیں۔اِن کی اندرونی طلب ایک چیز کی تلاش میں تھی جسے وہ کوئی نام بھی نہ دے سکتے تھےبس ایک بےکلی تھی جوانھیں پریشان رکھتی۔تاہم جب قرآن اتراتوانھوں نے جانا کہ یہی تو اُن کے دل کی آوازتھی۔انھوں نے بےتابی سے اس حق بات کوقبول کیاجواُن کے ذہن کے لیے اطمینان اورقلب کے لیےسکون کاباعث بن گیاتھا۔اسی طرح آج بھی زمین کے سینہ پربسنے والے کروڑوں لوگ ہیں جو بےکل ہیں بیقرار ہیں،حق کے متلاشی ہیں،مگرنہیں جانتے کہ حق کہاں ہے اوروہ اس کوکیسے پاسکتے ہیں۔اِن میں سے جب کسی شخص کوقرآن پڑھنے کاموقع ملتاہےتواُن کے

اندر سے آواز آتی ہے کہ یہی حق ہے۔مغرب خاص کر یورپ میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں حیرت انگیز تیزی اس وجہ سے ہے کہ لوگ اب قران کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں جو ابدی ہدایت ہے۔قرآن انسان کو اُن تمام سوالوں کے جواب دیتا ہے جو اُس کے سکون کو غارت کیے رکھتے ہیں اس لیے کہ انسان جب آنکھ کھولتا ہے تو دیکھتا ہے کہ سورج چمک رہا ہے سارے جہاں کو روشنی اور حرارت تقسیم کر رہا ہے مگر وہ ایسا کیوں کر رہا ہے اُس کو معلوم نہیں ہوتا؟

وہ دیکھتا ہے کہ ہوائیں اس کو آکسیجن فراہم کر رہی ہیں مگر وہ ایسا کیوں کر رہی ہیں کوئی نہیں جانتا؟

انسان دیکھتا ہے کہ جب وہ تھک جاتا ہے تو رات آجاتی ہے جو اس کے لیے راحت بخش نیند لے کر آتی ہے مگر ایسا کیوں ہوتا ہے کوئی نہیں جانتا؟

انسان سوچتا ہے کہ اُسے پانی کی ضرورت ہے اور وہ اپنے لیے پانی کی وافر مقدار پاتا ہے یہ اہتمام کس نے کیا ہے کوئی نہیں جانتا؟

وہ آسمان پر نگاہ ڈالتا ہے تو بادل امنڈے چلے آرہے ہیں جو اُس کو ایک لطیف احساس سے آشنا کرتے ہیں وہ جاننا چاہتا ہے کہ یہ بادل کہاں سے آئے ہیں اور کیوں آئے ہیں؟

انسان دیکھتا ہے کہ زمین کی سطح پر اونچے اونچے پہاڑ کھڑے ہیں مگر کسی بھی پہاڑ پر اُسے کوئی ایسا بورڈ دکھائی نہیں دیتا جس پر انسان کے اندر ابلتے اِن کائناتی سوالوں کا جواب لکھا ہو۔صرف قرآن ہے جو انسان کے اِن سوالوں کے جواب دیتا ہے،صرف قرآن ہے جو حقائق فطرت کا اعلان کرتا ہے صرف قرآن ہے جو انسان کو زندگی اور کائنات کے رازوں سے آگاہ کرتا ہے۔صرف قرآن ہے جو انسان کو اُس کی ابتدا اور اُس کی انتہا سب سے آگاہ کرتا ہے۔اور یہی وہ انسانی طلب ہے جو انسان کے اندر کی آواز ہے جس کے بغیر انسان خود کو نامکمل تصور کرتا ہے۔چنانچہ اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ ہدایت کے بغیر انسان جانور ہے۔انسان کے لیے حکم ہے کہ وہ خود کو جانوروں سے ممتاز کرے اور اس کے لیے اللہ کی کتاب اُس کی رہنمائی کرنے کے لیے موجود ہے مگر اس کتاب کے پیغام تک رسائی کے لیے انسان کے اندر سچائی کی تلاش کا جذبہ موجود ہونا بنیادی شرط ہے۔قرآن

اللہ کی کتاب ہے اور اس کتاب کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان یک سو ہو اُس کو راہ راست کی طلب ہو۔ قرآن عربی مبین میں نازل کیا گیا مگر دنیا میں اکثریت اُن مسلمانوں کی ہے جن کی مادری زبان عربی نہیں ہے۔ چنانچہ ایسے لوگوں نے جب کتاب اللہ سے براہ راست ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی تو انھیں اس میں بہت سی دِقتیں پیش آئیں۔ زبان کی دِقت کے علاوہ بھی بہت سے مسائل تھے جنھیں عجمی مسلمانوں نے حل کرنا تھا اس کے بعد ہی وہ لوگوں کے لیے پیغام قرآن کو آسان اور عام فہم زبان میں منتقل کر سکتے تھے۔

جدو جہد کے اس سارے تسلسل میں مسلمان جن مراحل سے گزرے اور انھوں نے قرآن سمجھنے کی راہ میں حائل مشکلات کو جن علوم کے سہارے عبور کیا۔ بعد میں یہی مراحل علوم القرآن کے عنوان سے مرتب ہوئے اور علوم القرآن کو بیان کرنا ہی اِن صفحات کا مقصد ہے۔ اس بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ علوم القرآن سے مراد وہ تمام علوم و معارف ہیں جو علماء کرام اور مفسرین قرآن اور مفکرین ملت نے گذشتہ پندرہ سو سال میں قرآن حکیم کے حوالے سے مرتب کیے ہیں۔ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسلمانوں کے مشہور فقیہ اور مفسر قرآن قاضی ابو بکر ابن العربی نے لکھا کہ مسلمانوں کے تقریباً سات سو علوم و فنون ہیں جو سارے کے سارے بالواسطہ یا بلاواسطہ سنت رسول اللہ ﷺ کی شرح ہیں اور سنت رسول قرآن حکیم کی شرح ہے اس اعتبار سے بلا کسی ادنیٰ تامل کے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں کے تمام علوم و فنون دراصل علوم قرآن ہی ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے تصور وحدتِ الہٰ اور تصور وحدتِ کائنات کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ وہ وحدتِ فکر کے بھی حامل ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی ابو بکر ابن العربی نے کہا کہ مسلمانوں کے علوم و فنون کو قرآن سے وہی نسبت ہے جو پتوں کو شاخوں سے ہوتی ہے شاخوں کو اپنے تنے سے اور تنے کو اپنی جڑ سے ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی جڑ قرآن میں ہے اس لیے مسلمانوں کے علوم و فنون کا اصل اور حقیقی ماخذ قرآن حکیم ہی ہو سکتا ہے سترہویں اور اٹھارویں صدی میں جب مسلمان بحیثیت امت سیاسی زوال کا شکار ہوا تو علمی زوال اس کا لازمی نتیجہ تھا جو سامنے آ کر رہا اور مسلمانوں کے علوم و فنون کی ہیت بدلنے لگی۔ آج مسلمانوں

کے پاس رائج الوقت تمام علوم وفنون اکثر و بیشتر مغربی ذرائع ومصادر سے پہنچے ہیں۔اِن سب علوم کی اساس اور اِن سب نظریات کی اٹھان ایک غیر اسلامی ماحول میں ہوئی اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ کئی صدیوں میں غالب تہذیب نے مسلمانوں کے علمی تصور کو متاثر کیا ہے۔تاہم کتاب اللہ کی موجودگی مسلمانوں کا مسلسل اپنے دین سے بندھے رہنے کا باعث بنی۔

دوسری طرف علمائے فکرو دانش کا ایک طبقہ اس کوشش میں مصروف عمل رہا ہے کہ وہ اپنے عصری علوم کو اسلام کی طرف جھکنے پر مائل کردے۔مگر مسلمان ابھی مکمل طور پر اس میں کامیاب نہیں ہوسکے یہی وجہ ہے کہ قرآنی علوم وفنون میں اور دور جدید کے مغربی علوم وفنون میں بہت سے مقامات پر ایک تعارض اور تناقص محسوس ہوتا ہے۔جدید تعلیم یافتہ ذہن جو مغربی علوم وفنون کی تعلیم پا کر مغربی تہذیب و ثقافت کے ماحول میں تیار ہوا ہے وہ بہت سے ایسے تصورات کو ایک منطقی اور بدیہی نتیجے کے طور پر قبول کرلیتا ہے جو قرآن کی نگاہ میں سرے سے نا قابل قبول ہیں۔اسی طرح بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو قرآن مجید کی نظر میں بدیہات میں شامل ہیں اور جن کو ماضی میں ایک صاحب ایمان شخص اصول موضوعہ کے طور پر قبول کرلیتا تھا اور آج بھی ایک مسلمان اِن پر پختہ ایمان رکھتا ہے وہ دور جدید کے نظریات اور تصورات کی روشنی میں مشکوک مشتبہ اور نا قابل قبول یا کم از کم قابل بحث وتقرار پاتی ہیں۔

جب ہم علوم قرآن کی بات کرتے ہیں تو ہمارے سامنے دو دائرے آتے ہیں۔ایک دائرہ تو وہ ہے جس میں وہ سارے علوم وفنون شامل ہیں جو مسلمانوں نے اپنے تصورِ حیات کے لیے قرآن وسنت سے اخذ کیے ہیں۔دوسرا دائرہ نسبتاً محدود مگر دقیق ہے اس لیے کہ یہ دائرہ سراسر علمی ہے اور صرف اِن امور تک محدود ہے جن کا تعلق براہ راست فہم قرآن سے ہے ہمارا موضوع دراصل اسی دائرے کے گرد گھومتا ہے۔وہ علوم وفنون جن کا تعلق تفسیر قرآن یا فہم قرآن سے ہے اِن فنون میں سے کسی ایک خاص فن میں توسیع تو ہوسکتی ہے لیکن نئے علوم اور نئے فنون جنم لینے کے امکانات قدرے محدود ہیں ۔اس لیے کہ قرآن مجید کے براہ راست مطالعہ اور تفسیر کے لیے جن امور اور معاملات پر غور کرنے کی

ضرورت ہے آئمہ اسلام نے اِن پر اس قدر تفصیل سے کلام کیا ہے کہ بہت تھوڑے سے پہلو ایسے رہ گئے ہیں جن میں کوئی نئی بات کہی جا سکے۔ موجودہ دلائل میں توسیع تو ہوسکتی ہے اِن میں کچھ گہرائی تو پیدا ہوسکتی ہے مگر کوئی مستقل اور بلذات نئی فکر سامنے آئے اس کا امکان بھی کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علوم القرآن کے اس دائرے میں توسیع واضافہ بہت کم ہوتا ہے۔ شاید صدیوں میں ایک آدھ ایسا صاحب علم سامنے آتا ہے جو اس باب میں کوئی نئی طرح ڈال سکے۔

علوم قرآن کے دائرے میں وہ بہت سے امور شامل ہیں جن کا تعلق براہ راست فہم قرآن سے ہے۔ اِن میں تاریخ نزول قرآن، تدوین قرآن کے مراحل، آیات اور سورتوں کا انداز انزال اور اسباب نزول وغیرہ شامل ہیں۔ علوم قرآن میں ترتیب نزولی بھی خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس لیے کہ ترتیب نزولی کو جانے بغیر احکام کے ارتقاء کو سمجھنا مشکل ہے۔ اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ کون سی آیت مکی ہے اور کون سی مدنی ہے۔ جیسا کہ قرآن کے متعلق ذرا سا علم رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ مکہ میں احکام کی نوعیت اور تھی اور مدینہ میں اور۔ مکی دور میں نازل ہونے والی بے شمار آیات ایسی ہیں جن کا مفہوم سمجھنے کے لیے انھیں مدنی سورتوں کے ساتھ ملا کر پڑھنا ضروری ہے۔

مثال کے طور پر دیکھیں کہ مکی سورتوں میں بیشتر جگہ یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ لست علیھم بمصیطر۔ یعنی آپ اُن کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

یعنی اگر قریش ایمان لاتے ہیں تو اُن کی مرضی ہے نہیں لاتے تو اس کا وبال اُن پر ہے۔ گویا یہ اظہار برأت ہے۔ لیکن مدینہ میں جب اسلامی حکومت قائم ہوگئی اور اللہ کی مدد سے رسول اللہ ﷺ کو انصار مدینہ کی معاونت بھی حاصل ہوگئی تو شہر مدینہ میں عملاً مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی جس میں یقیناً اُسی قانون کا عمل دخل ہونا تھا جسے قرآن میں اتارا جا رہا تھا اس لیے کہ اب صورت حال بدل گئی تھی اور ساتھ ہی اسلوب قرآن بھی تبدیل ہوگیا تھا بدر میں قریش کی بدترین شکست سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ نے شہر مدینہ کے یہودیوں سے میثاق مدینہ کرلیا تھا جس کی رو سے وہ احکامات اسلامی کے پابند ہوگئے تھے اگرچہ ہمیشہ کی طرح وہ بدعہد نکلے جس کی پاداش میں انھیں شہر مدینہ سے بے دخل کر

دیا گیا۔صدیوں سے علوم القرآن مسلمانوں کے ہاں بحث وتحقیق کا بنیادی محورر ہے ہیں۔خیال کیا جاتا ہے کہ چوتھی یا پانچویں صدی ہجری میں اس موضوع پر تصنیف وتالیف کا کام شروع ہوا۔اس موضوع پر لکھی جانے والی مسلمانوں کی چند معروف کتابوں کے نام ذیل میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن الجوزی ۔ فنون الافنان فی علوم القرآن

۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی ۔ اتقان فی العلوم القرآن

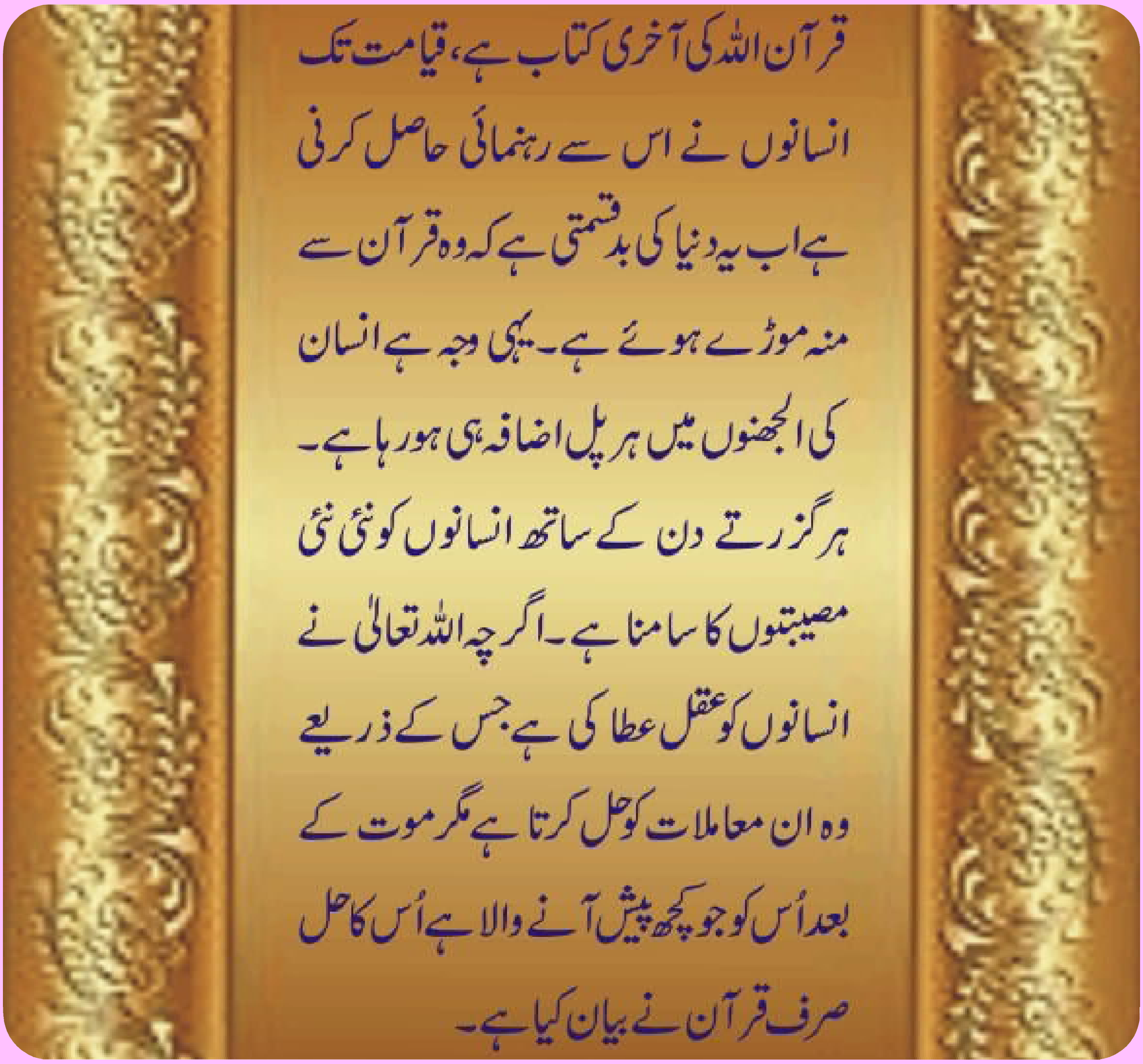
۳۔مولانا عبدالحق حقانی ۔ التبیان فی علوم القرآن

۴۔مولانا محمد مالک کاندھلوی ۔ منازل العفرفان فی علوم القرآن

۵۔مولانا محمد تقی عثمانی ۔ علوم القرآن

اِن علماء نے علوم القرآن میں جن نظائر کو اپنا موضوع بنایا ہے اور جن جن مقامات کی انھوں نے نشاندہی کی ہے وہی امت کا اثاثہ ہیں۔علوم القرآن وضع ہونے کے بعد بہت سا تفسیری کام سامنے آیا جن کا تذکرہ بعد میں کیا جائے گا یہاں ہم صرف علوم القرآن کے حوالے سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

❄❄❄


قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے، قیامت تک
انسانوں نے اس سے رہنمائی حاصل کرنی
ہے اب یہ دنیا کی بدقسمتی ہے کہ وہ قرآن سے
منہ موڑے ہوئے ہے۔یہی وجہ ہے انسان
کی الجھنوں میں ہر پل اضافہ ہی ہو رہا ہے۔
ہر گزرتے دن کے ساتھ انسانوں کو نئی نئی
مصیبتوں کا سامنا ہے۔اگرچہ اللہ تعالیٰ نے
انسانوں کو عقل عطا کی ہے جس کے ذریعے
وہ ان معاملات کو حل کرتا ہے مگر موت کے
بعد اُس کو جو کچھ پیش آنے والا ہے اُس کا حل
صرف قرآن نے بیان کیا ہے۔

فضائل قرآن

فضائل القرآن علوم القرآن کا ایک اہم موضوع ہے۔فضائل قرآن بیان کرنے سے پہلے ہم اس بات کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ قرآن کتاب ہدایت ہے مگر ہم نے اس سے ہدایت کے ماسوا بہت کچھ مانگا ہے اور یہ ہماری جہالت ہے اس لیے کہ کتاب ہدایت سے ہدایت کے ماسوا مانگنا ہدایت سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ ہمارے عہد میں جب مسلمان علمی زوال کا شکار ہے دوسرے بہت سے معاملات کی طرح قرآن حکیم کو سمجھنے میں بھی لوگوں کو اشتباہ لگا ہے ۔بہت سے لوگوں نے تو قرآن حکیم کو جھاڑ پھونک کی کتاب بنالیا ہے۔قرآن سے لوگ ایسی ایسی باتیں نکال رہے ہیں جن کے تذکرے سے بھی شرم آتی ہے۔ایک وقت تھا جب صحابہ اسی کتاب کو لے کر نکلے تو انھوں نے دنیا فتح کی مگر آج ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگوں نے قرآن حکیم کی بنا پر دوکان سجا رکھی ہے۔کوئی اس سے جن نکال رہا ہے تو کوئی دوسرا اس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال رہا ہے۔کوئی اس سے جادو کا توڑ کر رہا ہے تو کوئی تیسرا اسے اس لیے لہک لہک کر پڑھ رہا ہے کہ کسی نے اُسے اجرت پر قرآن پڑھنے کو کہا ہے تا کہ اس سے اُس کے والدین بخشے جائیں۔اس سے بڑھ کر اور کیا جہالت ہوگی کہ ہم نے اُس کتاب کو مذاق بنا دیا ہے جس کتاب پر عمل کرنے والوں نے دنیا پر ہزار سال تک حکومت کی تھی۔ہم اس کتاب

سے ہدایت حاصل کرنے سے انکاری ہیں،ہم اس کتاب کے احکامات پر عمل کرنے سے انکاری ہیں۔ہم شریعت مطہرہ کو اپنے معاشرے میں نافذ کرنے سے انکاری ہیں مگر ہم فضائل قرآن کے بڑے شائق ہیں۔ہم نقش سلیمانی سے دنیا فتح کرنا چاہتے ہیں،ہم قرآن کو پڑھنا نہیں چاہتے اُسے پانی میں گھول کر پینا چاہتے ہیں،ہم قرآن سے ہدایت کے متمنی نہیں بلکہ اسے بیماریوں سے شفا کی کتاب جانتے ہیں۔ہم اس کتاب کے پیغام تک پہنچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے اگرچہ ہمیں اس کتاب کو زبانی یاد کرنے کا بہت شوق ہے تاکہ معاشرہ ہمیں مذہبی فکر کے حامل لوگ سمجھے۔حقیقت یہ ہے کہ ہم اس کتاب کو سمجھے ہی نہیں۔ایک عظیم کتاب سے ہم نے کیا حاصل کیا،ہم اُس توپ سے مچھر مار رہے ہیں جس سے ہمیں دنیا فتح کرنا تھی،اللہ ہم پہ رحم کرے۔جہاں تک فضائل قرآن کا تعلق ہے تو ہم اس سے انکاری نہیں ہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے بعض سورتوں کے جن فضائل کو بیان کیا ہے ہم اُن کو مانتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔احادیث میں فضائل قرآن کے متعلق بہت کچھ بیان کیا گیا ہے۔خود امام بخاری نے صحیح بخاری میں فضائل قرآن کے عمومی عنوان کے تحت 37ابواب باندھے ہیں۔مستند اور معتبر احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ فضائل قرآن کے عنوان سے یکجا کر دیا ہے۔حدیث کے دیگر اماموں نے بھی فضائل قرآن کے عنوان سے روایات کو بیان کیا ہے۔امام بخاری کے علاوہ جن بزرگوں نے فضائل قرآن پر کتابیں لکھیں ہیں اُن میں امام نسائی (المتوفی 303ھ)،امام ابوبکر بن ابی شیبہ (المتوفی 235ھ) اور امام ابوعبید القاسم بن سلام کے نام شامل ہیں۔

خواص قرآن

علوم القرآن کے بہت سے پہلو ہیں جن میں سے ایک خواص القرآن بھی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ گویا یہ بھی فضائل قرآن ہی کی ایک ذیلی شاخ ہے۔اس عنوان کے تحت قرآن حکیم کی مختلف سورتوں یا مختلف آیات کے کچھ خاص اثرات کو بیان کیا گیا ہے یا یوں کہہ لیں کہ اِن آیات کی خصوصی برکات اور ثمرات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔مثلاً یہ روایت کہ زہر خورانی کا علاج سورہ فاتح ہے، یا یہ روایت کہ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہو وہاں شیطان داخل نہیں ہوسکتا۔یہ اس طرح کی دیگر بہت سی روایات ہیں جن کو سنجیدگی سے لینے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں۔اس لیے کہ اوپر یہ بیان گزر چکا ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے اور اِن امور سے بہت بلند و بالا مقاصد کی تکمیل کے لیے اتارا گیا ہے جو اِن روایات میں بیان کیا گیا ہے۔یہ وہ باتیں جو درحقیقت انسان کو اصل سے ہٹا دینے والی ہیں۔قرآن ہدایت کی کتاب ہے جس میں انسانی زیست کے لیے وہ دائرے متعین کیے گئے ہیں جن کے اندر رہنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اِن دائروں یعنی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے کو اس بات سے مطلع کر دیا گیا ہے کہ اب وہ خالق کے ذمہ سے باہر نکل گیا ہے اور اگر کوئی شخص خالق کی اطاعت کا فخر کھو بیٹھے تو اس کے بعد وہ جو چاہے کرے۔

اقسام القرآن

علوم العرب میں اقسام القرآن بھی شامل ہیں۔اس سے مراد وہ قسمیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مختلف مواقع پر کھائی ہیں۔علماء نے اس بات پہ غور وفکر کیا کہ اللہ تو تمام مخلوقات کا خالق ہے اللہ کو قسم کی کھانے کی کیا ضرورت ہے۔علماء اس حکمت کی تلاش میں رہے کہ اللہ نے یہ قسمیں کیوں کھائی ہیں۔بعض صاحب علم نے خاص اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔برصغیر کے مشہور عالم ومحقق مولانا حمید الدین فراہی نے خاص اسی موضوع پر **"الامعان فی الاقسام القرآن"** نامی بلند پایہ علمی کتاب لکھی ہے جس میں قرآن حکیم میں کھائی جانے والی قسموں کی وجہ بیان کی گئی ہے۔مولانا حمید الدین فراہی کی تحقیق بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن چند آیات پر ایک نگاہ ڈال لی جائے جن میں قسم کھائی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (1) وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (2) أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ (3) بَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ (4)

القرآن الحکیم(سورۃ القیامہ 1.4/75)

ترجمہ؛

”نہیں! میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی ،اور نہیں ، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی ، کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو جمع نہ کرسکیں گے؟ کیوں نہیں! ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک بنا دینے پر قادر ہیں“۔

سورہ مرسلات میں ہواؤں کی قسم کھائی گئی۔

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفاً (1) فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفاً (2) وَالنَّاشِرَاتِ نَشْراً (3) فَالْفَارِقَاتِ فَرْقاً (4) فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْراً (5) عُذْراً أَوْ نُذْراً (6) إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ (7)

القرآن الحکیم (سورۃ مرسلات 1.7/77)

ترجمہ؛

”قسم ہے اُن (ہواؤں) کی جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں، پھر طوفانی رفتار سے چلتی ہیں اور (بادلوں) کو اٹھا کر پھیلاتی ہیں، پھر (اُن کو) پھاڑ کر جدا کرتی ہیں، پھر دلوں میں (خدا کی یاد ڈالتی) ہیں عذر کے طور پر یا ڈراوے کے طور پر۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے“۔

سورہ النازعات میں فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے۔

وَالنَّازِعَاتِ غَرْقاً (1) وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطاً (2) وَالسَّابِحَاتِ سَبْحاً (3) فَالسَّابِقَاتِ سَبْقاً (4) فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْراً (5) يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ (6)

القرآن الحکیم (سورۃ النازعات 1.6/79)

ترجمہ؛

"قسم ہے اُن فرشتوں کی جو (کافروں کی جان) سختی سے نکالتے ہیں گویا اُن کا بند کھول دیتے ہیں۔اور جو گویا تیرتے ہوئے چلتے ہیں پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں اور ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں۔ہم اِن سب کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی اور اُس دن ہر ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالی جائے گی"۔

سورہ بروج میں آسمانوں کی قسم کھائی گئی ہے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ (1) وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ (2) وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ (3) قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ (4) النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ (5) إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ (6) وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ (7)

القرآن الحکیم (سورۃ البروج 1.7/85)

ترجمہ؛

"قسم ہے مضبوط قلعوں والے آسمان کی اور اُس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے (یعنی قیامت)،اور دیکھنے والے کی اور دیکھی جانے والی چیز کی کہ مارے گئے گڑھے والے ۔(اس گڑھے والے) جس میں خوب بھڑکتے ہوئے ایندھن کی آگ تھی۔جب کہ وہ اس گڑھے کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ وہ ایمان لانے والوں کے ساتھ کر رہے تھے اُسے دیکھ رہے تھے"۔

سورہ طارق میں آسمان اوراس میں چمکتے ستارے کی قسم کھائی گئی۔

وَالسَّمَاء وَالطَّارِقِ (1) وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ (2) النَّجْمُ الثَّاقِبُ (3)
إِن كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (4)

القرآن الحکیم(سورۃ الطارق 1.4/86)

ترجمہ؛

''قسم ہے آسمان کی اور رات کونمودار ہونے والے کی،اورتم کیا جانو وہ رات کونمودار ہونے والا کیا ہے؟ چمکتا ہوا تارا،کوئی جان ایسی نہیں ہے جس کے اوپر کوئی نگہبان نہ ہو ''۔

سورہ الفجر میں فجر کی قسم کھائی گئی ہے۔

وَالْفَجْرِ (1) وَلَيَالٍ عَشْرٍ (2) وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (3) وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ (4)
هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ(5)

القرآن الحکیم(سورۃ فجر 1.5/89)

ترجمہ؛

''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی ،اور طاق اور جفت کی ، اور رات کی جب کہ وہ رخصت ہورہی ہو کیااس میں کسی صاحب عقل کے لیےکوئی قسم ہے؟

سورہ البلد میں شہر مکہ کی قسم کھائی گئی ہے۔

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ (1) وَأَنتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ (2) وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ

(3) لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ (4) أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ
(5) يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا (6) أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ (7)

القرآن الحکیم(سورۃ البلد 1.7/90)

ترجمہ:

''نہیں! میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی اور حال یہ ہے کہ اس شہر میں تم کو حلال کر لیا گیا ہے، اور میں قسم کھاتا ہوں باپ یعنی آدم کی اور اُس کی اولاد کی جو اس سے پیدا ہوئی درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے کیا اُس نے سمجھ رکھا ہے کہ کوئی اس پر قابو نہ پا سکے گا''۔

سورہ شمس میں سورج کی قسم کھائی گئی ہے، دھوپ کی قسم کھائی گئی ہے، دن کی قسم کھائی گئی ہے، رات کی قسم کھائی گئی ہے اور اللہ کی قسم کھائی گئی ہے جس نے اِن سب کو پیدا کیا ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا (1) وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا (2) وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا (3)
وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا (4) وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا (5) وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا (6)
وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا (7) فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (8) قَدْ أَفْلَحَ مَن
زَكَّاهَا (9) وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا (10)

القرآن الحکیم(سورۃ الشمس 1.10/92)

ترجمہ:

''سورج کی قسم! اور اُس کی دھوپ کی قسم، اور چاند کی قسم جبکہ وہ اس کے پیچھے آتا ہے ، اور دن کی قسم جب کہ وہ سورج کو نمایاں کر دیتا ہے، اور رات کی قسم جب کہ وہ سورج کو

ڈھانک لیتی ہے،اور آسمان کی اور اُس ذات کی قسم جس نے اُسے قائم کیا اور زمین کی اور اُس ذات کی قسم جس نے اسے بچھایا ہے،اور نفس انسانی کی اور اُس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا،پھر اُس کو بدی اور اُس کی پرہیزگاری اُس پر الہام کردی یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے اپنے نفس کا تذکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اُس کو دبا دیا''۔

سورہ العادیات میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحاً (1) فَالْمُورِيَاتِ قَدْحاً (2) فَالْمُغِيْرَاتِ صُبْحاً (3

القرآن الحکیم(سورۃ والعادیات 1.3/100)

ترجمہ؛

''قسم ہے اُن (گھوڑوں) کی جو پھنکارے مارتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر (اپنی ٹاپوں سے) چنگاریاں جھاڑتے ہیں''۔

سورہ عصر میں زمانے کی قسم کھائی گئی!

وَالْعَصْرِ (1) إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ (2)

القرآن الحکیم(سورۃ والعصر 1.2/103)

ترجمہ؛

''قسم ہے زمانے کی انسان خسارے میں ہے''۔

قرآن حکیم میں کھائی گئی اِن قسموں کے بارے میں علماء غور کرتے رہے ہیں اور اس معاملے میں اپنی رائے کا اظہار بھی کرتے رہے ہیں۔ مولانا حمیدالدین فراہی لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں قسم کھائی ہے اس کا سورہ کے مضمون سے براہ راست تعلق ہے۔ جیسا کہ سورہ نجم میں ستاروں کی قسم کھائی گئی تو اس سورہ میں چونکہ کاہنوں کا ذکر ہے اور کاہن ستاروں کی چال سے لوگوں کا احوال بیان کرتے تھے اس لیے اس سورہ میں ستاروں کا ذکر کیا گیا۔ کچھ دیگر مورخین نے بیان کیا ہے کہ چونکہ اہل عرب میں قسم کھانے کا رواج تھا اور قرآن عربوں کے اسلوب زبان سے ہم آہنگ تھا اور اُنھی کی زبان ومحاورہ میں نازل کیا جارہا تھا اس لیے قرآن حکیم میں کئی قسمیں کھائی گئیں۔ اہل علم نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں تو اللہ نے اپنی ذات وصفات کی قسمیں کھائی ہیں وہاں تو کسی سوال کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے کہ اللہ کی ذات اس کی مستحق ہے کہ اُس کی قسم کھائی جائے۔ لیکن جہاں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی قسم کھائی ہے اس سے کیا مراد ہے؟ غور کرنے سے اس سوال کا یہ جواب سمجھ میں آیا ہے کہ بعض جگہ جہاں اللہ نے اپنی مخلوق کی قسم کھائی ہے تو یہ مخلوقات اللہ تعالیٰ کی شانِ خلاقی کا نمونہ ہیں۔ جیسا کہ زمین وآسمان کی قسم کھائی گئی ہے۔ بعض جگہ جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے وہاں اِن چیزوں کی اہمیت بیان کرنا مقصود ہے جیسا کہ فرمایا گیا میں قسم کھاتا ہوں نفس انسانی کی جو انسان کو ملامت کرتا ہے، یا میں قسم کھاتا ہوں روزِ قیامت کی، اور بعض جگہ بیان میں اظہارِ شدت کے لیے قسم کھائی جاتی ہے۔ بہرحال یہ انسانی فہم ہے جس میں غلطی کی گنجائش بہرحال موجود ہے۔

متشابہات قرآن

علوم القرآن کا ایک مضمون محکم اور متشابہ آیات کی تحقیق و تفصیل بیان کرتا ہے۔ یاد رہے کہ محکم آیات سے مراد ایسی آیات ہیں جن سے کوئی واضح حکم سامنے آتا ہو اور متشابہ آیات دراصل اُن آیات کو کہتے ہیں جن میں ایسے امور کا بیان ہے جن سے انسان کی آشنائی نہیں جیسا کہ موت اور اس کے بعد کے معاملات، برزخ اور جنت دوزخ کا بیان وغیرہ۔ اس موضوع کے تحت، متشابہ کی اقسام، متشابہات کی حکمت وضرورت، آیت کا عام یا خاص ہونا، مطلق اور مقلد، مجمل اور مبین، منطوق اور مفہوم کے مباحث بھی شامل ہیں۔ یہ عنوانات دراصل تفسیر اور علوم قرآن سے زیادہ اصول فقہ کے مباحث ہیں اور اِن کا مقصد زیادہ تر احکامات اور قوانین کا استنباط ہے اس لیے یہاں اس مضمون کی تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں۔

امثال القرآن

جب عام اور مروّج ادبی معیار سے کوئی بلند تر کتاب لوگوں کے بیچ آتی ہے تو اس کتاب کی بہت سی امثال روزمرہ کی صورت معاشرے میں مرّوج ہو جاتی ہیں۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اس کی فصاحت اور بلاغت کو انسانی کلام کبھی چھو تک نہیں سکتا۔ اس لیے ضروری تھا کہ لوگ جہاں اُس تصورِ زیست سے متاثر ہوں جسے اپنانے کی قرآن انھیں دعوت دے رہا ہے وہیں اس دعوت کا انداز اس قدر ارفع اور اعلیٰ ہو کہ لوگوں کے دلوں میں اتر جائے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں بھی اس اسلوب کو اپنایا گیا کہ بات کو مثال کے ذریعے لوگوں تک منتقل کیا جائے اگرچہ ہر جگہ ایسا نہیں کیا گیا تاہم بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں بات کو مثال کے خوبصورت لباس میں پیش کیا گیا ہے۔ بہت سے اہل علم وادب نے امثال القرآن کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ہے اور اس پر الگ سے کتابیں بھی لکھی ہیں بعض صاحب علم نے تو بہت گہرائی میں جا کر امثال القرآن کے ادبی اور فنی محاسن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے امثال القرآن کے ادبی اور فنی محاسن پر خوبصورت مباحث کے ساتھ ساتھ اُن کے دینی اور اخلاقی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ علامہ ماوردی، علامہ ابن القیم اور علامہ سیوطی نے خاص اس موضوع پر قلم اٹھائی ہے اور اہل علم وادب کے لیے بہت گراں اثاثہ چھوڑا ہے۔ علامہ سیوطی نے بہت سے ایسے

قرآنی جملے بطور مثال نقل کیے ہیں جو عربی زبان میں ضرب المثل بن کے رہ گئے۔

جیسا کہ!

◁◀ ولا یحیق المکر السیی الابأهله

◁◀ کل یعمل علی شاکلته

◁◀ ما علی الرسول الاالبلاغ

◁◀ کل حزب بما لدیهم فرحون

◁◀ هل جزاء الا حسان الا الا حسان

◁◀ ولا ینبئك مثل خبیر

◁◀ وقلیل ماهم

اگرچہ اس موضوع کے کچھ ادبی پہلو واضح کرنے کی خواہش تھی مگر صفحات کی کمی اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اللہ ہمارے علم میں اضافہ فرمائے۔

قصص القرآن

قرآن بنیادی طور پہ تو کتاب ہدایت ہے مگر ہم دیکھتے ہیں قرآن حکیم میں لوگوں کی تاریخ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔انسانی تاریخ کے بہت سے ادوار سے بحث کی گئی ہے، بہت سی قوموں کی کج روی اور اُن کی اِس کج روی کے منطقی نتیجے کے طور پہ ظاہر ہونے والی اللہ کی ناراضگی کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔قرآن اگرچہ تاریخ کی کتاب نہیں ہے اور اس کے نزول کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ انسان پر راہ راست کو واضح کر دے۔تاہم انسان کی سرشت میں یہ بات شامل ہے کہ جب وہ کسی گئے گزرے واقعے کا ذکر سنتا ہے تو ایک ہیبت سی اُس کے دل میں اتر جاتی ہے اور وہ اس سے یک گونہ سبق حاصل کرتا ہے۔یہی مقصد ہے قرآن میں اُن لوگوں کی تباہی کے احوال بیان کرنے سے جنھوں نے نعمت حاصل ہو جانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے بغاوت کا راستہ اپنایا۔قرآن حکیم میں قوم سبا، قوم عاد، قوم ثمود اور دیگر قوموں کا احوال بیان کیا گیا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے متعلق فرمایا گیا کہ یہ بہترین قصہ ہے جو ہم نے قرآن میں بیان کیا ہے ۔ مغربی مستشرقین نے حسب عادت قرآن کے اس اسلوب پر بھی حرف زنی کی ہے اس لیے کہ قرآن مجید کے برعکس عہد نامہ قدیم کی بہت سی کتابیں دراصل یہودیوں کی تاریخی تفصیلات پر ہی مبنی ہیں ۔ بلکہ عہد نامہ قدیم کے بعض حصے تو کسی قدیم محکمہ

شماریات کے دیوان معلوم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب عموماً اپنی مذہبی کتابوں کو تاریخ سمجھ کر پڑھتے ہیں اور اسی اسلوب سے مانوس ہیں اس لیے جب اُن کو قرآن میں یہ اسلوب دکھائی نہیں دیتا تو وہ الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مسلمان علماء نے مستشرقین کے اعتراضات کا بھرپور جواب دیا ہے اور خاص اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اس موضوع پر اردو میں سب سے جامع کتاب مولانا حفظ الرحمان سوہاروی کی قصص القرآن ہے جس کے متعدد ایڈیشن پاکستان اور بھارت میں شائع ہو چکے ہیں۔

دلائل القرآن

قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے اس لیے اُس کی دلیل محکم اور حجت مستحکم ہے۔قرآن کا اسلوب عقلی ہے اس لیے وہ انسانی عقل کو متاثر کرتا ہے،قرآن ہوا میں بات نہیں کرتا بلکہ ہر بات کے پیچھے دلیل پیش کرتا ہے۔انسانی تاریخ میں استدلال کے دو طریق رائج ہیں۔عقلی استدلال کی جتنی قسمیں ہیں وہ انھی دو میں سے کسی ایک کے ذیل میں آتی ہیں۔ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی علت کو سامنے رکھ کر اس کے معلول کا پتا چلائے،دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم کسی چیز کے معلول کو سامنے رکھ کر اس کی علت کا پتا چلائیں۔مثلاً آگ جلتی دیکھ کر آپ کو پتا چل جائے گا کہ دھواں سے یہاں سے اٹھتا ہے،اور دھواں دیکھ کے پتا چل جاتا ہے کہ آگ وہاں ہو گی ۔یہ دو قسم کی دلیلیں ہیں جو مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہیں اصطلاح میں اِن کو دلیل انی اور دلیل لمی کہا جاتا ہے۔قرآن حکیم چونکہ ایک ارفع کتاب ہے اس لیے اُس کی دلیل بھی عام سطح سے بلند ہے ۔ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن پہلے کسی معاملے کی جزیات کو پیش کرتا ہے اس کے بعد ایک چھوٹی سی بات سے اِن سب جزیات کو ایک ڈور میں باندھ دیتا ہے۔یا یوں کہہ لیں کہ جزیات کی بنیاد پر ایک عمومی کلیہ اخذ کر کے اُن کو سب جزیات پر منطبق کر دیتا ہے۔مثال کے طور پہ اِن آیات میں دیکھیں کہ استدلال کا یہی طریق اختیار کیا گیا ہے۔

سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاء اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ (5) ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَى وَأَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (6) وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ (7)

القرآن الحکیم (سورۃ حج 5.7/22)

ترجمہ؛

''اورتم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے، پھر ہم نے اس پر مینہ برسایا وہ فوراً ہی زندہ ہو گئی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگلنی شروع کر دیں، یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ،اور یہ (اس بات کی دلیل) ہے کہ قیامت کی گھڑی آ کر رہے گی اور اُن لوگوں کو ضرور اٹھایا جائے گا جو قبروں میں سو رہے ہیں''۔

اِن آیات میں دراصل تو کفار قریش کے اس دعویٰ کا جواب دینا مقصود تھا کہ جب انسان مر کے مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاتا ہے تب اُسے کیونکر اٹھایا جائے گا۔ اگر چہ صاف اور سیدھا جواب بھی دیا جاسکتا تھا کہ وہ خالق ہے جس طرح چاہے کر سکتا ہے اُس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے مگر بات کو بنا کر پیش کیا گیا، مثال پیش کی گئی مردہ زمین کی اور انسان کو یاد دلایا کہ یہ تو تمھارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زمین کس طرح ابتر حالت میں ہوتی ہے مگر جونہی اللہ اس پہ مینہ برساتا ہے تو وہ زندہ ہو اٹھتی ہے کھل اٹھتی ہے پودوں کو اگلنے لگتی ہے۔ قرآن کے اس اسلوب بیان کو منطق استقرائی کہتے ہیں۔ یعنی قرآن حکیم میں عام طور پر جب کوئی دلیل پیش کرنی ہو تو وہ ایسی دلیل

پیش کرتا ہے جوانسان کے روزمرہ مشاہدے میں شامل ہوتی ہے۔مثال کے طور پر سورج کی اُن آیات پر غور کریں جواوپر پیش کی گئی ہیں اُن میں ایک ایسے منظرکو پیش کیا گیا جس سے ہر کوئی واقف ہوتا ہےاورزمین کی اس تبدیلی کے مشاہدے کے لیےانسان کاارسطویافارابی ہونا قطعی ضروری نہیں بلکہ ایک عام شخص بھی اس امر سے پوری طرح آگاہ ہوتا ہے۔

اصول استقراء کے مقابل یونانی فلاسفہ اصول استخراج کے قائل رہے ہیں۔منطق استخراجی یہ ہے کہ اُس میں پہلے کسی چیز کے عمومی کلیات بیان کیے جاتے ہیں جو اکثر و بیشتر مجرد انداز کے ہوتے ہیں۔اِن کلیات کو سامنے رکھ کر قیاس اور عقلی استدلال کے ذریعے جزوی معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔مثلاً یونانی طب میں انھوں نے ایک اصول بنایا کہ ہروہ چیز جودرجہ چہارم میں گرم اورخشک ہوایک خاص مقدار سے زائداُس کا استعمال انسان کے لیے ہلاکت کا باعث ہے۔یہ ایک کلیہ ہےاس کلیہ کوالگ الگ دواؤں اور جڑی بوٹیوں پر منطبق کرتے ہیں جہاں جہاں اُن کا یہ کلیہ منطبق ہوتا چلا جائے اس کودرست مانا جاتا رہے گا جہاں یہ کلیہ ٹوٹ جائے گا وہاں وہ تاویل سے کام چلالیتے۔

قرآن مجید میں اس اسلوب کواختیارنہیں کیا گیااس لیے کہ اس اسلوب کواختیارکرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ایک خاص سطح تک اس فن کو جاننے والے ہی اس کے مخاطب ہوں۔ چنانچہ قرآن استخراجی اصول اختیار کرتا تو اُس کا خطاب صرف اہل علم اورفلسفیوں تک ہی محدود ہوکررہ جاتا جن کی تعداد ہر معاشرے میں محدود رہی ہےاور عام لوگ قرآن کے دائرہ تخاطب سے باہر ہوجاتے، یہ اسلوبِ دعوت کے لیے زہر قاتل ہےاورقرآن اللہ کی کتاب ہےاوراللہ تمام حکمتوں سے آگاہ ہے۔چنانچہ قرآن کا مخاطب تو ہر انسان ہے پندرہ سوسال پہلے بھی ہر انسان اس کا مخاطب تھااورآج بھی وہ ہرانسان کوراہ دکھارہا ہے بشرط کہ کوئی راہ حق کا متمنی ہو۔ قرآن کا طرزاستدلال استقرائی ہے یہی وہ اسلوب ہے جس سے ایک فلسفی بھی فائدہ اٹھاسکتا ہےاورایک عام آدمی بھی بات کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے اگرچہ ہدایت اس سے اگلا مرحلہ ہے۔

قرآن کے اس استقرائی اسلوب نے مسلمان فقہا اور مفکرین میں ایک نئی طرز فکر کو جنم دیا جس سے کام لے کر مسلمان مفکرین نے بہت سے استقرائی اصول طے کیے۔مثلاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے بہت کام لیا۔علاوہ ازیں فقہائے احناف نے اسی اسلوب سے کام لے کر بہت سے قواعد فقہ اور علم اصول فقہ کے احکام مرتب کیے ہیں۔

جدل القرآن

علماء نے علوم قرآن کے ضمن میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔اس سے مراد ہے قرآن حکیم کا اسلوبِ دعوت مراد ہے کہ قرآن نے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے اُن سے کس طرح مکالمہ کیا۔یا یوں کہہ قرآن کے اسلوبِ مناظرہ کو جدل القرآن کہا گیا ہے۔بعض لوگوں نے اسی امر کو مختلف الفاظ سے بھی بیان کیا ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس کو علم المخاصمہ کے نام سے بیان کیا ہے۔قرآن حکیم کے اسلوبِ مخاصمہ پر بہت سے اہل علم نے اظہار خیال کیا ہے۔اِن میں امام رازیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ جلال الدین سیوطیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وغیرہم شامل ہیں۔مسلمان علماء میں سے کئی نے اس موضوع پر الگ سے کتابیں بھی لکھی ہیں۔بعض علماء نے قرآن حکیم کی اِن آیات کی بنا پر جن میں مخالفین سے جدل ومخاصمہ کیا ہے پورے قرآن کی تفسیر کی ہے جیسا کہ مولانا عبدالحق حقانی کی تفسیر "**تفسیر حقانی**" ہے یا مولانا غلام اللہ خاں کی تفسیر "**جواھر القرآن**" ہے اِن تفاسیر کا سارا اسلوب ہی مناظرانہ ہے۔

بدائع القرآن

علوم قرآن کا ایک اور میدان بدائع القرآن ہے۔بدیعہ کے لفظی معنی ہیں انہونی یا غریب چیز قرآن مجید میں بہت سے ایسے مناظر ہیں جن سے انسانی آنکھ کی شناسائی نہیں ہے اور نہ ہی انسانی عقل کی اُن تک رسائی ہے،قرآن کا اسلوب اچھوتا اور منفرد ہے اس لیے اس کے علوم کی بھی کوئی انتہا نہیں۔قرآن میں بعض ایسی باتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن سے انسان کی اجنبیت آج کی متمدن دنیا میں بھی باقی ہے جیسا کہ دابۃ الارض کا معاملہ ہے اور ایسے ہی کئی اور مظاہر قرآن ہیں جن کے بارے میں بات کرنا دشوار ہے۔قرآن حکیم میں بعض جگہ نہایت ہی اچھوتا انداز اختیار کیا گیا ہے،کسی جگہ کوئی بہت ہی نرالی مثال دی گئی ہے،کسی جگہ کوئی اچھوتا حکم دیا گیا ہے یہ سارے بعدائع القرآن ہیں۔بدائع القرآن مدتوں سے علماء کی تحقیق کا موضوع رہے ہیں اور کئی صاحب علم نے بدائع القرآن پر الگ سے کتابیں بھی لکھی ہیں۔

ناسخ ومنسوخ

علوم القرآن کے باب میں ایک اہم چیز ناسخ اور منسوخ کا علم ہے۔ ہمارے زمانے میں بہت سے اہل علم کو اس موضوع کو سمجھنے میں غلطی لگی ہے اور نسخ کو یکسر تبدیلی کے مفہوم میں لیتے رہے۔ حالانکہ نسخ کے معنی ہر جگہ مکمل تبدیلی کے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک عمومی اصطلاع ہے متقدمین کے نزدیک نسخ کے معنی بہت وسیع تھے۔ متاخرین نے اس کو محدود معنوں میں سمجھا ہے۔ متقدمین کے ہاں نسخ سے مراد یہ تھا کہ کوئی سابقہ حکم یا آیت جو پہلے سے نازل کیا جاچکا تھا بعد میں نازل ہونے والی کسی آیت سے اس حکم کو محدود یا مخصوص کر دیا گیا۔ یا کسی نئی صورتحال کو اس عمومی حکم سے نکال کر اس کے لیے الگ حکم دے دیا گیا۔ مثال کے طور پر مکہ میں یہ آیت نازل ہوتی ہے کہ رسول کا کام بس پہنچا دینا ہے اور آپ ﷺ اس بات کے ذمہ دار نہیں کہ یہ اسلام قبول کرتے ہیں یا انکار کرتے ہیں۔ یہ ایک عام حکم تھا جس میں نبی اکرم ﷺ کی تبلیغی ذمہ داریوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ قریش کے انکار کی شدت میں دراصل آپ ﷺ کو حوصلہ دیا جار ہا ہے کہ ایک مبلغ کا کام صرف پیغام پہنچانا ہے اب کوئی اسے قبول نہیں کر رہا تو یہ اُس کی بدقسمتی ہے مبلغ اس میں ذرا بھی قصوروار نہیں۔ لیکن جب آپ ﷺ مدینہ ہجرت کر جاتے ہیں اور وہاں اسلامی ریاست بھی وجود میں آجاتی ہے، تب آپ ﷺ کی حیثیت یکسر تبدیل ہو جاتی ہے اس

لیے کہ اب آپ ﷺ محض مبلغ نہیں بلکہ ریاست مدینہ کے حکمران بھی ہیں، قاضی بھی ہیں، قانون دہندہ بھی ہیں اور مسلمانوں کے سپہ سالار بھی ہیں اس لیے لازم ہے کہ جہاں آپ ﷺ کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوا ہے وہیں احکامات میں بھی تغیر آئے۔ اب تبلیغی ذمہ داریوں کے سوا بھی آپ نے لوگوں کو بہت سے احکامات دینے تھے اور اُن سے اِن احکامات کی اطاعت کرانی تھی۔

اِن احکامات کے بارے میں جواَب نازل ہو رہے تھے اُن کو اِن ہدایت پر منطبق نہیں کیا جا سکتا جن میں کہا گیا تھا کہ جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔ اب صورت حال بدل چکی تھی اس لیے احکامات کی نوعیت بھی بدل رہی تھی۔ اب مدینہ کا کوئی غیر مسلم یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ میں اس کتاب کو ہی نہیں مانتا جس میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے اس لیے اگر میں چوری کے الزام میں پکڑا جاؤں تو میرا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ مدینہ کے غیر مسلم چونکہ معاہدے کے تحت اب مسلمانوں کے قانون کو ماننے والے تھے اور ریاست کے بنیادی قوانین کی پابندی اُن پر واجب ہو چکی تھی اس لیے اب اگر اُن کا کوئی شخص چوری کرتا ہے تو ریاست کے قانون کے مطابق اُس کا ہاتھ کاٹا جائے گا چاہے وہ اس کتاب یعنی قرآن پر ایمان رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو دونوں صورتوں میں ریاست کے قانون کا اطلاق کیا جائے گا۔ ناسخ اور منسوخ کے متعلق سمجھنے کے لیے سب سے عمدہ مثال حرمتِ شراب کی ہے۔ جس کے احکامات تدریجاً نازل کیے گئے ۔شراب چونکہ عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اس لیے اُن کو ایک دم شراب چھوڑ دینے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ پہلے مرحلے میں اُن کے سامنے شراب کی برائی بیان کی گئی دوسرے مرحلے میں اُن کو حکم دیا گیا کہ اگر تم نے شراب پی رکھی ہو تو ہماری مسجد میں نہ آؤ یا نماز نہ پڑھو۔ پہلے حکم کے آتے ہی سلیم القلب لوگ شراب سے دور ہو گئے۔ دوسرے حکم کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے صاحب دانش جان گئے کہ نشہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے اس لیے بہت سے لوگ اس سے دور ہو گئے۔ آخر میں جب قرآن میں اسلام کی حرمت کا قطعی حکم اتار دیا گیا تو اب مسلمانوں کے لیے

اس بات میں کوئی گنجائش نہ رہی تھی کہ وہ شراب کے نزدیک بھی جائیں اس لیے کہ اب کھلا حکم آچکا تھا۔اس مثال سے سمجھیں کہ اب اگر کوئی شخص حرمت شراب کے تسلسل میں اترنے والی سب سے پہلی آیت پڑھتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ اگرچہ قرآن میں شراب کو برا کہا گیا ہے مگر اس کو قطعی حرام نہیں کیا گیا یا اسی سلسلے کی دوسری ہدایت سے کوئی شخص یہ استدلال کرے کہ شراب صرف نماز کے اوقات میں ممنوع ہے باقی وقتوں میں شراب پی جاسکتی ہے تو کوئی صاحب علم انھیں بتائے گا کہ اگرچہ اِن آیات کی تلاوت کی جاتی ہے مگر اِن کا حکم فلاں آیت سے منسوخ ہو گیا ہے جس میں شراب کی قطعی حرمت کو بیان کردیا گیا ہے۔چنانچہ قرآن حکیم کی بہت سی آیات ہیں جن میں ایک حکم دیا گیا پھر حالات کی تبدیلی کے باوصف اُس میں اضافہ کیا گیا یا اُس کو بدل دیا گیا، اُس کی جگہ بہتر حکم لایا گیا ایک حکم کی علت جو پہلے مخصوص حالات کی پیداوار تھی بعد میں اسی حکم کو عام کردیا گیا۔اب باقی صرف یہ معاملہ رہ جاتا ہے کہ کیا قرآن حکیم کی کچھ ایسی آیات بھی ہیں پہلے جن کو نازل کیا گیا بعد میں انھیں موقوف کردیا گیا۔اس ضمن میں علماء متفرق ہیں۔ہم اُن علماء کے حامی ہیں جن کا استدلال یہ ہے کہ کوئی ایسی آیت نہیں جس کو نازل کرنے کے بعد مصحف میں درج نہ کیا گیا ہو چاہے اُس کے حکم کو باقی رکھا گیا ہو یا اس کو منسوخ کردیا گیا ہو۔

نزول القرآن

علماء نے اس ضمن میں بہت دقتِ نظری سے کام لیا ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔انھوں نے آیات کی نزولی ترتیب کو سمجھنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور اس سے قوانین و احکامات کو اخذ کیا ہے۔اپنی کتاب سے مسلمانوں کی محبت کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے قرآن کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی ماہیت پر غور کیا ہے۔اس ضمن میں انھوں نے جو معلومات فراہم کی ہیں اُن کے مطابق!

- قرآن حکیم میں دن کے وقت نازل ہونے والی آیات کو نہاری کہا جاتا ہے۔
- قرآن حکیم میں رات کے وقت نازل ہونے والی آیات کو لیلی کہا جاتا ہے۔
- قرآن حکیم میں موسم گرما میں اترنے والی آیات کو صیفی کہا جاتا ہے۔
- قرآن حکیم میں جو آیتیں موسم سرما میں اتریں انھیں شتائی کہا جاتا ہے۔
- قرآن حکیم میں جو آیتیں ایسے وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ محو استراحت تھے اُن کو فراشی کہا جاتا ہے۔
- قرآن حکیم میں جو آیتیں نیند کی حالت میں اتریں انھیں نومی کہا جاتا ہے۔

◁◀ قرآن حکیم میں معراج کے دوران جو آیتیں نازل ہوئیں انھیں فضائی کہا جاتا ہے۔

◁◀ قرآن حکیم میں سفر معراج کے دوران ایک آیت نازل ہوئی اس کو سماوی کہا جاتا ہے۔ علماء نے بتایا کہ یہ آیت سورہ زخرف میں ہے۔

◁◀ قرآن حکیم میں سب سے مختصر وحی سورہ نسا کی یہ آیت ہے۔غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ ۔۔

◁◀ قرآن حکیم میں سب سے طویل وحی سورہ انعام کی تھی جو ایک ہی بار نازل کی گئی۔

◁◀ قرآن حکیم کی آیات لے کر حضرت جبرائیل 24000 مرتبہ اترے۔

◁◀ قرآن حکیم میں 114 سورتیں ہیں۔

◁◀ قرآن حکیم میں 6666 آئتیں ہیں۔

◁◀ قرآن حکیم کی سب سے بڑی آیت 252/2 ہے۔

◁◀ قرآن حکیم میں 77934 الفاظ ہیں۔

◁◀ قرآن حکیم میں 3020671 حروف ہیں۔

قرآن حکیم کو تئیس سال سے کچھ کم عرصے میں نازل کیا گیا۔علماء اس بارے میں تقریباً متفق نظر آتے ہیں کہ قرآن کی حکیم کی سب سے پہلے اترنے والی آیت سورہ علق کی ابتدائی چند آیات ہیں۔تاہم اس بارے میں مسلمان علماء کا اختلاف رہا ہے کہ سب سے آخر میں اترنے والی آیت کون سی تھی۔بعض لوگوں نے کہا کہ جب آپ ﷺ دس ہجری کو حج کے لیے تشریف لے گئے تب یہ آیت اتری کہ الیوم اکملتکم۔۔الآخیر میں نے آج تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اسلام کو تمھارے لیے پسند کیا ہے۔جبکہ بعض لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے آخر میں جو آیت اتری وہ سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے۔

واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ۔۔۔

اس روایت کے راوی چونکہ رسول ﷺ کے نزدیکی لوگ ہیں یعنی آپ ﷺ کے گھر والے لوگ

ہیں یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس لیے ہم اسی روایت کو درست سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید کے متعلق اِن معلومات سے جس بات اظہار ہو رہا ہے وہ ہے اس کتاب سے مسلمانوں کی محبت۔قرن اول میں صحابہ نے قرآن حکیم کے متعلق معلومات جمع کرنے میں غیر معمولی دلچسپی لی۔اُن کی یہی مساعی بعد میں روایات کی صورت اگلی نسلوں کو منتقل ہوئی۔یہ دراصل عقیدت اور محبت کے کچھ مظاہر تھے ورنہ اس بات سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کہ فلاں آیت صبح کو نازل ہوئی ہو یا شام کو۔

تفسیر القرآن

قرآن حکیم عربی زبان میں نازل ہوا۔اسلام جلد ہی دنیا کی اُن بہت سی قوموں تک پہنچ گیا جن کی زبان عربی نہ تھی۔تاہم دین کو سمجھنے کے ضروری تھا کہ وہ قرآن کی پیروی کریں اورقرآن کی پیروی کرنے کے لیےضروری تھا کہ وہ قرآن کو سمجھیں اورقرآن کو سمجھنے کے لیےضروری تھا کہ وہ عربی زبان کو سیکھیں مگر یہ کام ہر مسلمان کے لیےممکن نہ تھااس لیےلوگوں نے مطالب قرآن کو اپنی زبانوں میں منتقل کیا۔اول اول صرف ترجمے پر اکتفاء کیا گیا بعد میں اس ترجمے کی تشریح کا رواج ہوااور یوں علم تفسیر کی بنا پڑی۔کسی شخص کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ تفسیر قرآن کوئی ایسا مضمون ہے جو نیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کی روایت خود رسول اللہ ﷺ کے دور سے ملتی ہے اور صحابہ رسول اللہ ﷺ سے فہم قرآن پر رہنمائی لیا کرتے تھے۔چنانچہ اگر یوں کہا جائے کہ شارح قرآن ہی سب سے اولین مفسر قرآن تھے تو اس میں کوئی مذائقہ نہیں۔قرآن کی بہت سی آیتیں جب اترتیں تو صحابہ کو اُن کے اصل مدعا تک پہنچنے میں دشواری کا سامنا ہوتا تو وہ فوراً رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے حقیقی مطلب کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو جس طرح قرآن سکھایا صحابہ نے اسی طریق کو آنے والی نسلوں کے لیے روایت کیا اور روایت کا یہی ذخیرہ ہے جس پر بعد میں اصول تفسیر وضع کیے گئے۔ایک اسلامی معاشرے

میں تمام اصولوں اور معاشرتی قوانین کا بنیادی ماخذ قرآن کریم ہی ہے۔ایک اسلامی ریاست میں یہ کتاب ایک برتر قانون اور دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے۔قرآن مجید ایک ترازو، ایک پیمانہ عمل ہے جس کی بنیاد پر حق و باطل میں تمیز کی جاتی ہے۔یہی وہ فرقان ہے جو ہر صحیح کو ہر سقیم سے ممتاز کرتا ہے۔مسلمانوں کے لیے یہ کتاب بالفعل اور براہ راست جبکہ پوری دنیا کے لیے بالقوی ایک نظام ہدایت ہے۔

یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے کھرے کھوٹے کا پتا لگتا ہے، یہ وہ نظام ہدایت ہے جس نے انسانی زیست کے آخری دن تک رہنا ہے۔یہی وہ دستور العمل ہے جس کی پیروی ہر زمان اور ہر مکان کے انسان کے لیے واجب ہے۔یہ اللہ کا کلام ہے جو ہر صورت حال میں انسانوں کو پیش آنے والے ہر معاملے میں اُن کو روحانی، اخلاقی اور تشریعی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔اور یہی وہ کتاب ہے رہتی دنیا تک جس سے مکارم اخلاق متعین کیے جاتے رہیں گے۔تاہم اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ اس کتاب سے حقیقی رہنمائی کے لیے ضروری ہے کہ اس کو سمجھنے اور اس کو منطبق کرنے میں اُن اصولوں اور اُن عقائد کی پابندی کی جائے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے مروّج چلے آئے ہیں۔صحابہ کرام کے اجتماعی طرزِ عمل اور امت اسلامیہ کے اجماعی رویہ، تعامل اور فہم قرآن کی رو سے تفسیر قرآن کے لیے ایسے مفصل اصول و قواعد طے پا گئے ہیں جن کی پیروی روز اول سے جاری ہے اور آج تک انھی اصولوں کی پیروی مروّج ہے ۔ اِن اصولوں کا واحد مقصد یہ ہے کہ جس طرح کتاب الٰہی کا متن محفوظ ہے اس کی زبان محفوظ ہے ،اسی طرح اس کے معنی اور مطالب بھی ہر قسم کی تحریف و اشتباہ سے محفوظ رہیں، اور اس بات کا اطمینان رہے کہ کوئی شخص نیک نیتی یا بد نیتی سے اس کتاب کی تعبیر و تشریح طے شدہ اصولوں سے ہٹ کر من مانے انداز سے نہ کر سکے۔یاد رہے کہ کسی بھی قانون کسی بھی نظام اور کسی بھی کتابِ دستور کی تشریح و تفسیر اگر من مانے اصولوں کی بنیاد پر کی جانے لگے تو دنیا کا کوئی نظام بھی نہیں چل سکتا۔چنانچہ جس طرح دنیا کی ہر ترقی یافتہ قوم میں قانون و دستور کی تشریح کے

اصول مقرر ہیں جن کی پیروی ہر ذمہ دار شارح کرتا ہے۔اسی طرح قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر کے اصول بھی مقرر شدہ ہیں۔اِن اصولوں کی پیروی عہد رسالت سے جاری ہے۔سب سے پہلے صحابہ نے اِن اصولوں کی پیروی کی،ازاں بعد تابعین اور تبع تابعین نے اس کی پیروی کی۔تا آنکہ اِن تمام اصولوں کو اکابر ائمہ تفسیر اور اہل علم نے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اس طرح مرتب کر دیا کہ بعد میں آنے والوں کے لیے اِن اصولوں کی پیروی آسان ہوگئی اور قرآن مجید کی تفسیر و تشریح کے لامتناعی راستے کھلتے چلے گئے۔امت مسلّمہ نے ہر دور میں اپنی کتاب کی حفاظت کی اُسے سینے سے لگائے رکھا اور اُس سے محبت کی چاہے وہ حکومت و سرداری کا دور ہو یا تنزلی اور محکومی کا،ہر دو حال میں مسلمانوں نے اپنی کتاب سے محبت کے اس تعلق کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیا۔روس کے بعض علاقوں میں جہاں عام آدمی پر کیمونسٹ حکومت کی طرف سے اس بات کی پابندی تھی کہ وہ مصحف پاک کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تب عزیمت اور حوصلے کی ایسی داستانیں سامنے آئیں کہ انسان ششدر رہ جاتا ہے۔

بتایا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے گھروں میں خفیہ تہہ خانے بنا رکھے تھے جہاں وہ مصحف پاک کو لوگوں سے چھپا کر رکھتے تھے۔جب اُن کا کوئی بچہ بالغ ہوتا تو وہ اُسے تہہ خانے میں لے جاتے اور اُسے بتاتے ہیں کہ یہ وہ کتاب ہے جس کی ہم پیروی کرتے ہیں یہ اللہ کی کتاب ہے جو رسول عربی محمد ﷺ پر نازل کی گئی۔جب کوئی قوم اپنی کتاب سے ایسی محبت کرتی ہو تو یقیناً یہ کتاب اُن لوگوں کی رہنمائی کرنے والی ہے۔سابقہ امتوں کے احوال پہ نگاہ دوڑائیں تو انھوں نے اپنی کتابوں کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہ کیا۔جب اُن کی کتابیں وقت کی راکھ میں گم ہوگئیں تو اُن کے جن صاحب علم کو اس کتاب سے جو کچھ یاد تھا اُنھوں نے اسے لکھ لیا چنانچہ بہت سے لوگوں نے جب محض اپنی یاداشت کے سہارے لکھا تو بہت کچھ سہواً یا ارادتاً تغیر ہوگیا اور اُن کی کتابیں کچھ سے کچھ ہوگئیں یہی وجہ ہے کہ آج ایک بائبل دوسری بائبل سے نہیں ملتی۔

قرآن حکیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ!

یعضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا۔

یعنی اس کتاب سے بہت سے لوگ ہدایت پائیں گے تاہم بہت سے لوگ اس کتاب سے گمراہ بھی ہوں گے۔صاحب علم لوگوں نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ ہدایت پانے والے تو وہ ہیں جو اس کتاب کی طرف ہدایت کے لیے ہی رجوع کرتے ہیں اور گمراہ ہونے والے وہ ہیں جن کے ذہن میں دین کی پہلے سے مروّج کوئی تشریح موجود ہے اور وہ اپنے فرقے یا مسلک کی توثیق کے لیے اس کتاب کو کھولتے ہیں اور آیات اللہ کی من مانی تشریح کرتے ہوئے ایسی آیات کو اپنے استدلال کے لیے استعمال کرتے ہیں کہ صرف انھی کا فرقہ اُنھی کا مذہب اور انھی کا مسلک درست ہے۔اب ظاہر ہے کہ اُن کے دل میں پہلے سے یہ بات موجود تھی کہ انھوں نے قرآن کو اپنے نفس کی خواہش کے تابع بنانا ہے اور خود قرآن کے تابع بننے سے گریز کرنا ہے۔ایسے لوگوں کو کتاب اللہ سے بھی ہدایت میسر نہ ہوگی اور وہ گمراہ ہوں گے چاہے اُن کا تعلق کسی بھی مسلک کسی بھی فرقے سے ہو کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسے لوگ نہ صرف اسلام کے لیے ناسور ہیں بلکہ دین میں تفرقے کا باعث بھی یہی حضرات ہیں۔قرآن کی ایک سیدھی سادھی آیت لی اور اُس کو تاویل کی سان پر چڑھا کر کچھ کا کچھ بنا دیا اور آخر میں یہ خبر لائے کہ لوگو دیکھو قرآن بھی ہمارے فرقے ہمارے مسلک کی تائید کر رہا ہے ۔یاد رہے کہ سارے فرقوں اور تمام مسالک میں ایسے بیمار ذہن کے لوگ موجود ہیں جو قرآن سے ہدایت نہیں بلکہ تائید و توثیق کے متمنی ہیں۔وہ قرآن کی تمام تر ہدایت کو اپنی فکر اور اُن رسم و رواج پر ترجیح دیتے ہیں جسے لوگوں نے جہالت کے باعث دین بنالیا ہے۔ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم ایسے ہی معاشرے میں رہتے ہیں جہاں ہر مولوی کے ہاتھ میں قرآن ہے اور وہ اس سے آیتیں پڑھ پڑھ کے اپنے فرقے کو استحکام بخش رہا ہے اور اُسے اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کہ اس بارے میں خود قرآن کے احکامات کیا ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے اُسے تو بس اس بات کی فکر ہے کہ دنیا کے سارے لوگ اُس کے فرقے سے

منسلک ہو جائیں دین اسلام جائے بھاڑ میں۔ اِن لوگوں کی ذہنی بیماری کی شدت کا کیا عالم ہو گا جب انھیں قرآن سے بھی شفا نہ ہوئی اللہ ہمیں معاف کرے کہ یہ تو خیر جملہ معترضہ تھا اب ہم اپنے موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

جو لوگ جاہل ہیں اُن کو چھوڑ دیں مگر جو صاحب شعور ہیں وہ جان لیں کہ امت نے جس طرح اس امر کا اہتمام کیا کہ اُن کی کتاب محفوظ رہے اسی طرح انھوں نے اس بات کا بھی اہتمام کیا کہ قرآن مجید کے معنی اور مطالب کی حفاظت بھی کی جائے۔ اسی لیے تو انھوں نے تفسیر قرآن کے اصول وضوابط وضع کیے تا کہ بعد میں آنے والے لوگ قرآن میں من مانی تحریف سے باز رہیں اس لیے کہ تفسیر کے مروّج اصولوں کی پیروی کرنے سے یہ ممکن ہی نہیں کہ قرآن میں کوئی شخص اپنی طرف سے کوئی بات داخل کر سکے۔

پہلے یہ جان لیں کہ علم تفسیر کہتے کس کو ہیں۔ تفسیر کے لغوی معنی ہیں وضاحت اور تشریح کرنا۔ کسی چیز کو کھول کر بیان کر دینا۔ جیسے عربی میں لفظ ''فسر'' کے معنی ہیں کسی چیز کو پردے سے نکال کر سامنے رکھ دینا، کسی بندھی ہوئی چیز کو کھول کر عیاں کر دینا۔ جب ایک عرب کسی شخص کے پاس گھوڑا خریدنے کی غرض سے آتا اور گھوڑے کو اُس کے سامنے پیش کیا جاتا۔ تو وہ کہتا۔ ''فسر الخیل'' پہلے اس کو کھولو تو سہی۔ اس سے اُس کی مراد یہ ہوتی کہ گھوڑے کی زین الگ کر دو، گھوڑے نے آرائش کے لیے مزید جو کچھ پہنا ہوا ہے اُسے بھی اتار دو، زیور کو الگ کر دو اور گھوڑے کو اس طرح میرے سامنے لاؤ کہ وہ بالکل عیاں ہو جائے۔ ظاہری بات ہے کہ جب گھوڑا پورے زیب وزینت اور لوازمات کے ساتھ آئے گا تو صورت حال اور ہو گی اور جب وہ اِن سارے ساز وسامان کے بغیر آئے گا تو گھوڑے کا رنگ روپ اُس کی صحت ہر چیز عیاں ہو جائے گی اور خریدار کے سامنے وہ سب کچھ آ جائے گا جس کو دیکھنے کا وہ متمنی تھا۔ اسی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھیں کہ کسی کو چیز کو کھول کر اور وضاحت سے بیان کر دینے کا نام تفسیر ہے اور جب کلام اللہ کی تشریح و وضاحت کی جائے گی تو اصطلاح میں اس کو تفسیر قرآن کہا

جائے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم کے معنی ومطالب سمجھنے اور سمجھانے کو تفسیر کہا جائے گا۔اس علم سے قرآن حکیم کی وضاحت ہوتی ہے اُس کی آیات سے احکام معلوم کیے جاتے ہیں الفاظ اور آیات کے وہ معنی دریافت کیے جاتے ہیں جو ایک عام قاری کی نظر میں فوری طور پر نہیں آسکتے ۔اس سے نئے نئے احکامات نکالے جاتے ہیں اور ہر نئی پیش آنے والی صورت پر اِن کو منطبق کیا جاتا ہے۔جس علم میں یہ طریقے مباحث اور قواعد بیان کیے جائیں اُس کو بھی علم تفسیر ہی کہا جائے گا۔اس علم کی باقاعدہ تدوین پہلی صدی ہجری میں ہی شروع ہوگئی تھی۔صحابہ کرام کے تلامذہ نے صحابہ کرام کے تفسیری سرمایہ کی بنیاد پر علم تفسیر کی تدوین کا کام شروع کردیا تھادوسری صدی ہجری کے اواخر تک اس علم کی بنیادیں پڑ چکی تھیں حدود متعین ہو چکی تھیں۔

پھر جیسے جیسے علم تفسیر کا ارتقاء ہوتا گیا نئے نئے علوم فنون بھی پیدا ہوتے رہے۔علوم القرآن اور علم تفسیر بعض پہلوؤں سے ایک ہی علم کے دو نام ہیں البتہ اِن میں ایک مہین سا فرق موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جن علوم ومعارف کو علوم القرآن کہا جاتا ہے وہ سب علم تفسیر ہی کے کام آتے ہیں گویا یہ علوم ومعارف علم تفسیر کے اوزار وآلات ہیں یہ وہ وسائل ہیں جن سے کام لے کر قرآن مجید کی تفسیر وتعبیر کی جاتی ہے لیکن اس پہلو سے وہ تفسیر القرآن سے الگ ہیں کہ یہ علوم ومعارف بذات خود تفسیر نہیں ہیں۔ بلکہ تفسیر قرآن اس عمل کا نام ہے جس کی رو سے قواعد اصول وتفسیر سے کام لے کر معانی قرآن دریافت کیے جائیں اور عام زندگی پر اِن معانی کو منطبق کیا جائے اگرچہ اِن احکامات کا اطلاق اور تنفیذ حکومت وریاست کا کام ہے۔

یہ جان لینے کے بعد کہ تفسیر کس کو کہتے ہیں اب ہم اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ قرآن کی عملی تفسیر کیا ہے اور اُس کا علمی تفسیر سے کیا تعلق ہے۔علم تصور تخلیل اور نظریے کو کہا جائے گا اس تصور تخیل اور نظریے کے عملی اظہار کو نظریاتی فعل کہا جائے گا۔اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ پہلے علم ہے بعد میں عمل ہے۔ چنانچہ پہلے قرآن اترا پھر اس پر عمل ہوا۔قرآن رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا اس لیے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے کلام اللہ کو اپنی ذات پر نافذ کیا اس کے

بعد مسلمانوں کو اس کا حکم دیا اسی کو اسوہ رسول کہا جائے گا۔ مسلمانوں کو جس طرح قرآن کی پیروی و اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح اسوہ رسول کی پیروی کا بھی حکم دیا گیا جس کو اصطلاح میں سنت رسول ﷺ کہا جاتا ہے۔

مسلمانوں نے جس طرح قرآن کی حفاظت کی اُس کو بارہا بیان جا چکا ہے مگر مسلمانوں نے سنت کی حفاظت بھی اسی محبت سے کی جس محبت سے انھوں نے قرآن کی حفاظت کی۔ چنانچہ قرآن بھی موجود ہے اور سنت بھی موجود ہے اور قرآن وسنت کی پیروی ہی مسلمانوں کا دین ہے اور اسی میں اُن کی نجات ہے بلکہ کُل عالم کی نجات ہے اگر وہ غور کریں تو! چنانچہ عام فہم زبان میں کہا جائے گا کہ سنت قرآن کی عملی تشریح ہے۔ قرآن مجید کے مطالب ومعنی کا بڑا حصہ وہ ہے جس کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی اپنی زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔ زبان سے آپ ﷺ نے قرآن کی جو تشریح کی اُس کو حدیث کہا جاتا ہے اور عمل سے جو تشریح کی اُسے سنت کہا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے پوری ایک نسل کی خود تربیت کی اور انھیں قرآنی اساس کے مطابق ڈھالا۔ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے محبت اور تندہی سے دنیا کے دوسرے لوگوں تک قرآن کی وہ عملی تشریح منتقل کی جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھی تھی یہی وجہ ہے قرآن حکیم کے مطالب ومعنی کا ایک بڑا حصہ امت مسلمہ کے رگ وپے میں شامل ہو چکا ہے۔ ملت اسلامیہ کے جسد اجتماعی کا جزو بن چکا ہے اور قرآن کو مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو قرآن سے الگ کرنا کسی کے لیے ممکن نہ رہا۔ جب تک اس زمین پر اللہ اور اُس کے رسول محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و پیروی کرنے والے موجود ہیں تب تک قرآن بھی اس زمین پر زندہ اور موجود رہے گا کہ وہ مسلمانوں کے وجود وروح کا حصہ ہے۔ ہمارے استدلال کو اس مثال سے سمجھیں کہ قرآن حکیم میں حکم دیا گیا ہے کہ!

اقیمو الصلوٰۃ ۔۔ نماز قائم کرو

اس آیت کا مفہوم مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سمجھا اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں نماز قائم کر کے دکھائی۔ گویا قولی اور عملی دونوں طرح سے اس آیت کی تفسیر کی۔ پھر سب سے پہلے یہ عمل عرب معاشرے کی بنیاد بنا، پھر عمومی طور پر مسلم معاشرے کی پہچان بن گیا۔ آج اگر کوئی شخص کسی غیر مسلم سے مسلمانوں کے بارے میں دریافت کرے تو غیر مسلم کہے گا وہ لوگ جو دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتے ہیں۔ گویا نماز ہی مسلمانوں کی پہچان بن گئی۔ اُن کے رگ و پے میں سما گئی۔ مسلمانوں کی نماز کے بارے میں یہودی عیسائی ہندو حتیٰ کہ ملحدین بھی پوری صراحت سے جانتے ہیں۔

خود مسلمانوں کا یہ حال ہے بہت سے معاشروں میں لوگوں کی اکثریت نماز پڑھتی ہے خاص طور پر وہ ممالک جن کی مادری زبان عربی ہے وہ دوسرے مسلمانوں سے زیادہ پابندی کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، انڈونیشیا اور ملائشیا اور الجزائر کے بارے میں سننے میں آیا ہے کہ وہاں لوگوں کی اکثریت بڑے اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرتی ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ مسلمان ہونے کے باوجود ہم میں نماز ادا کرنے والوں کی تعداد غیر معمولی حد کم ہے۔ بعض اوقات تو یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ ایک غیر مسلم معاشرہ ہے اگرچہ ہر طرف سے اذانوں کی آواز آتی ہے مگر مسجد کی طرف بھاگتے لوگ نظر نہیں آتے جیسا کہ دیگر ممالک میں ایسا دیکھا گیا ہے۔ تاہم جاہل سے جاہل اور حد سے زیادہ بے عمل مسلمان بھی نماز سے ناآشنا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا قرآن حکیم کی مذکورہ آیت کا محمل جاننے کے لیے اب کسی مفسر کی کوئی ضرورت مسلمانوں کو پیش نہیں آتی۔ یہ جاننے کے لیے کہ اقیمو الصلوٰۃ سے کیا مراد ہے کسی تفسیری کتاب کی کوئی ضرورت نہیں۔ آج کے مسلمان کے سامنے نماز کا مفہوم وہ اجتماعی تعامل ظاہر کرتا ہے جو صدیوں کے تسلسل پر محیط ہے اور مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ اُس نے کیسے نماز پڑھنی ہے کب نماز پڑھنی ہے۔ نماز کے علاوہ حج، روزہ، زکوٰۃ کے بارے میں بھی یہی مثال کافی ہے اس لیے جس طرح مسلمانوں کے پندرہ سو سالہ عملی تواتر سے نماز اگلی نسلوں کو منتقل ہوتی رہی

اسی طرح حج، روزہ اور زکواۃ کی تعلیمات بھی اسی عملی تواتر کا حصہ ہیں اور امت تک منتقل ہوتی رہیں۔ اگرچہ قرآن وسنت میں بھی نماز روزہ اور حج وزکواۃ کی شرح وتفصیل، تاکید وترغیب موجود ہے اور ہم اپنی مذہبی کتابوں میں اِن کا تفصیلی تذکرہ پاتے ہیں مگر چونکہ یہ امور ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ قرار پائے ہیں اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ حج کو کب جانا ہے، زکواۃ کب دینی ہے، روزہ کب رکھنا ہے اس لیے اس معاملے میں ہمیں تفاسیر سے رجوع کی ضرورت نہیں رہتی۔ تاہم انھی معاملات کی جزیات اور احکام معلوم کرنے کے لیے تفسیر اور فقہ کی کتابوں پر نگاہ کرنا پڑتی ہے اس لیے کہ اِن معاملات کا تعلق اخذ وانسباط سے ہے اور یہ عام آدمی کے لیے ممکن نہیں اس کے لیے لامحالہ اُسے علماء کی اُس تحقیق سے رجوع کرنا پڑے گا جس کو علماء نے شب وروز کی محنت سے مرتب کیا اور انھیں اس معاملے میں عام لوگوں پر علم اور تفقہ کی برتری حاصل ہے۔ چنانچہ اگر یوں کہا جائے کہ قرآن مجید کی تفسیر وتعبیر کا ایک بہت بڑا حصہ مسلمانوں کے پندرہ سوسالہ عملی تواتر سے روزمرہ کے اجتماعی عمل میں شامل ہو چکا ہے اور ہمارے شعور میں پختہ ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کی تہذیب وثقافت وتمدن کے اہم عناصر کی حیثیت اختیار کر چکا ہے تو غلط نہ ہوگا۔

اِن امور کے خلاف کوئی تاویل کوئی تحقیق کوئی دلیل امت کے لیے اجتماعی طور پر نا قابل قبول ہوگی۔ چنانچہ قرآن کا وہ حصہ جو عملی تواتر سے مسلمانوں کو منتقل ہو چکا ہے اُس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ آفتاب آمد دلیل آفتاب ہے۔ یہ قرآن کا وہ حصہ ہے مسلمان جہاں کہیں بھی ہو وہ اِن پر عامل ہوگا اِن امور کا علم رکھتا ہوگا۔ عام طور پر مسلمانوں کو علم ہوتا ہے کہ کون محرم ہے یعنی کس عورت سے نکاح جائز ہے کس سے نکاح ممنوع ہے، زکواۃ کیسے ادا کی جاتی ہے کون سے لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ حلال کیا ہے حرام کیا ہے، کس چیز سے روزہ ٹوٹتا ہے کس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ جمعہ کی نماز مسجد میں جا کر ادا کرنی ہے، عید بقر کو قربانی کرنی ہے وغیرہ۔ اِن سب امور کا بڑا حصہ جس سے ملت اسلامیہ کا تشخص اجاگر ہوتا ہے اور اسلام اور کفر میں امتیاز

ڈالتا ہے عملی تواتر سے ہی منتقل ہوا ہے۔تاہم دیکھیں کہ قرآن حکیم کا ایک بڑا حصہ وہ بھی ہے جس کو سمجھنے کے لیے تعبیر وتشریح کی ضرورت پڑتی ہے۔اور یہ قرآن کا وہ حصہ ہے جس کے لیے مسلمانوں کو علم کی دنیا کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔قرآن کی شرح، فقہا کی تحقیق اور تفاسیر سے تعلق قائم کرنا ہوگا۔قرآن کے اس حصے کی تعبیر وتشریح کے لیے کچھ مقررہ اور طے شدہ اصول ہیں جن کی پابندی ہر اس شخص کو کرنا ہوگی جو قرآن حکیم کی شرح وتفسیر کا متمنیٰ ہو۔تفسیر کے بنیادی اصول وقواعد میں بہت سے تو ایسے ہیں جو خود قرآن مجید سے ہی معلوم ہوتے ہیں ۔بہت سے دوسرے قواعد وضوابط ایسے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرما دیئے ہیں۔ بہت سے اصول وقواعد اور ضوابط صحابہ کرام نے اپنی غیر معمولی بصیرت، فہم قرآن، دینی تربیت، فطری ذوق سلیم، نزول قرآن کے ماحول اور پس منظر سے واقفیت کے ساتھ ساتھ اپنے اجتماعی ضمیر اور اسلامی خمیر کی بنیاد پر مرتب کیے۔

امت آج تک اِن اصولوں کی پیروی کر رہی ہے ہر آنے والا مفسر اور شارح قرآن اِنھی اصولوں کی پیروی کرتا ہے اور کتاب الٰہی کے مطالب ومعنی کے تعین میں انھی اصولوں کو سامنے رکھتا ہے یہی وہ اصول ہیں جنھوں نے قرآن مجید کو اس طرح کی تحریفات اور تاویلات باطلہ سے محفوظ رکھا جن کا دوسری الہامی کتابیں نشانہ بنیں۔اگر اقوام سابقہ کے علمائے دین بھی اپنی اپنی کتابوں کی تفسیر وتعبیر کے عمل کو قواعد وضوابط کا پابند بناتے تو شاید وہ کتابیں اس انجام کا شکار نہ ہوتیں جو بعد میں اُن کا مقدر بنا۔یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہود ونصاریٰ نے اپنی کتابوں کی تشریح وتعبیر کے لیے اصول وقواعد کیا وضع کرنے تھے وہ تو اپنی کتابوں کی حفاظت تک نہ کر سکے اور اُن کی گمراہی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔کسی کے ذہن میں یہ سوال جنم لے سکتا ہے کہ جب اصول وضوابط متعین ہو گئے اور اِن اصول وضوابط کی پیروی کرتے ہوئے مفسرین نے قرآن کی بہت سی تفسیریں بھی لکھ دیں تو اب مزید تفسیروں کی ضرورت کیا ہے؟ پہلی نظر میں شاید اس سوال میں کوئی جان نظر آئے تاہم حقیقت میں یہ سوال نہایت عبث ہے۔

اس لیے کہ شاید یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن پاک کے پہلے مفسرین نے اتنا کام کر دیا ہے کہ اب اُن کا تفسیری کام رہتی دنیا تک کافی ہے۔اب نہ کوئی نیا مسئلہ پیدا ہوگا، نہ نئے سوالات پیدا ہوں گے، نہ نئے اعتراضات جنم لیں گے، نہ نئے افکار جنم لیں گے، گویا عقل انسانی کام کرنا بند کر دے گی، فکر انسانی کے چشمے خشک ہو جائیں گے انسان کا تہذیبی ارتقاء رُک جائے گا اور دُنیا وہیں کی وہیں کھڑی رہ جائے گی جہاں ساتویں آٹھویں صدی کے مفسرین اسے چھوڑ گئے تھے۔اس سول کا جواب ذرا سا دقیق ہے۔دیکھیں کہ زمان اللہ کا ہے، مکان اللہ کا ہے، وقت اللہ کا ہے، خالق اللہ ہے اور قرآن اللہ کی کتاب ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ کتاب اللہ ہر زمانے کے ساتھ چلتی رہے زمانہ تو ارتقاء پذیر ہے اور اللہ کا کلام جامد ہے مگر زمانے کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔جب زمانہ بدلے گا، تہذیب کے اصول بدلیں گے، تمدن کے تقاضے بدلیں گے، معاشی اصولوں میں ارتقاء ہوگا، سماجی نظام میں تبدیلیاں آئیں گی، تو نئے سوال جنم لیں گے، معاملات کے نئے پہلو اور اچھوتے سوال انسان کا گھیراؤ کریں گے مگر ہر زمانے میں ہر مقام پر قرآن کے مقرر کردہ علمی اصول انسانی سوالوں کا جواب دیں گے یہی اس کتاب کا اعجاز ہے۔چنانچہ عمل تفسیر کا جاری رہنا ہی انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے۔کتاب الٰہی علوم و معارف کا لامتناعی گنجینہ ہے۔یہ کتاب قیامت تک انسانوں کے لیے کتاب ہدایت اور دستورالعمل ہے۔جیسا کہ بیان کیا گیا کہ یہ ہر دور کے انسانوں کی رہنمائی کرنے والی کتاب ہے اس لیے ہر دور کے اہل علم کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے دور کے انسانوں کے لیے اس کتاب کی تشریح و تعبیر کا فرض سرانجام دیں اور بدلتے وقت نے انسانوں کے سامنے جن سوالوں کو پیدا کیا اُن کا جواب کلام اللہ سے تلاش کر کے لوگوں کو اس سے آگاہ کریں۔یہ بات واضح ہے کہ زمانہ قرآن کو بوسیدہ نہ کر سکے گا جیسا کہ پندرہ سو سال تک نہ ہوا۔اگر پندرہ ہزار سال بھی بیت جائیں تب بھی یہ کتاب کبھی بوسیدہ نہ ہوگی، اس کتاب کے معانی و مطالب ہمیشہ زندہ و پائندہ اور تر و تازہ رہیں گے۔علامہ

طبرانی نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت علی کی یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا!
''اس کتاب کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے اور نہ یہ کتاب کبھی بوسیدہ ہوگی''۔
اب ہم اصول تفسیر کو مختصراً بیان کرتے ہیں۔

◁◀ قرآن مجید کی آیات کے الگ الگ نزول کا تفصیلی علم کہ کون سی آیت کہاں نازل ہوئی، کب نازل ہوئی، کیسے نازل ہوئی۔

◁◀ قرآن مجید کی کون سی آیت یا کون سی سورت یا کون سا حکم کن حالات اور کس پس منظر میں نازل ہوا۔

◁◀ قرآن مجید کی کون سی آیت محکم ہے اور کون سی متشابہ ہے۔

◁◀ قرآن مجید کی کون سی آیت یا اُس آیت کا حکم عام ہے یا خاص ہے۔

◁◀ قرآن مجید کا ایک ہی حکم یا ملتے جلتے احکام پر مشتمل وہ آیات جو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھی جانی چاہییں اِن آیات کو قدیم مفسرین اپنی اصطلاح میں ناسخ اور منسوخ کی اصطلاح سے یاد کرتے ہیں۔یعنی ناسخ اور منسوخ کا علم۔

◁◀ قرآنِ مجید کا رسم الخط اور متواتر قرأت کا علم

◁◀ قرآن مجید کے قصص اور اُن کے تاریخی پس منظر کا علم۔

یادرہے کہ اوپر پیش کئے گئے علوم تفسیر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بس یہی علوم تفسیر ہیں حقیقت یہ ہے کہ علوم تفسیر کو بیان کرنے کے لیے تو الگ سے ایک کتاب درکار ہوگی ہم نے محض چند اشارات نقل کیے ہیں۔

اس کے بعد اگر چہ ہماری خواہش تھی قرن اول سے لے کر آج تک علم تفسیر کے ماہرین پر کچھ کلام کیا جاتا مگر یہ موضوع بھی اپنی ضخامت کے لحاظ سے ایک الگ جلد کا متقاضی ہے جس کے ہم متحمل نہیں ہو سکتے ،تاہم بطور سعادت ہم کچھ ماہرین تفسیر کے نام ذیل میں درج کیے دیتے

ہیں۔

- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
- حضرت علی بن اطالب رضی اللہ عنہ
- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
- حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ
- حضرت ابوشبیل علقمہ بن قیس بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 73ھ)
- حضرت ابوعمرو اسود بن یزید بن قیس رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 75ھ)
- حضرت ابواسماعیل مرۃ بن شراحیل الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 90ھ)
- حضرت ابولعالیہ رفیع بن مہران الریاحی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 93ھ)
- حضرت عروہ بن زبیر بن عوام رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 94ھ)
- حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 94ھ)
- حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 97ھ)
- حضرت ابوالحجاج مجاہد بن جبر المخزومی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 103ھ)
- حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 105ھ)
- حضرت ابوالقاسم ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 105ھ)
- حضرت ابوعبدالرحمان طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 105ھ)
- حضرت ابوبکر بن محمد بن سرین رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 110ھ)
- حضرت ابوسعید الحسن بن ابی الحسن البصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 110ھ)
- حضرت ابوعامر بن شراحیل الشعبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 111ھ)
- حضرت ابوالحسن عطیۃ العوفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 111ھ)
- حضرت محمد بن کعب بن سلیم بن اسد قرضی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 112ھ)

◁◀ حضرت ابن جریج قریشی مکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 116ھ)

◁◀ حضرت ابو عبداللہ نافع بن ہرمز رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 117ھ)

◁◀ حضرت ابو محمد عبداللہ بن عبیداللہ المکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 117ھ)

◁◀ حضرت ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 118ھ)

◁◀ حضرت ربیع بن انس البکری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 121ھ)

◁◀ حضرت ابو محمد بن عبدالرحمان السدی کبیر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 127ھ)

◁◀ حضرت عبداللہ زید بن اسلم العمری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 136ھ)

◁◀ حضرت ابونضر محمد بن سائب الکلبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 146ھ)

◁◀ حضرت مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 150ھ)

◁◀ حضرت عبدالرحمان بن زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 182ھ)

متاخرین میں سے مفسرین قرآن کے نام اس قدر زیادہ ہیں کہ اُن سب کے نام یہاں تحریر کرنا ممکن نہیں ہے۔اس لیے کہ جب سلطنت عباسیہ مستحکم ہوگئی تو عباسی حکمرانوں نے جہاں دیگر علوم وفنون کی زبردست پذیرائی کی وہاں قرآن سے بھی اُن کی محبت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔اس لیے اس عہد میں بھی بہت سے نامور مفسرین قرآن نے جنم لیا اور قرآن حکیم کی تفسیر کا کام جاری وساری رہا۔اِن علمانے یونانی فلسفے کے مقابل قرآنی افکار کی حقانیت کو واضح کیا اور تمام مروجہ افکار کو علوم قرآنی کے مقابل ہیچ ثابت کیا۔حقیقت یہ ہے کہ اس عہد کے مفسرین کا حال بیان کرنا چاہیے مگر جب ہم اُن کا حال بیان کرنے بیٹھیں گے تو لازم ہے کہ اُن کے اُن کارناموں پر بھی بحث کی جائے جو انھوں نے تفسیر القرآن کے ضمن میں سرانجام دیئے مگر خدشہ یہ ہے کہ اگر ہم اس کام میں منہمک ہو گئے تو دوسرے بہت سے مضامین کے لیے جگہ نہ بچے گی۔ہمارے عہد میں یعنی انیسویں اور بیسویں صدی میں بھی بہت سے نامور مفسرین قرآن

نے جنم لیا اور قرآن فہمی کے نئے عہد کا آغاز کیا۔علوم قرآن سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اس عہد سے کچھ مفسرین کے محض نام تحریر کیے جا رہے ہیں اُن کی تفاسیر مشہور و معروف ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں علم کی راہ پر لگا دے۔

◁◀ حضرت ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 747ھ)

◁◀ حضرت فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 606ھ)

◁◀ حضرت قاضی ابو سعود محمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 951ھ)

◁◀ حضرت القرطبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 671ھ)

◁◀ حضرت علامہ محمود آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1270ھ)

◁◀ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1401ھ)

◁◀ امام امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1411ھ)۔ [*33]

نظم قرآن

علوم القرآن کے آخر میں ہم مختصراً نظم قرآن کے حوالے سے کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔قرآن کریم کا ایک وقیع الشان اعجاز اس کی آیات کے باہمی ربط وتعلق اور نظم وترتیب میں ہے ۔آپ سرسری نظر سے قرآن کریم کا مطالعہ فرمائیں تو بظاہر یہ محسوس ہوگا کہ اس کی ہر آیت جدا اور الگ مضمون کی حامل ہے اور اُن کے مابین کوئی ربط وتعلق نہیں۔اسی وجہ سے نظم قرآن کے بارے میں مفسرین کے دو گروہ ہوگئے جن میں سے ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ چونکہ قرآن حکیم تیئیس سال کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا اس لیے اس کلام میں کسی ربط وتعلق کی تلاش عبث ہے اور اس کی ہر آیت ایک مستقل مضمون کی حامل ہے۔دوسرے گروہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن حکیم ایک مکمل کتاب ہے وہ شروع سے آخر تک باہم مربوط ہے اور اسی نقطہ نظر سے اس کا مطالعہ ضروری ہے اس دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ کسی کتاب کا بے ربط ہونا اُس کے نقص کی دلیل ہے اور قرآن حکیم چونکہ اللہ کی کتاب ہے اس لیے وہ کسی نقص سے پاک ہے اور باہم مربوط ہے اور ایک ایسے نظم کی حامل ہے جس کو کھوجنا قدرے دشوار ہے تاہم ناممکن ہر گز نہیں۔ہم سمجھتے ہیں کہ نظم قرآن سے انکار دراصل ایک تساہل ہے جس میں لوگ مبتلا رہے ہیں جن لوگوں نے قرآن حکیم کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا انھوں نے بالآخر نظم قرآن کے

بارے میں جانا اوراس علم کو آنے والے لوگوں تک منتقل کیا۔حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم کی آیات میں باہم ربط و تعلق موجود ہے جو تحقیق و جستجو سے واضح ہو جاتا ہے۔کیونکہ اگر آیات قرآن کے اندر ربط و نظم مفقود ہوتا تو اس کو ترتیب نزولی کے مطابق ہی لکھ لیا جاتا تب ترتیب رسولی کا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی قرآن کی کوئی آیت اترتی تو رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو طلب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں مجھ پر قرآن کی یہ آیت اتاری گئی ہے تم لوگ اسے فلاں سورۃ میں فلاں آیت سے پہلے اور فلاں آیت کے بعد لکھو۔

متاخرین میں سے کئی مفسرین نے نظم قرآن کی بابت جستجو کی ہےاوراس کی نشاندہی کی ہے تا کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں اور نظم قرآن کھل کر واضح ہو جائے اس لیے کہ نظم قرآن کو جانے بغیر قرآن کے معنی بیان کرنا مشکل ہے۔یہی وجہ ہے کہ مفسرین کی آراء میں تفاوت پایا جاتا رہا ہے۔نظم قرآن کے سلسلے میں امام محمد فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی "**تفسیر کبیر**" شاید اس ضمن میں پہلی کتاب ہے جس میں نظم قرآن کو اجاگر کرنے کی کاوش کی گئی ہے۔اُن کے بعد قاضی ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نظم قرآن کی خصوصیات بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔جب ہم قرآن مجید کے نظم پر بات کرتے ہیں تو اس کے تین بڑے اور نمایاں پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔

قرآن مجید کے الفاظ وکلمات کی بندش، جس کے لیے علماء نے نظم کی اصطلاح استعمال کی ہے دراصل قرآن مجید کے سیاق وسباق کے دو مفہوم ہیں اول تو قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کی باہمی ترتیب کا نظام ہے دوسرا عبارت اور کلمات کا۔اس دوسرے مفہوم کے لحاظ سے قرآن مجید میں نظم اس کو کہا جائے گا جس کو ہم عام بول چال میں لفظ یا کلمہ کہتے ہیں۔چونکہ الفاظ اور کلمات کے لغوی معنی قرآن مجید کے شایان شان نہیں سمجھے گئے اس لیے قرآن مجید کے لیے نظم کی خاص اصطلاح استعمال کی گئی۔نظم کے معنی موتیوں کو ایک لڑی میں پرودینا ہے گویا

قرآن مجید کے الفاظ وکلمات خوبصورت موتیوں کی طرح ہیں اور اپنی ترتیب ونظم کے حوالے سے ایک خوبصورت ہار کی طرح متشکل ہیں۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ اگر ایک خوبصورت ہار کے کچھ موتی نکال دیئے جائیں یا اُن کی ترتیب بدل دی جائے تو اُس کا حسن ختم ہو جاتا ہے ۔اسی طرح اگر قرآن حکیم کی عبارت کو آگے پیچھے کر دیا جائے تو وہ اُس مخفی نظم سے محروم ہو جائے گا جو اس کے مفہوم کو درحقیقت واضح کرنے والا تھا۔ چنانچہ اگر یوں کہا جائے کہ نظم قرآن میں ہی قرآن کا سارا حسن مخفی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ جیسا کہ ہم بیان کر رہے تھے بہت سے علماء نے نظم قرآن کی افادیت کو اجاگر کیا ہے، انھوں نے قرآن کی آیات میں ایک تناسب اور نظام کو دریافت کیا ہے اور اس ضمن میں نئے نئے حقائق وضع کیے ہیں۔

ہم کم وبیش پچیس ایسے اہل علم کو جانتے ہیں جنھوں نے خاص نظم قرآن کو اپنے تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ اِن لوگوں کی تحقیقات منظر عام پر آچکی ہیں ۔انھوں نے قرآن مجید کی آیات میں آپس کی مناسبت ، سورتوں کے تناسب ،اور قرآن کے اندرونی نظام کے بارے میں اپنی تحقیقات پیش کی ہیں اور اُن کے مطابق قرآن کے حقیقی پیغام تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ آیات کی تشریح کرتے وقت سیاق وسباق نظر میں رہے کہ اسی سے نظم قرآن واضح ہوتا ہے۔ اِن لوگوں نے پورے قرآن کے نظم کو واضح کیا ہے اور اپنی کتابوں میں اسی نظم کے تحت معانی و مطالب قرآن کو واضح کیا ہے۔ اِن میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''**فوز الکبیر**'' میں قرآنی نظم پر اصولی گفتگو کی ہے۔ قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ قرآن کے ہر صفحے پر قرآن کے بنیادی مباحث نظروں میں رہتے ہیں اور انسان اُن سے مانوس ہو جاتا ہے، انھیں اپنا لیتا ہے۔

سورہ فاتحہ ہی کو دیکھ لیں کہ اس کا آغاز توحید سے ہو رہا ہے، پھر فوراً ہی آخرت کا ذکر چل پڑتا ہے، اگلی آیت میں صراط مستقیم کا ذکر ہے پھر اِن لوگوں کا ذکر آ گیا جن پر اللہ نے اپنا انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء صدقین، شہدا اور صالحین کا، پھر اُن لوگوں کے راستے سے بچنے کی دُعا کی

گئی ہے جن پر اللہ کا غضب ہوا جو راہ راست سے بھٹک گئے تھے اور گمراہ ہوئے۔ گویا قرآن مجید کے سارے بنیادی مضامین اس سورہ میں ہی موجود ہیں۔ یہی بات آپ قرآن کے تقریباً ہر صفحے پر محسوس کریں گے، اس کی دو مصلحتیں ہیں جو ہماری سمجھ میں آئی ہیں ایک تو یہ کہ قرآن مجید چونکہ کتاب ہدایت ہے اور انسانی زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی مہیا کرنا گویا اس کا مقصد نزول ہے اس لیے قرآن حکیم ہدایت کے سارے پہلوؤں کو بہ یک وقت قاری کے سامنے رکھتا ہے تا کہ جہاں اسے ضرورت ہو قرآن سے اُسے ہدایت مل جائے، دوسرے یہ کہ قرآن مجید میں اُس انسانی ترتیب کو نظر انداز کیا گیا ہے جس میں وہ عمومی طور پر تحریر کرتا ہے۔ بلکہ قرآن میں ایک آفاقی ترتیب کو اپنایا گیا ہے جس کا انسانی ادب میں کوئی جواب نہیں۔ قرآن حکیم نے اپنی آیات کو موضوعات کی بنا پر اجزا میں تقسیم نہیں کیا اس لیے کہ یہ انسانی اسلوب ہے اور اس میں ایک بات بیان کرتے ہوئے دوسری بات نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے، جب کہ قرآن حکیم میں براہ راست اور ہمہ وقت اُن موضوعات کی تقرار جاری رہتی ہے جو وہ انسان کو باور کرانا چاہتا ہے۔ اس اسلوب کا فائدہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے تمام بنیادی مضامین ہر وقت قاری کی نگاہوں کے سامنے رہتے ہیں۔

اس اسلوب بیان کی وجہ سے بعض سطحی ذہن کے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ قرآن مجید میں کوئی نظم نہیں اور اس کی آیات اور سورتوں میں کوئی مناسبت نہیں حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور قرآن مجید کی آیات اور سورتوں میں ایک غیر معمولی ترتیب اور ایسی عجیب و غریب مناسبت پائی جاتی ہے کہ درجنوں مفسرین اور بڑے بڑے دماغوں جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور زمخشری رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگوں نے نظم قرآن پر سالوں غور و فکر کیا اور قرآن حکیم کی آیات اور سورتوں میں ایک ایسا اندرونی نظام دریافت کیا جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ایک نظام مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر" **تدبر قرآن**" میں ملتا ہے اس نظام پر کم و بیش سو برس غور و فکر کیا گیا اس کے بعد تدبر قرآن جیسا شاہکار وجود میں آیا۔ امام احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے تدبر قرآن

میں نظم قرآن کی پوری ماہیت کو بیان کیا ہے اور ہر قرآنی آیت کا دوسری قرآنی آیت اور ہر سورہ کا دوسری سورہ سے نظم و تعلق کو ظاہر کیا ہے۔اُن کے استاد مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے جس کا کام کا آغاز کیا تھا اُسے مکمل کرنے کی سعادت حضرت امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے حصے میں آئی اور انھوں نے اس پوری فکر سے منقح ہونے والے اصول و نظام قرآن کو نظر میں رکھتے ہوئے اپنی یہ تفسیر مرتب کی ہے۔اس پوری تفسیر میں انھوں نے نظم قرآن کو اس طرح واضح کر کے رکھ دیا ہے کہ ہر پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ گویا یہ ایک بالکل بدیہی چیز ہے جو اب تک نظروں سے اوجھل تھی۔امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورتوں کی جو مناسبت بیان کی ہے اُسے پڑھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تناسب کی حکمتوں کا اس سے بہتر بیان ممکن ہی نہیں،مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر "**بیان القرآن**" میں سورتوں کی ترتیب میں پنہاں حکمتوں کی طرف اشارہ کیا ہے،سیّد ابولاعلی مودودی نے بھی "**تفہیم القرآن**" میں سورتوں کے مابین مناسبتوں کی نشاندہی کی ہے۔دراصل تو یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے اور ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم نظم قرآن کے تمام پہلوؤں کو اِن صفحات میں واضح کر سکیں۔جن لوگوں کو خاص اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ اُن کتابوں کی طرف رجوع کریں جو خاص اِس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

❄❄❄

دوسرا حصہ

قرآن کتاب ہدایت ہے

قرآن میں ڈر سنایا گیا ہے



احسان قرآن

قرآن کی اللہ کی کتاب ہے، یہ کتابِ ہدایت ہے، انسان اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ اپنی تمام مخلوقات میں سے سب سے زیادہ محبت انسان سے کرتا ہے مگر حیرت ہے کہ انسان نے ہی سب سے زیادہ خالق کا انکار کیا ہے۔ اگرچہ اللہ نے انسان کو عقل عطا فرمائی جس سے اُس نے بڑے بڑے معرکے سر کیے مگر اسی عقل کے دھوکے نے اُسے اللہ کے انکار پر بھی اکسایا۔ اللہ رحمان ورحیم ہے اور وہ جانتا ہے کہ عقل کے سہارے انسان اُس منزل تک نہیں پہنچ سکتا جو دراصل اُس کے پیدا کرنے کا حقیقی مقصد ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے اُن کی رہنمائی کی ورنہ شاید وہ اللہ کا ادراک حاصل نہ کر پاتے، اُن کے خالق تک پہنچنے کے سارے سفر کو قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!

وَكَذَلِكَ نُرِيْ إِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ

الْمُوقِنِيْنَ (75) فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَباً قَالَ هَـذَا رَبِّى فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لا أُحِبُّ الآفِلِيْنَ (76) فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغاً قَالَ هَـذَا رَبِّى فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِى رَبِّى لأكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّيْنَ (77) فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَـذَا رَبِّى هَـذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّى بَرِىءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ (78) إِنِّى وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِى فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ حَنِيْفاً وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (79)

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 75.79/6)

ترجمہ:

''اورابراہیم کو ہم اس طرح زمین وآسمان کا نظام سلطنت دکھاتے تھے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے، چنانچہ جب رات اُس پر طاری ہوئی تو اُس نے ایک تارا دیکھا اور کہا یہ میرا رب ہے، مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں، پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ میرا رب ہے مگر وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا، پھر جب اُس نے سورج کو دیکھا تو کہا یہ سب سے بڑا ہے یہ میرا رب ہے، مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو ابراہیم پکار اٹھا، اے برادران قوم! میں اِن سب سے بے زار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو، میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اُس ہستی کی طرف کر لیا ہے جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہیں ہوں''۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان صدیوں سے اپنے اندر ایک خلا محسوس کرتا تھا، وہ کسی معبود کے در پہ جھکنے کو

بے تاب تھا اُس کی روح پیاسی تھی اور وہ کسی ایسی مہربان ہستی کو کھوجتا تھا جو اُس کے دکھوں کا مداوا ہو جائے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کی ہستی کا علم انسانوں کے لیے ایک وجدانی، فطری اور بدیہی طلب ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور اپنے اسی اندرونی وجدان، اسی اندرونی صدا نے اُسے مجبور کیا کہ وہ پہاڑوں کے آگے سر جھکائے، ستاروں کی پرستش کرے، چاند کو محبوب جانے، سورج کو سجدہ کرے بتوں کے سامنے اپنی حاجات پیش کرے، مظاہر فطرت کو خالق جانے، خود سے بڑی ہر چیز کے آگے سر جھکائے، ڈر اور خوف کے مارے سانپ ہاتھی اور گائے کی پرستش پر بھی آمادہ ہو جائے۔ یہ عام انسانوں کا چلن تھا مگر جو اُن کے صاحب دانش تھے وہ بھی اِن سے کچھ مختلف نہ تھے بلکہ اُن کی سوچ بھی یہ تھی کہ ہر اُس طاقت ور کی پوجا کی جائے جو اُن سے مغلوب نہ ہو، اگر چہ کچھ لوگ سوچتے تھے کہ اس قدر وسیع اور وقیع کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا یقیناً ہوگا مگر وہ اس تک رسائی نہ رکھتے تھے اگر چہ اُن کے دل میں اس کو جاننے، اس کو پوجنے، اس کو خوش کرنے اور اس کی عبادت کرنے کی خواہش موجود تھی۔

جب انسان تاریخ کے تاریک دور سے باہر آیا اور شعوری پختگی کی منزل تک پہنچا تو اُس کے ہر معاشرے اور ہر قوم میں یہ تصور بہر حال پختہ ہو چکا تھا کہ ایک خالق ہے، ایک مالک ہے، ایک رب ہے جو اس کائنات کا مالک ہے اور وہی ہے جو اُن کی رزق دیتا ہے، فتح دیتا ہے، بیٹے دیتا ہے خوشیاں دیتا ہے، غم دیتا ہے۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے ذہن میں خدا کا تصور پختہ ہو چکا تھا مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کہاں ہے وہ اِس کی پوجا کس طرح کریں۔ نزول قرآن کے وقت اللہ کی ہستی کا عقیدہ تو کم و بیش دنیا کی ہر قوم میں پایا جاتا تھا۔ مگر اللہ کون ہے، اُس کا مطالبہ کیا ہے، اللہ تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ باتیں انھیں قرآن نے بتائیں اسی لیے ہم نے اس مضمون کا نام احسان القرآن رکھا ہے کہ اُسی نے انسان کو جہالت اور تاریک نظریات و عقائد سے نکال کر اللہ رب العزت تک پہنچایا اور تفصیل سے انسانوں کو بتایا کہ اللہ کیا ہے، وہ کیا چاہتا ہے اُس کی رضا کس بات میں ہے، اللہ کی صفات کیا ہیں، اللہ کی منشا کیا ہے، نزول قرآن سے پہلے کے معاشروں پر نگاہ ڈالیں تو ہم

دیکھیں کہ ایک اشتراک کے سوا کہ کوئی خدا ہے باقی تمام امور میں انسانی معاشرے اور قومیں متفرق تھیں، خاص طور پر اُن کے ہاں اللہ کا جو تصور پایا جاتا تھا وہ اُن کی گمراہی پہ کھلی دلیل تھا۔ جب قرآن نازل ہوا تو اگرچہ لوگوں کی اکثریت نے اسے قبول کر لیا اور وہ حق کی روشنی کو پا گئے مگر ایسے لوگوں کی کمی بھی نہ تھی جو اپنے آباء کے دین سے چمٹے رہے اور اپنے آبائی نظریات وعقائد کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

چنانچہ نزول قرآن سے لے کر آج تک خطہ ارض پر بہت سی قومیں آباد ہیں جو خدا کے بارے میں اُسی بوسیدہ تصور سے چمٹی ہوئی ہیں جن کا عکس نزول قرآن سے پہلے کے معاشروں میں پایا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے انسانوں کو اللہ کے بارے میں جو کچھ بتایا اُس کی حقیقی اہمیت سے آشنا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ علم ہو کہ نزول قرآن سے پہلے دنیا کی مختلف قوموں میں اللہ کے متعلق کس قدر جاہلانہ اور بعید از قیاس تصورات پائے جاتے تھے۔ وہ اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں کیسے کیسے گمراہ کن اور جاہلانہ نظریات کو اپنائے ہوئے تھے۔ اگرچہ یہاں اس بارے میں تفصیل کی گنجائش نہیں تاہم اجمالاً عرض کیے دیتے ہیں کہ تب بہت سی قوموں میں اللہ کے بارے میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ وہ ایک بادشاہ جیسا ہوگا۔

چونکہ اِن معاشروں اور اِن اقوام نے بادشاہ سے زیادہ طاقتور اور بااختیار انسان نہ دیکھا تھا اس لیے وہ اللہ کو بادشاہ قیاس کرتے۔ اسی تخیل کے بطن سے شرک نے جنم لیا اور اسی نظریے کے تحت انسان بت پرستی کی طرف مائل ہوا۔ وہ کہتے کہ جس طرح بڑے سے بڑا بادشاہ بھی پورے ملک کا نظم ونسق اکیلے نہیں سنبھال سکتا اور وہ مجبور ہوتا ہے کہ امور مملکت چلانے کے لیے وزیر مقرر کرے، مشیر مقرر کرے اسی طرح اللہ نے بھی نظام کائنات کو چلانے کے لیے اپنے بہت سے نائب مقرر کر رکھے ہیں جن میں اپنے اختیارات کو تقسیم کر دیا ہے۔ اہل عرب کہتے کہ اُن کے بت اللہ کے ہاں اُن کے سفارشی ہیں، اہل ہند کہتے کہ اُن کے بت ایشور (اللہ) کے وزیر و مشیر ہیں، وہ چونکہ خود اللہ تک رسائی نہیں رکھتے اس لیے وہ اللہ کے وزیروں مشیروں یا اُن ہستیوں کو جن کو اللہ محبوب رکھتا ہے راضی

کرنے کی جستجو کرتے اور اس طرح وہ بت پرستی اور شرک کی عمیق گہرائیوں میں اترتے چلے گئے۔ ہندومت اور یونانی فلاسفہ کے ہاں اللہ کا تصور دیگر اقوام کے مقابل نہایت پست تھا۔ وہ خدا کا تصور مادی شکل وصورت اور مادی صفات کے ساتھ کرتے تھے اور خیال کرتے کہ جس طرح انسان غم وخوشی اور رنج وراحت سے متاثر ہوتا ہے یہ سب حالات اللہ کے ساتھ بھی پیش آتے ہیں۔ انسان اِن حالات سے متاثر ہو کر جیسے افعال کرتا ہے خالق بھی حالات کی سختی سے اسی طرح متاثر ہوتا ہے اور انسانوں ہی کی طرح بعض اوقات مجبور ہو جاتا ہے اور بعض اوقات مختار بن بیٹھتا ہے۔ ہندوؤں کا خدا تو باقاعدہ عیاش تھا کہ انھوں نے اپنی اخلاقی پستی کا جواز اپنی ہی مذہبی دیو مالا سے فراہم کر رکھا ہے۔ اور بعض قومیں ایسی بھی تھیں جو خدا کو محض قہر وغضب اور جلال و جبروت سے بھرپور ایک ایسے مطلق العنان بادشاہ کی طرح سمجھتی تھیں جس کا کوئی اصول وآئین نہ ہو جو غصہ اور ناراضگی کے وقت لوگوں پر بے حساب تباہیاں اور عذاب نازل کرتا ہے اور وہ کبھی انسانوں پر رحم دل اور مہربان نہیں ہوتا۔

اس تفصیل سے جو چیز ظاہر ہو رہی ہے وہ صرف یہ ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں لوگوں کو اللہ کی ذات وصفات کے متعلق جن گمراہیوں اور ضلالتوں کا سامنا تھا اور بعض قومیں اب بھی اُسی میں مبتلا ہیں اُس کی بنیاد صرف اس نظریے پر رکھی ہے کہ اللہ بادشاہ ہے۔ تب لوگوں نے بادشاہوں کے جلال وجبروت اور قہر وغضب ہی کا سامنا کیا تھا اور وہ نہیں جانتے تھے کبھی کبھی کہیں کہیں کوئی رحم دل بادشاہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے ایک بادشاہ میں بالعموم جو صفات وعادات پائی جاتی ہیں اُن کی ہی ایک قدرے بہتر شکل کو الوہیت کا نام دے دیا گیا اور اس مغالطے کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کے دلوں میں خدا کا تصور عام طور پر قہر وغضب سے بھری ایک ہستی تک محدود ہو گیا اور وہ خدا کو محض دہشت اور خوف کی علامت سمجھنے لگے اس لیے وہ اس سے خوفزدہ تو رہے مگر اُس سے محبت نہ کر سکے۔ نزولِ قرآن سے کئی صدیاں قبل اگرچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے انسانوں کے ذہن سے اس بات کو نکالنے کی بھرپور کوشش کی اور باپ کی محبت وشفقت کی تمثیل وتعبیر اللہ رب العزت کے لیے استعمال کی اور انھیں بتایا کہ جس

طرح ایک آدمی اپنے بیٹوں سے محبت کرتا ہے اسی طرح اللہ تم سے محبت کرتا ہے۔لیکن زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی قوم گمراہ ہوگئی اور حضرت مسیح علیہ السلام کے نظریات وعقائد کو ترک کر بیٹھی اور ابنیت اور کفارے کے عقیدے کو اپنا لیا۔

❄❄❄

رحمٰن ورحیم

پھر اللہ کی رحمت جوش میں آئی، اللہ نے لوگوں پر اپنا آخری صحیفہ اتارا، آنحضرت محمد ﷺ نے لوگوں تک اللہ کے اس پیغام کو منتقل کیا۔ قرآن حکیم میں انسان کو اللہ کی تمام تر صفات سے آگاہ کر دیا گیا۔ اللہ کی رضا و منشا سے آگاہ کیا، انسان کو زندگی کے مقصد سے آگاہ کیا، اللہ کی واحدنیت کو آشکار کیا ، انسانوں کو بتایا کہ دنیا کے بادشاہوں کو اللہ کی بادشاہی سے دور کی بھی کوئی نسبت نہیں اور اللہ کی رحمت اُس کے قہر پر غالب ہے۔ اللہ نہایت غفور و رحیم ہے۔ قرآن حکیم نے انسان کو بتایا کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ خیر کی راہ پر چلے اور قرآن میں خیر کی راہ کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا۔ انسان کو بتایا کہ اُس کے رب نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے وہی اس تمام کائنات کو چلا رہا ہے وہی ہے جس نے رات اور دن کے نظام کو بنایا ہے۔ وہی ہے جس نے کائنات کے تمام نظام کو انسان کے تابع کر دیا ہے اس بات کا بھرپور اہتمام کیا گیا ہے کہ انسان اس زمین پر اللہ کے احکامات کی پیروی میں کوئی دشواری محسوس نہ کرے۔ پھر قرآن میں بتایا گیا کہ انسان دوسری تمام مخلوقات سے مختلف ہے اور افضل ہے اللہ نے اُسے زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہے۔ انسان کو شرف عطا کیا اور تاج شرف کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرے، قرآن نے مختلف قوموں اور مختلف مذاہب میں پھیلے گمراہ کن نظریات وعقائد کا ابطال کیا اور انسان کو حق اور راستی سے آگاہ کیا

۔قرآن دراصل اللہ کا انسان پر احسان ہے اگر انسان کو اس احسان کا احساس ہو جائے تو وہ اپنی زندگی کا کوئی بھی لمحہ اس قرآن سے رہنمائی لیے بغیر نہ گزارے۔قرآن نے انسان کو بتایا کہ اللہ تو رحمان ورحیم ہے اور ساری کائنات کا مالک ہے۔چنانچہ قرآن کے پہلے صفحے کی پہلی آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

''ساری حمد وثنا اُسی اللہ کے لیے ہے جو ساری کائنات کا رب ہے''۔

مطلب یہ کہ کوئی اس لائق نہیں کہ اُس کی تعریف کی جائے مگر اللہ۔یعنی ہر تعریف، ہر ستائش ہر ثنا کا سزاوار اللہ ہی ہے اس لیے کہ کائنات کے ساتھ اللہ کا تعلق صرف یہی نہیں کہ وہ اِس کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے بلکہ وہ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد اُس کو چلا بھی رہا ہے،مخلوقات کو پیدا کر کے بھول نہیں گیا بلکہ اُن کو پال بھی رہا ہے۔چنانچہ جس مخلوق کو بھی جس طرح کی ضرورت لاحق ہوتی ہے تو وہ اللہ ہی ہے جو اُس کو پورا کرنے والا ہے۔یعنی درختوں کو بظاہر ہوا پانی اور زمین سے جو غذا ملتی ہے جس سے اُس کی حیات کی نشونما ہوتی ہے یہ سب اللہ ہی کا اہتمام ہے،اسی طرح جب بچہ پیدا ہوتا ہے اور بھوک محسوس کرتا ہے تو اللہ ہی ہے جو عورت کی چھاتیوں کو دودھ سے بھر دیتا ہے۔درحقیقت یہ سب اللہ ہی کی ربوبیت ہے اور وہی اصل میں دینے والا ہے۔جس طرح وہ پیدا کرتا ہے اسی طرح وہ پرورش بھی کرتا ہے کیونکہ وہ انسانوں اور تمام مخلوقات کا رب ہے۔چنانچہ ربوبیت اور پروردگاری اسکی نمایاں صفت ہے جس پر ایمان انسان کو یقین کی دولت عطا کرتا ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ!

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

وہ رحمان ہے،رحیم ہے۔

اس آیت میں اُس قدیمی تصور کا خاتمہ کیا گیا کہ اللہ کو دنیاوی بادشاہوں سے کوئی نسبت ہے اور

اللہ صرف قہار و جبار ہے اور لوگوں سے ہر وقت ناراض رہتا ہے اُن پر عذاب بھیجتا ہے بلکہ فرمایا گیا کہ اللہ کی رحمت تو اُس کے غضب پر غالب آ گئی ہے اور وہ انسانوں سے بہت ہی محبت کرنے والا، نہایت رحیم و کریم ہے بے حد رحمت والا نہایت مہربان ہے اور اللہ کی یہ صفت کہ وہ انسانوں پر مہربان ہے اُن سے نرمی سے پیش آنے والا ہے، نہایت واضح اور مبین ہے۔ قرآن میں اس کی بے حد و شمار تقرار کی گئی ہے تا کہ انسان اللہ سے ڈرے مگر وہ اللہ کی محبت سے بھی آشنا رہے۔

پھر فرمایا!

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِO

"وہ یوم جزا کا مالک ہے"۔

اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ انسانوں کی مہیب تعداد جو اللہ کی باغی ہے اللہ اُن کو بس یونہی چھوڑ دے گا۔ بلکہ فرمایا گیا کہ اللہ جہاں رحیم ہے، غفور ہے، کریم ہے وہیں وہ عادل بھی ہے منصف بھی ہے اور جانتا ہے کہ کون سا انسان اُس کا انکار کرتا ہے اُس کے ساتھ شریک ٹھیراتا ہے اور اللہ کی زمین پر اکڑ اکڑ کر چلتا ہے۔ اس آیت میں کئی ایک باتوں کو کھول دیا گیا ،اول یہ کہ انسان کو یہ بات جان لینی چاہیے کہ وہ جس طرح بھی چاہے زندگی گزارے آخر اُس کو ایک روز اللہ ہی کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور اللہ کے سوالوں کا جواب دینا ہے اگر تو وہ اللہ کا باغی ہے تو اُس کو نہایت دردناک عذاب سے نوازا جائے گا اور اگر وہ مطیع و فرمانبردار ہے تو اللہ اُس کو اپنی نعمت یعنی جنت میں داخل کرے گا۔ دوسرا یہ کہ عبادت گزار اور اللہ کا تابعدار یہ نہ سوچے کہ وہ تو ہر وقت اللہ کی رضا حاصل کرنے کی جستجو میں ہے اور محبت اور محنت سے اللہ کو راضی کرنے میں مصروف ہے تو وہ اُس کے برابر ہو جائے گا جس نے ساری زندگی اللہ کے احکامات کو پس پشت ڈالے رکھا اور اللہ سے بغاوت کی راہ کو چنا، بلکہ اُس کو تسلی دی جا رہی ہے کہ ایک روز اللہ کے باغیوں کو ضرور پکڑ لیا جائے گا اور اُن کو دردناک عذاب دیا جائے گا یہی

اُس کے عدل کا تقاضا ہے۔قرآن مجید نے اپنے بالکل آغاز میں اِن تین چھوٹے چھوٹے بولوں سے ہی ذات باری تعالیٰ کا اس قدر تفصیلی تعارف کرادیا ہے کہ اگر صرف یہی تین آیات اتاری جاتیں تو بھی کفایت کرتیں۔مگر چونکہ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے اور اس کے بعد انسانوں کی ہدایت کے لیے کوئی اور صحیفہ نہ اتارا جائے گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اِس کتاب میں کسی بھی مسئلے کو اختصار و کفایت سے بیان نہیں فرمایا بلکہ تفصیل و جرح سے کام لیا ہے اور بلا مبالغہ ہزاروں جگہ اللہ کی صفات پر روشنی ڈالی گئی ہے تا کہ انسان اپنے خالق سے پوری طرح آگاہ ہو جائے۔اِن صفحات میں اسی امر کی تفصیل مقصود ہے۔

علیم وخبیر

آج کی دنیا پر نگاہ ڈالیں یا تاریخ کے دریچوں میں جھانکیں انسانوں کی مہیب تعداد نظر آئے گی جنھوں نے اپنے نفس کے آگے سر جھکا دیا، خواہش کے بندے بن گئے اور شیطان کی اطاعت اختیار کرلی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان زندگی کی مقصدیت سے آگاہ نہیں، اللہ کی رحمت سے آشنا نہیں اور نہ وہ اللہ کے قہر کو جانتا ہے اس لیے لذت کوشی اور لغویت اُس کی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے اور وہ اُس راہ سے منہ موڑ لیتا ہے جو اُس کی حقیقی منزل تھی۔ اللہ کی صفات کا انکار کرنے والے اگرچہ تاریخ کے ہر دور میں دکھائی دیتے ہیں مگر آج لمحہ موجود میں اُن کی تعداد اس قدر مہیب ہے کہ دل دہل کے رہ جاتا ہے اور اس بات پہ یقین پختہ ہو جاتا ہے جو نبی اکرم ﷺ نے پندرہ سو سال پہلے فرمائی تھی۔

صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ جنت میں جانے والے کتنے ہوں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شاید ہزار میں سے ایک''۔

انسانوں کی گمراہی دیکھتے ہوئے جہنم کے وجود پر یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ یہی زندگی ہے وہ اس سے جس قدر لطف ولذت حاصل کرلے اُسی قدر کامیاب ہوگا۔ چنانچہ اسی لذت، اسی آسودگی ، اسی فراغت اور اسی احساس تفاخر کے حصول کے لیے انسان دوسروں کا حق مارتا ہے،

دوسروں پر ظلم کرتا ہے، دوسروں سے سب کچھ چھین کر اپنے دامن میں بھر لینا چاہتا ہے، مگر نہ اُس کا پیٹ بھرتا ہے نہ اُس کی خواہش پوری ہوتی ہے۔ گمراہی اور پستی کے اِن سارے لمحوں میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُس کا خالق اُس کو نہیں دیکھ رہا، وہ اس کے اعمال سے آگاہ نہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے، سمیع البصیر ہے اور کائنات کا ایک پتہ بھی اُس کی اجازت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔ وہ سب دیکھتا ہے، وہ سب جانتا ہے، حق تو یہ ہے کہ اُس سے ڈرا جائے، اُس کے احکامات کی تعمیل کی جائے کہ یہی کامیابی کا راستہ ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو مفصل طور پر بیان کر دیا گیا کہ اُس کے علم کو کوئی نہیں پہنچ سکتا، وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور کوئی چیز اُس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

چنانچہ سورۃ آلِ عمران میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (5)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 5/3)

ترجمہ؛

”زمین وآسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں“۔

سورہ الانعام میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ (3)

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 3/6)

ترجمہ؛

”اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، وہ آگاہ ہے تمھاری چھپی ہوئی اور کھلی

ہوئی سب باتوں سے، جو بھلائی یا برائی تم کماتے ہو وہ اس سے بھی خوف واقف ہے"۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

اورسورہ القصص میں ارشاد فرمایا کہ!

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ (69) وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (70)

القرآن الحکیم (سورۃ القصص 69.70/27)

ترجمہ؛

"تیرا رب جانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں اللہ ایک ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی کے لیے حمد ہے دنیا کے لیے بھی اور آخرت میں بھی، فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو"۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

سورہ یونس میں اللہ نے ارشاد فرمایا کہ!

وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوداً إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (61)

القرآن الحکیم (سورۃ یونس 61/10)

ترجمہ؛

''تم جس حال میں بھی ہو اپنے رب کی نظر میں ہو، تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو وہ ہر وقت تمھارے پاس ہوتا ہے، کوئی ذرہ برابر چیز بھی آسمانوں اور زمین میں ایسی نہیں ہے نہ چھوٹی نہ بڑی جو تیرے رب نگاہوں سے اوجھل ہو اور ایک کتاب مبین میں درج نہ کی گئی ہو''۔

سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 186/2)

ترجمہ:

''اے نبیؐ! میرے بندے تم سے میرے متعلق پوچھیں تو اُن کو بتا دو کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی آواز سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں''۔

سورہ ق میں اللہ تعالٰی نے بیان کیا کہ!

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (16)

القرآن الحکیم (سورۃ ق 16/50)

ترجمہ؛

''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اُس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو

جانتے ہیں،ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں“۔

سورہ المجادلہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَى مِن ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○

القرآن الحکیم(سورۃ المجادلہ 7/58)

ترجمہ؛

”کیا تم کو خبر نہیں کہ اللہ کو زمین و آسمان کی ہر چیز کا علم ہے،کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں سرگوشی ہو اور چوتھا اللہ نہ ہو یا پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور چھٹا اللہ نہ ہو،خفیہ باتیں کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ،وہ جہاں کہیں بھی ہوں اللہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے،پھر قیامت کے روز وہ اُن کو بتائے گا کہ انھوں نے کیا کچھ کیا ،اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے“۔

سورہ نساء میں ارشاد ہوا کہ!

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ۔۔

القرآن الحکیم(سورۃ النساء 108/4)

ترجمہ؛

''یہ لوگوں سے تو شرماتے ہیں مگر اللہ سے نہیں شرماتے، حالانکہ وہ ہر حال میں اور ہر وقت اِن کو دیکھ رہا ہے''۔

❄❄❄

قادرِ مطلق

ایک زمانے تک لوگ اس نظریے کے قائل رہے کہ اللہ نے اس کائنات کو بنایا پھر اس سے الگ ہو گیا اور کائنات کا نظام خود بخود رواں ہو گیا، کچھ نے کہا کہ اللہ نے کائنات بنائی پھر الگ ہو کر بیٹھ گیا اور اس کا انتظام اپنے نائبین کو سونپ دیا یہ کافر تھے، کچھ نے کہا کہ کائنات ایک بڑے دھماکے سے وجود میں آ گئی اور پھر کیمیائی تبدیلیوں کے باعث اس میں حیات نے جنم لیا اور یہ کہ کوئی خالق ہے ہی نہیں یہ سب کچھ یونہی وجود میں آ گیا یہ دہریون تھے۔ کچھ نے کہا کہ اگر چہ اللہ موجود ہے اور وہ سب سے بڑی طاقت ہے مگر سورج اُس کا اوتار ہے اور ہم خدا کو نہیں جانتے ہم اُس کے اوتار کو جانتے ہیں اور اسی کی پوجا کرتے ہیں یہ مجوسی تھے۔ کچھ لوگ اپنے بادشاہ کو ہی اللہ کا اوتار قرار دے لیتے اور اسی کی پوجا شروع کر دیتے یہ فرعون تھے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ نے اپنی ریاست اور اُس کے امور اُن بتوں کو سونپ دیئے ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں یہ عرب تھے۔ قرآن حکیم نے انسان کی اِن تمام غلط فہمیوں کو دور کیا گیا اور بتایا گیا کہ اللہ قادر مطلق ہے وہی ہر چیز کا مالک ہے، وہ تھکتا نہیں نہ اُس کو اونگھ آتی ہے اس لیے وہ اس کائنات کو اپنی مرضی کے مطابق چلا رہا ہے اور وہی اس کائنات کو پیدا کرنے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ زمین و آسمان اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے سب کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور اللہ کو اِن سب چیزوں کا علم ہے، وہ اس قدر قوت والا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ

کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے اس لیے صرف وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اس کی عبادت کی جائے اور اُس کی رضا حاصل کی جائے کہ یہی انسان کی پیدائش کا مقصد اور یہی اُس کی منزل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قوت کا قرآن حکیم میں بسیط تذکرہ پایا جاتا ہے۔ چند منتخب آیات کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

سورہ ابراہیم میں ارشاد ہوا کہ!

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّهَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ بِالْحَقِّ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ (19) وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ (20)

القرآن الحکیم (سورۃ ابراهیم 19.20/14)

ترجمہ؛

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق کو حق پر قائم کیا وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور ایک نئی خلقت تمھاری جگہ لے آئے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

سورہ نساء میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

وَلِلّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ وَكَفَى بِاللّهِ وَكِيلاً (132) إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ وَكَانَ اللّهُ عَلَى ذَلِكَ قَدِيراً (133)

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 132.133/4)

ترجمہ؛

’’ہاں! اللہ ہی مالک ہے اِن سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں یا زمین میں ہیں اور کارسازی کے لیے بس وہی کافی ہے، اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ہٹا کر اور لوگ لے آئے اور وہ اس کی پوری قدرت رکھتا ہے‘‘۔

سورہ الانعام میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَى قُلُوبِكُم مَّنْ إِلَـٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُم بِهِ انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ (46) قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ (47)

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 45.47/6)

ترجمہ:

’’اے نبی! اِن سے کہو کبھی تم نے یہ سوچا ہے کہ اگر اللہ تمھاری بینائی اور سماعت تم سے چھین لے اور تمھارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمھیں یہ قوتیں واپس دلا سکے، دیکھو! کس طرح ہم بار بار اپنی نشانیاں اِن کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر یہ کس طرح اُن سے نظریں چراتے ہیں، کہو! تم نے کبھی سوچا ہے کہ اچانک یا اعلانیہ اُس کا عذاب تم پر آ جائے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور ہلاک ہوگا؟

سورہ یسین میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ!

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (82) فَسُبْحَانَ الَّذِي

بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (83)

القرآن الحکیم (سورۃ یس 82.83/36)

ترجمہ؛

''اُس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے، پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے، اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو''۔

سورہ فاطر میں فرمایا گیا کہ!

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيماً قَدِيراً (44)

القرآن الحکیم (سورۃ فاطر 44/35)

ترجمہ؛

''اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی چیز اُس کے اختیار سے باہر جا سکے، وہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

خالق ورزاق

رزق کا معاملہ بھی عجیب ہے، بہت سے نادانوں کو یہ خیال گزرا ہے کہ جن لوگوں کے پاس دولت کے انبار ہیں اللہ اُن سے خوب راضی ہے اور یہ دولت اور فراغت اُس کی رضامندی کا ثبوت ہے حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اور دولت انسان کو روزِ محشر بہت ذلیل کرانے والی ہے اس لیے کہ دولت مند آدمی اکثر و بیشتر خالق سے غافل ہو جاتا ہے اور اس احساس سے عاری ہو جاتا ہے کہ اللہ نے اُس کو جس نعمت سے نوازا ہے اس نعمت کا وہ ایک دن حساب بھی لینے والا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ روزِ قیامت دولت مند آدمیوں کو پوچھا تک نہ جائے گا بلکہ انھیں پیچھے دھکیل دیا جائے گا اور اُن سے پہلے غربا اور مساکین کو جنت میں داخل کیا جائے گا حتیٰ کہ پانچ سو سال گزر جائیں گے تب کہیں جا کر دولت مندوں کی باری آئے گی۔ تاریخ کے دریچوں میں جھانکیں تو انسان رزق کے معاملے میں عجیب و غریب مخلوقات کے آگے جھکا نظر آتا ہے۔ کبھی وہ بادلوں کے لیے مناجات کر رہا ہے تو کبھی زمین کو ہی اپنا معبود قرار دے لیتا ہے، کبھی وہ بتوں کے آگے گڑگڑاتا ہے تاکہ وہ اس کی ضروریات پوری کریں تو کبھی بادشاہوں کے در کا کتا بن جاتا ہے کہ شاید اُس کی جھولی میں بھی چند سکے ڈال دیئے جائیں۔ قرآن حکیم نے انسانوں کو بتایا کہ رزق دینے والا بھی وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔ وہی ہے جس کے قبضہ و قدرت میں آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے ہیں

،وہی ہے جس نے تمھارے رزق کا ذمہ لیا ہے، وہی ہے جو منہ بند سیپ کے اندر بھی رزق پہنچا رہا ہے۔ وہی ہے جس نے رزق کا اس قدر جامع اہتمام کیا ہے کہ اگر انسان کسی دوسرے سے نہ بھی چھینے تب بھی وہ بھوکا نہ مرے گا مگر انسان کی ہوس اُسے چین نہیں لینے دیتی اس لیے سوائے مٹی کے اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور جتنی بھی سانسیں وہ اللہ کی زمین پر لیتا ہے ہوائے نفس کا شکار ہی رہتا ہے سوائے اُن بندوں کے جو حقیقت کو جان گئے اور انھیں یہ ادراک حاصل ہو گیا کہ اللہ ہی رازق ہے اور تمام خزانوں کا مالک ہے۔اس ضمن میں چند آیات پر نگاہ ڈالتے ہیں۔

سورہ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 53/7)

ترجمہ؛

''سن لو! اُسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم چلانا، بابرکت ہے اللہ جو پروردگار ہے ساری کائنات کا''۔

سورہ الزمر میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (62) لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۔

القرآن الحکیم (سورۃ زمر 62.63/39)

ترجمہ؛

''اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا ذمہ دار ہے، زمین آسمان کے

تمام(خزانوں) کی کنجیاں اُس کے قبضہ وتصرف میں ہیں"۔

سورہ روم میں بتایا گیا کہ!

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِن شُرَكَائِكُم مَّن يَفْعَلُ مِن ذَٰلِكُم مِّن شَيْءٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ (40)

القرآن الحکیم(سورۃ روم 40/30)

ترجمہ؛

"وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے وہی تم کو رزق دینے والا ہے، وہی تم کو موت دے گا وہی تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا، تو کیا تمھارے اِن شریکوں میں سے بھی کوئی ہے جو ایسا کرنے پر قادر ہو، پاک ہے وہ اللہ اور برتر ہے اِن کے شرک سے اور شریکوں سے"۔

سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا کہ!

فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجاً يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (11) لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (12)

القرآن الحکیم(سورۃ الشوریٰ 10.12/42)

ترجمہ؛

”اللہ ہی ہے زمین وآسمان کو پیدا کرنے والا ،اسی تم میں سے تمھارے لیے جوڑے بنائے ہیں،وہی تمھیں زمین میں پھیلا اور بڑھا رہا ہے،اُس کی مثل کوئی نہیں،وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے،زمین وآسمان (کے سب خزانوں) کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں ،وہ جسے چاہے رزق میں فراغی عطا کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے،وہ سب کچھ خوب جانتا ہے“۔

پھر سورہ ابراہیم میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ (32) وَسَخَّر لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنَ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (33) وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّواْ نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ (34)

القرآن الحکیم (سورۃ ابراھیم 32.34/14)

ترجمہ؛

”وہ اللہ ہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور اتارا آسمان سے پانی،پھر پیدا کیے اس کے ذریعے غلہ اور میوے تمھاری روزی کے لیے،اور تمھارے قابو میں کیا کشتیوں کو کہ اس کے حکم سے (وہ تمھارے کاموں کے لیے) سمندروں میں رواں رہتی ہیں،اور اسی نے تمھارے لیے کام کا بنایا نہروں اور ندیوں کو،اسی نے تمھارے لیے کام میں لگا رکھا ہے چاند اور سورج کو جو ایک نظام کے تحت چلتے رہتے ہیں،اور اسی

نے بنایا ہے تمھارے لیے رات اور دن کو، وہی ہے جس نے وہ سب کچھ تم کو دیا جو تم نے مانگا ہے، اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے، حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناشکرا اور بے انصاف ہے''۔

سورہ المومنون میں ارشاد ہوا کہ!

وَهُوَ الَّذِیْ أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (78)
وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (79) وَهُوَ الَّذِیْ يُحْيِي
وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (80)

القرآن الحکیم (سورۃ المومنون 78.80/23)

ترجمہ؛

''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمھیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں عطا فرمائیں اور سوچنے کے لیے دل دیا، مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو، وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں پھیلایا اور اُسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے، وہی زندگی بخشتا ہے وہی موت دیتا ہے ،گردش لیل ونہار اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، کیا تم میں ذرا بھی عقل نہیں؟

سورہ مومن میں بتایا گیا کہ!

اللَّهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (64)

القرآن الحکیم (سورۃ مومن 64/40)

ترجمہ؛

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو مستقر بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور اسی نے تمھاری صورت گری کی اور ایسی اچھی صورتیں بنائیں، اور نفیس نفیس غذاؤں سے تمہیں رزق دیا، وہی اللہ تمھارا رب ہے، بڑی برکت اور عظمت والا، جو ساری کائنات کا پروردگار ہے''۔

پھر سورۃ الانعام میں ارشاد ہوا کہ!

قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 164/6)

ترجمہ؛

''کہو! کیا اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا رب بنالوں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے اور اسی کی طرف سے سب کی پروردگاری ہو رہی ہے''۔

سورہ الجاثیہ میں بیان کیا گیا کہ!

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (36) وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (37)

القرآن الحکیم (سورۃ الجاثیہ 36.37/45)

ترجمہ؛

’’پس ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جوزمین اورآسمانوں کا مالک ہےاورسارے جہان والوں کا پروردگار ہے، زمین اور آسمانوں میں بڑائی وعظمت اسی کے لیے ہے کیونکہ وہ بہت زبردست اوردانا ہے‘‘۔

❄❄❄

بادشاہی وفرمانروائی

ہزاروں سال سے انسان گمراہی اور جہالت کا اسیر رہا اور خالق کے وجود سے عاری زندگی بسر کرتا رہا۔ کبھی وہ دنیا کے بادشاہوں کا غلام رہا تو کبھی اُس نے اپنے ہی نفس کی غلامی کو اختیار کر لیا اور خواہش کا بندہ بن کے ذلیل ہوا۔ گزرے زمانوں میں بادشاہ کو فوق الفطری طاقتوں کا مالک مانا جاتا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ کو وقت کے مذہبی ٹھیکیداروں کی تائید بھی حاصل ہوتی اور وہ اپنا دامن رزقِ حرام سے بھر کے لوگوں کے دل میں یہ خیال ڈال دیتے کہ بادشاہ اللہ کا اوتار ہے اُس کا محبوب ہے اس لیے اُس سے بغاوت کرنا بہت بڑا جرم ہے جیسے کہ کوئی خدا سے بغاوت کرتا ہو۔ مدتوں لوگوں کے ذہن میں یہ خیال ڈالا جاتا رہا جو بالآخر اس قدر پختہ ہو گیا کہ لوگ بادشاہ کو کسی اور ہی دنیا کی مخلوق تسلیم کرنے لگے اور بغاوت کا سوچنے تک سے ڈرتے۔ چنانچہ بعد کے زمانوں میں بادشاہ کی پوجا کی جانے لگی جیسے کہ فرعونوں کے ہاں ہوا۔ جب قرآن نازل کیا گیا تو انسان کو اُس کے اصل اور حقیقی مقام سے آگاہی فراہم کی گئی اور ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا تو میں ہوں، میں ہی حقیقی بادشاہ ہوں دنیا کے بادشاہوں کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس لیے مجھ سے ہی رزق مانگو، مجھی سے مغفرت چاہو، میری ہی حمد کرو، میری ہی پرستش کرو کہ میرے سوا کوئی اس لائق ہے ہی نہیں کہ اُس کی پرستش کی جائے۔ میں زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہوں اور کیا

خوب پیدا کرنے والا ہوں۔رہے یہ تمھارے دنیاوی بادشاہ جن کی جہالت کی وجہ سے تم پرستش کرتے رہے ہو یہ تو کچھ نہیں، یہ تو مکھی کا پر تک بنانے کے قابل نہیں نہ یہ خود سے موت کو دور کر سکتے ہیں اور نہ مصیبت کو۔یہ تو محض تمھارے جیسے بندے ہیں اگرچہ اپنے خالق کے باغی ہیں تو حق یہ ہے کہ انسان اپنے حقیقی خالق کو پہچانے اور اس بات کو جان لے کہ حقیقی بادشاہی صرف اللہ ہی کی ہے آسمانوں اور زمین کا وہ اکیلا ہی حکمران اور فرمانروا ہے۔چنانچہ قرآن میں بیان کیا گیا کہ!

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (26)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 26/3)

ترجمہ؛

''کہو اے اللہ! سارے ملک اور ساری کائنات کے مالک تو جس کو چاہے اقتدار بخشے اور جس سے چاہے اقتدار چھین لے،تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے، ہر قسم کی خیر اور ہر قسم کی بھلائی تیرے ہی قبضہ قدرت میں ہے،اور تو ہر چیز پر قادر ہے''۔

سورہ توبہ میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (116)

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 116/9)

ترجمہ؛

’’بے شک اللہ اور صرف اللہ ہی کی بادشاہت اور فرمانروائی ہے آسمانوں اور زمین میں ،وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت،اس کے سوا کوئی بھی تمھارا حمائتی اور مددگار نہیں‘‘۔

سورہ المائدہ میں بیان کیا گیا کہ!

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (120)

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 120/5)

ترجمہ؛

’’زمین اور آسمان اور تمام موجودات کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے‘‘۔

سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا کہ!

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثاً وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ (49) أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَاناً وَإِنَاثاً وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيماً إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ (50)

القرآن الحکیم (سورۃ شوریٰ 49.50/42)

ترجمہ؛

’’اللہ ہی ہے جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے،وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا

ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہے لڑکے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں دونوں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کچھ بھی نہیں دیتا (یعنی بے اولاد چھوڑ دیتا ہے) وہ سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے''۔

سورہ المومنون میں فرمایا گیا کہ!

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ (116)

القرآن الحکیم (سورۃ المومنون 116/23)

ترجمہ؛

''پس عالی شان اور برتر ہے وہ ہستی جو حقیقی بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ جو عرش عظیم کا مالک ہے''۔

سورہ فاطر میں بیان کیا گیا کہ!

ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ (13) إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ (14) يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (15) إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ (16) وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ (17)

القرآن الحکیم (سورۃ فاطر 13.17/35)

ترجمہ؛

''یہ اللہ ہے تمھارا پروردگار، صرف اسی کا اور اسی کا ختیار ہے،اور اس کے سوا تم جن سے دعائیں کرتے ہو اور اپنی حاجتوں میں جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے جیسی کسی حقیر چیز کے بھی مالک و مختار نہیں ہیں،اگر تم اُن سے دعا کرو تو وہ تمھاری دُعا نہ سنے گا اور اگر سن بھی لے تو اُسے پورا نہ کر سکے گا،اور قیامت کے دن وہ انکار کریں گے تمھارے اس شرک سے،اور یہ باتیں اللہ علیم و خبیر کے سوا تمہیں کوئی نہ بتائے گا۔
اے لوگو!تم سب اللہ کے محتاج ہو اور صرف اللہ ہی ہے جو غنی ہے اور سب سے مستغنیٰ ہے،تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں،اگر وہ چاہے تو تمہیں ایک دم فنا کر دے اور تمہاری جگہ نئی مخلوق لے آئے اور یہ بات اُس کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں''۔

سورہ فرقان میں ارشاد ہوا کہ:

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَداً وَلَمْ يَكُن لَّهٗ شَرِيْكٌ فِيْ الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْراً (2)

القرآن الحکیم (سورۃ فرقان 2/25)

ترجمہ؛

''وہی ہے جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہت کا مالک ہے،جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ،جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اُس کی ایک تقدیر مقرر کی''۔

سورہ الاحزاب میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (17)

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب 17/33)

ترجمہ؛

''اے نبی! اِن مشرکوں سے پوچھئے کہ اگر اللہ تم پر عذاب لانا چاہے تو کون ہے جو تمہیں اس کے عذاب سے بچا سکے، یا اگر وہ تمھارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو بھی! تم اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا حمایتی اور مددگار نہ پاؤ گے''۔

پھر سورہ فاطر میں فرمایا گیا کہ!

مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (2)

القرآن الحکیم (سورۃ فاطر 2/35)

ترجمہ؛

''اللہ جس رحمت کا دروازہ بھی لوگوں کے لیے کھول دے کوئی اُسے روکنے والا نہیں ہے اور جسے وہ بند کرنا چاہے تو کوئی نہیں جو اُسے کھول سکے، اس لیے کہ وہ زبردست اور حکیم ہے''۔

سورہ الانعام میں بیان کیا گیا کہ!

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَى قُلُوبِكُم مَّنْ إِلَـٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِ انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ (46) قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ (47)

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 45.47/6)

ترجمہ؛

''اے نبی! اِن سے کہو کبھی تم نے یہ سوچا ہے کہ اگر اللہ تمھاری بینائی اور سماعت تم سے چھین لے اور تمھارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمھیں یہ قوتیں واپس دلا سکے، دیکھو! کس طرح ہم بار بار اپنی نشانیاں اِن کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر یہ کس طرح اُن سے نظر چراتے ہیں، کہو! تم نے کبھی سوچا ہے کہ اچانک یا اعلانیہ عذاب تم پر آجائے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور ہلاک ہوگا؟

سورہ ملک ارشاد فرمایا گیا کہ!

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ (21)

القرآن الحکیم (سورۃ ملک 21/67)

ترجمہ؛

''اگر اللہ اپنا رزق تم سے روک لے تو بتاؤ کون ہے جو تمہیں رزق دے، دراصل تو یہ لوگ سرکش ہیں اور حق سے گریزاں ہیں''۔

سورہ ملک میں ہی آگے فرمایا کہ!

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْراً فَمَن يَأْتِيكُم بِمَاء مَّعِينٍ (30)

القرآن الحکیم (سورۃ ملک 30/67)

ترجمہ؛

”اِن سے کہو! کبھی تم نے سوچا ہے کہ اگر تمھارے کنوؤں کا پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو اس پانی کی بہتی سوتیں تمہیں نکال کر لا دے“۔

❄❄❄

غفور ورحیم

انسان اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ انسان سے بے حد وحساب محبت رکھتا ہے، حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے اور صرف ایک حصہ زمین پر اتارا باقی رحمت اپنے پاس رکھی۔ دیکھیں کہ اللہ کی بے پایاں رحمت کے اس ایک حصے نے ہماری زندگیوں میں کس قدر نرمی اور رحم دلی پیدا کر دی ہے، بچہ روئے تو ماں تڑپ اٹھتی ہے، بچہ گرے تو اُس کے منہ سے دُعا نکلتی ہے، اسی طرح باپ کی بیٹے سے محبت ہے، بھائی کی بہن سے محبت ہے ،شوہر کی بیوی سے محبت ہے جس کی خاطر وہ جان لے بھی سکتا ہے اور جان دے بھی سکتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو زمین کا سارا حسن اسی رحمت کی وجہ سے ہے اگر انسانوں کے بیچ سے رحمت اور مودت ختم ہو جائے تو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں اور ہر طرف انسانی خون کے چھینٹے بکھر جائیں۔ مگر اللہ کا احسان ہے کہ اُس نے انسانوں کے بیچ محبت اور رحمت کو اتارا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔ یہ تو انسان کی محبت کا تذکرہ تھا اگر اللہ کی محبت کو بیان کریں تو ممکن ہی نہیں کہ اُس کی محبت اور رحمت کا احاطہ الفاظ کے لیے ممکن ہو جائے۔ اُس کی رحمت تو اس قدر بسیط ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کی حدت کو محسوس کرتا ہے۔ شجر و حجر، درندے پرندے، حیوانات حشرات سب اللہ کی محبت کی وجہ سے زندہ ہیں۔ اور انسان وہ تو اللہ کی رحمت کا محور

ہےاس کے باوجود وہ اس قدر بد بخت ہے کہ اللہ کی ساری مخلوقات میں سے صرف وہی ہے جو اللہ کا شکرادا کرنے سے گریزاں ہے، وہ شیطان کی پیروی پر مصر ہے کہ شیطان نے اُسے لذت وشہوت کے کچھ سبز باغ دکھا رکھے ہیں۔اللہ فرماتا ہے کہ انسان بہت ناشکرا اور بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے ۔وہ اپنی حرکتوں اور اعمال پر نگاہ کرے تو خود سے بھی شرمندہ ہو جائے اور یہ ہم ہی ہیں کہ اُسے مہلت پہ مہلت دیئے جاتے ہیں حالانکہ اگر ہم چاہتے تو فوراً ہی اِس کو سزا دیتے۔

رسالت اور ہدایت بھی اللہ کی رحمت اور غفور ورحیم ہونے کی دلیل ہیں۔اس لیے کہ اگر اللہ انسان کی رہنمائی کے لیے انبیاء ورسل اور کتابیں نہ اتارتا تو انسان کبھی منزل تک نہ پہنچ سکتا، کبھی اللہ کی رضا کو نہ جان سکتا۔تو جب کوئی منزل کو جانتا ہی نہ ہو تو وہ منزل کی خواہش کیا کرے گا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کا بھرپور اور مکمل اہتمام کیا اور انسان کو راہ حق کی طرف بلانے کے لیے رسول بھیجے، کتابیں اتاریں۔اس کے باجود جب کہ انسان پر حجت تمام کردی گئی اگر انسان پستی اور انحراف کی راہ پر چلنا چاہتا ہے تو اُس کے لیے اپنے رب سے گلہ کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔اس لیے کہ اللہ نے اُس کو راہ حق سے مطلع کردیا تھا اور یہ اُس کے رحمان اور رحیم ہونے کی دلیل ہے۔سچ تو یہ ہے کہ اللہ اس قدر رحیم وکریم ہے کہ انسان ذرا سا اُس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ لے تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اسے نواز دیتا ہے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے غفور ورحیم ہونے کا بہت تذکرہ ہے کچھ قرآنی آیات کا مطالعہ پیش خدمت ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَإِلَـٰهُكُمْ إِلَـٰهٌ وَاحِدٌ لَّا إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَـٰنُ الرَّحِيمُ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 163/2)

ترجمہ؛

”تم سب کا اللہ ایک ہی ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ بڑا مہربان اور

نہایت رحم والا ہے‘‘۔

سورہ بقرہ میں ہی ارشاد ہوا ہے کہ!

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (160)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 160/2)

ترجمہ؛

’’البتہ اگر وہ اپنی روش سے باز آ جائیں تو میں انھیں معاف کردوں گا اس لیے کہ اللہ بہت زیادہ معاف کرنے والا رحم دل ہے‘‘۔

سورہ آل عمران میں فرمایا کہ!

وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ (30)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 30/3)

ترجمہ؛

’’اللہ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے اگر چہ اللہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے‘‘۔

اور سورہ الانعام میں فرمایا کہ!

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُم

مَّا يَشَاءُ كَمَا أَنشَأَكُم مِّن ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ (133)

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 133/6)

ترجمہ؛

"تمھارا رب بے نیاز ہے اور مہربانی اس کا شیوہ ہے، اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور تمہاری جگہ دوسرے جن لوگوں کو چاہے لے آئے، جس طرح اُس نے تمھیں کچھ اور لوگوں کی نسل سے اٹھایا ہے"۔

سورہ کہف میں ارشاد ہوا کہ!

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا (58)

القرآن الحکیم (سورۃ الکہف 58/17)

ترجمہ؛

"تیرا رب بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے، وہ اُن کے کرتوتوں پر انھیں پکڑنا چاہتا تو جلدی ہی عذاب بھیج دیتا، مگر ان کے لیے وعدے کا ایک دن مقرر ہے اور وہ اس سے بچ کر بھاگ نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے"۔

سورہ الانعام میں ارشاد ہوا کہ!

كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (12)

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 12/6)

ترجمہ؛

''اللہ نے رحم وکرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کرلیا ہے،البتہ قیامت کے روز وہ تم سب کو ضرور جمع کرے گا اور یہ ایک غیر مشتبہ حقیقت ہے،مگر جن لوگوں نے خود ہی اپنے آپ کو تباہی کے خطرے میں ڈال لیا وہ اس بات کو نہیں مانتے''۔

سورہ الانعام ہی میں آگے جا کر فرمایا کہ!

وَإِذَا جَاءكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلاَمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَن عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (54)

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 54/6)

ترجمہ؛

''جب تمھارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو اُن سے کہو تم پر سلامتی ہے تمھارے رب کی طرف سے،تمھارے رب نے رحم وکرم کا شیوہ خود پر لازم کرلیا ہے،(یہ اس کا کرم ہے) کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد وہ توبہ کرے اپنی اصلاح کرلے تو اللہ اُسے معاف کردیتا ہے،نرمی سے پیش آتا ہے''۔

سورۃ شوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ (25)

القرآن الحکیم (سورۃ شوری 25/42)

ترجمہ:

''اور وہی ہے جس کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے (گنہگار) بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور خطاؤں سے درگزر کرتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے پوری طرح آگاہ ہے''۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

سورہ نساء میں بیان ہوا کہ!

وَاللَّذَانَ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللّهَ كَانَ تَوَّاباً رَّحِيماً (16)

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 16/3)

ترجمہ:

''اور جو تم میں سے بدفعلی کا ارتکاب کریں تو اُن کو سزا دو، تاہم اگر وہ اس فعل حرام سے تائب ہو جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے تعرض نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بڑی رحمت والا ہے''۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

سورہ الزمر میں ارشاد ہوا کہ!

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (53) وَأَنِيبُوا إِلَى

رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ (54)

القرآن الحکیم (سورۃ الزمر 24/39)

ترجمہ؛

''اے نبی اُن سے کہہ دو کہ! اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دینے والا ہے، وہ تو بڑا غفور و رحیم ہے تو پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور مطیع ہو جاؤ اس سے قبل کہ اُس کا عذاب تمھیں اچانک آ لے تو پھر کہیں سے تمھیں مدد نہ ملے گی''۔

❄❄❄

اللہ کی صفات تو اس قدر بسیط ہیں کہ اگر ساری دنیا کے درخت قلم بن جائیں اور سارے سمندر سیاہی بن جائیں تب بھی اللہ کی صفات بیان نہ ہوں گی۔ اللہ سے تعلق کے لیے اللہ کو جاننا ضروری ہے اس لیے کہ اللہ کی رضا اور اُس کی منشا کو جانے بغیر انسان نہ تو اس دنیا میں کامیابی حاصل کرسکتا ہے اور نہ آخرت میں اُس کو کچھ حصہ عطا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرت کے حوالے سے ان صفحات میں سیر حاصل مباحث تحریر کئے گئے ہیں۔

عادل ومنصف

اللہ کی صفات تو اس قدر بسیط ہیں کہ اگر ساری دنیا کے درخت قلم بن جائیں اور سارے سمندر سیاہی بن جائیں تب بھی اللہ کی صفات بیان نہ ہوں گی۔ہم تو دراصل یہاں اللہ تعالیٰ کی کچھ اُن صفات کا تذکرہ کررہے ہیں جس کا بیان قرآن حکیم میں آچکا ہے اور انسان اِن سے قدرے آگاہ ہے۔دوسرا مقصد یہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں انسان نے اپنے خالق کا جو تصور کیا وہ اکثر و بیشتر اُس کے جاہلانہ تخیلات کا نتیجہ تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے رب کی حقیقت سے درست طور پر آشنا نہ ہوسکا۔ چنانچہ اس راہ میں صرف ٹھوکریں ہی انسان کا مقدر بنیں۔یہ تو اللہ کا احسان تھا کہ اُس نے انسان کا ہاتھ پکڑا اور اُسے منزل حق کی طرف متوجہ کیا۔جب اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچ گیا تو اس کے بعد بندوں کے لیے اُس کے انکار کی گنجائش ختم ہوگئی۔تو اب جو اللہ کا انکار کرے گا، اللہ کے احکامات کا انکار کرے گا، اللہ کے رسولوں کا انکار کرے گا تو وہ خود کو اللہ کا باغی سمجھ لے اور باغی چاہے جہاں بھی ہو اُس کو سزا دینے میں کوئی دیر نہیں لگاتا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر راہ حق کو واضح کردیا اور اُس کو بتادیا کہ زندگی تیرے لیے بس مہلت کے کچھ لمحات ہیں اس کے بعد اللہ کی ابدی رضا ہے جس کو تجھے حاصل کرنا ہے۔مگر انسانوں کی مہیب اکثریت نے نہ صرف اللہ کا انکار کیا بلکہ اللہ کے رسولوں کا بھی انکار کیا اور اپنے نفس کے بندے بن کے رہ گئے۔شیطان کی پیروی کے نتیجے میں دنیا میں فساد اور

خونریزی نے جنم لیا۔چنانچہ حق کی راہ سے منہ موڑ کر نہ صرف انسان اس دنیا میں رسوا ہوا بلکہ موت کے بعد آنے والی ابدی حیات میں بھی اُس کے لیے سوائے ذلت کے اور کچھ نہیں۔اور اس ذلت کو اُس نے اپنے ہاتھوں سے خریدا اور مہلت عمل کو شیطان کے کہنے پر بسر کیا اور اللہ کی ہدایات اللہ کے رسولوں کی نصیحت کو نظر انداز کیا تو اللہ کے عادل و منصف ہونے کا فطری تقاضا ہے کہ وہ اس کو دردناک عذاب سے گزارے۔قرآن حکیم کے نازل کرنے کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا کہ انسان اُس دن کی تیاری کرے جب اُسے اپنے رب کے سامنے پیش ہونا ہے مگر انسانوں کی اکثریت نے اُس دن کی تیاری سے پہلو تہی کی اور اپنی خواہش نفس کو مقدم رکھا تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب کو بھگتیں۔

چنانچہ اس ضمن میں سورہ الانعام میں ارشاد ہوا کہ!

فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ (147)

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 147/6)

ترجمہ؛

”اے پیغمبر! یہ آپ کی تکذیب کریں تو اِن سے کہہ دیں کہ اُن کا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے مگر مجرموں سے عذاب نہ ہٹایا جائے گا“۔

سورہ الحجر میں ارشاد ہوا کہ!

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (49) وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ (50)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجر 49.50/15)

ترجمہ؛

''اے نبیؐ! اِن کو بتادیں کہ اگرچہ اللہ بڑا غفور و رحیم اور بہت مہربان ہے مگر مجرموں کے لیے میرا عذاب بھی بڑا سخت اور بہت ہی دردناک ہے''۔

سورہ مومن میں فرمایا گیا کہ!

غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِىْ الطَّوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (3)

القرآن الحکیم (سورۃ مومن 3/40)

ترجمہ؛

''وہ گناہ بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا ہے (مگر مجرموں کے لیے) اُس کا عذاب بھی بڑا سخت ہے، اور وہ اس کی قدرت رکھتا ہے، اُس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں سب کو لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے''۔

سورہ قلم میں فرمایا گیا کہ!

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ (35) مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (36)

القرآن الحکیم (سورۃ قلم 35.36/68)

ترجمہ؛

''کیا ہم فرمانبردار بندوں کو نافرمان مجرموں کے برابر کردیں گے، تمہیں کیا ہوگیا ہے یہ تم کیسا حکم لگاتے ہو''۔

سورہ ص میں ارشاد ہوا کہ!

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (28)

القرآن الحکیم (سورۃ ص 28/38)

ترجمہ؛

''کیا ہم ایمان لانے والوں، نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد برپا کرنے والوں اور مجرموں کے برابر کردیں گے؟

کیا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کے برابر کردیں گے؟؟؟

سورہ سجدہ میں فرمایا کہ!

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنتَقِمُونَ (22)

القرآن الحکیم (سورۃ السجدہ 22/32)

ترجمہ؛

''اور اُن سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جن کو اُن کے پروردگار کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جائے اور وہ پھر بھی بے رخی اور بے پروائی اختیار کریں اور اپنی اصلاح نہ

کریں ہم ایسے مجرموں کو سخت سزا دینے والے ہیں''۔

❄❄❄

تنزیہ و تقدیس

اللہ سب تعریفوں کا سزاوار ہے۔ اُسی کی حمد وثنا کی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں انسان کو اس امر سے آگاہ فرمایا گیا کہ زمین وآسمان کے بیچ جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی حمد وثنا میں مصروف ہے اور یہی اُن کا منصب ہے۔ چنانچہ بادل ہوں یا سمندر، دریا ہوں یا ہوائیں، زمین ہو یا آسمان، حیوان ہوں یا درندے، پھول ہوں یا کانٹے، پتھر ہوں یا پہاڑ، گھاس ہو یا درخت، بیج ہوں یا کونپل، آبشاریں ہوں یا صحرا، دھوپ ہو یا سایہ بہار ہو یا خزاں، گُل ہوں یا گلستان، ویرانے ہوں یا آبادیاں، زمان ہو یا مکان، ستارے ہوں یا سیارے، سورج ہو یا چاند، چراغ ہو یا تیرگی، آس ہو یا یاس سب کے سب اللہ کی تعریف میں مگن ہیں، اُس کی صفات کو بیان کررہے ہیں، اُس کی صناعت کے تذکرے ہیں، اُس کے جمال کا بیان ہے، اُس کے جلال کا خوف ہے، اُس کی بادشاہی کا بیان ہے، اُس کی فرمانروائی کی تحسین ہے، اُس کی رحمت کے غلغلے ہیں، اُس کی طاقت کا بیان ہے، اُس کی قدرت کے قصے ہیں، اُس کی جلالت شان کے تذکرے ہیں، اُس کی یکتائی کا بیان ہے، اُس کی بے نیازی کے تذکرے ہیں، اُس کی رفعتوں کا بیان ہے، اُس کی حکمتوں کے تذکرے ہیں، اُس کی شان کے نظارے ہیں، اُس کی بلندی کی باتیں ہیں، اُس کی نعمتوں کے تذکرے ہیں، اُس کے احسانوں کا ذکر ہے، اُس کی محبت کے چرچے ہیں، اُس کی صفتوں کا بیان ہے، اُس کی بزرگی کے قصے ہیں، اُس

کی شان کے فسانے ہیں، اُس کی مدح سرائی ہے سارے کون ومکاں میں تو قرآن میں بھی اُس کی شانِ جلالت کا بسیط تذکرہ ہے۔ چند آیات پہ نگاہ دوڑاتے ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا کہ!

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَداً وَلَم یَکُن لَّهُ شَرِیْكٌ فِیْ الْمُلْكِ
وَلَمْ یَکُن لَّهُ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلَّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْراً (111)

القرآن الحکیم (سورۃ بنی اسرائیل 111/17)

ترجمہ؛

”اور کہو! ساری حمد وستائش اللہ ہی کے لیے ہے جو نہ کوئی اولاد رکھتا ہے اور نہ حکومت و فرمانروائی میں کوئی اُس کا شریک یا ساجھی ہے اور نہ کمزوری ودرماندگی کی وجہ سے کوئی اُس کا مددگار ہے اور اُس کی خوب بڑائی بیان اور کبریائی بیان کرو“۔

سورہ الانعام میں فرمایا گیا کہ!

سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا یَصِفُونَ (100) بَدِیْعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنَّى
یَکُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَکُن لَّهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ وهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ
عَلِیْمٌ (101) ذَلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لا إِلَـهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوهُ
وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَیْءٍ وَكِیْلٌ (102)

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 100.102/6)

ترجمہ؛

”وہ پاک اور بالاتر ہے اُن باتوں سے جو یہ لوگ (کافر) اُس کی طرف منسوب

کرتے ہیں، وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اُس کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اُس کی کوئی بیوی ہی نہیں اُس نے سب کو پیدا کیا ہے اور اُس کو ہر چیز کا پورا پورا علم ہے، لوگو! یہ پاک اور برتر اللہ تمھارا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ سب کا خالق ہے تو تم اسی کی بندگی اور اُسی کی عبادت کرو۔ وہ ہر چیز کا کفیل اور کارساز ہے"۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا کہ!

اللّٰهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاء وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (255)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 255/2)

ترجمہ؛

"اللہ کی شان یہ ہے کہ (صرف وہی الٰہ ہے)، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ، وہ زندہ جاوید ہے اور ساری کائنات اُس کے حکم سے قائم ہے، نہ اُسے اونگھ آتی ہے نہ نیند، زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، کون ہے جو اس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر کسی کی بھی سفارش کر سکے، جو کچھ بندوں کے سامنے اور حاضر ہے وہ اس کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے اور اُن سے غائب اور اوجھل ہے وہ اس سے بھی واقف ہے اور مخلوقات اور بندوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کے غیر متناعی اور لامحدود علم

میں سے وہ کسی ایک چیز کو بھی پوری طرح نہیں جان سکتے الا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود اُن کو دینا چاہے اور اس کا تختِ حکومت زمین و آسمان کی وسعتوں کو چھایا ہوا ہے اور اُن کے تھامنے سے وہ ذرا بھی نہیں تھکتا، اور وہ اونچی شان والا بڑی عظمت والا ہے''۔

سورہ الحدید میں فرمایا گیا کہ!

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (1) لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (2) هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (3) هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (4)

القرآن الحکیم (سورۃ الحدید 1.4/57)

ترجمہ؛

''اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو زمین میں ہیں یا آسمانوں میں ہیں، اور وہ بڑا زبردست اور صاحب حکمت ہے، اسی کی حکومت و فرمانروائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں، وہی جسے چاہتا ہے زندہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی اول ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے، اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں بنایا پھر اپنے تختِ حکومت پر متمکن ہوا، جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے اور جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے وہ اِن سب کو جانتا ہے اور اسی طرح جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس

کی طرف چڑھتا ہے وہ اِن سب کا بھی علم رکھتا ہے اور تم جہاں بھی ہو وہ (ہر حال اور ہر جگہ) تمھارے ساتھ ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب کو خوب جانتا ہے‘‘۔

سورہ حشر میں بیان کیا گیا کہ!

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ (22) هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (23) هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (24)

القرآن الحکیم (سورۃ الحشر 21.24/60)

ترجمہ؛

’’وہ اللہ جس کی شان یہ ہے کہ صرف وہی معبودِ برحق ہے اس کے سوا کوئی ہستی عبادت و بندگی کے لائق نہیں، وہ سب کھلی اور چھپی باتوں سے آگاہ ہے، وہ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، وہ اللہ وہی الٰہ حق ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی حقیقی بادشاہ ہے، وہ القدوس ہے (ہر عیب و نقص کی نسبت سے پاک) سلامتی والا (اُس کی صفت ہے کہ اُسے کسی سے کوئی خطرہ نہیں نہ اُس پر زوال ہے) المومن (بندوں کو امن دینے والا ہے)، المہیمن (اُن کا رکھوالا ہے) العزیز (زبردست اور غالب ہے)، الجبار (سب پر اس کا دباؤ اور تسلط ہے)، کوئی اس کی مشیت کے خلاف حرکت نہیں کرسکتا، المتکبر (بے انتہا عظمت و کبریائی) پاک ہے اُن شریکوں سے جو لوگوں نے ٹھیرا لیے ہیں، وہ اللہ ہے پیدا کرنے والا ہے، ٹھیک ٹھیک بنانے والا

صورت گری کرنے والا ہے، اسی کے لیے ہیں سب عمدہ نام اور اچھے القاب، آسمان وزمین کی سب چیزیں اس کی تسبیح وتقدیس کرتی ہیں (اوراس کی پاکی اور برتری کے گیت گاتی ہیں) اوروہ نہایت زبردست اورصاحب حکمت ہے"۔

سورہ اخلاص میں ارشادہوا کہ!

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (1) اللَّهُ الصَّمَدُ (2) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (3) وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ (4)

القرآن الحکیم (سورۃ الحشر 1.4/112)

ترجمہ؛

"کہواللہ ایک ہے، یگانہ ویکتا ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، نہ کوئی ہستی اس کی ہمسر اوراس کے برابر ہے"۔

سورۃ البقرہ میں ارشادہوا کہ!

اللّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لاَ تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلاَ نَوْمٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلاَ يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلاَّ بِمَا شَاء وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ وَلاَ يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (255)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرہ 255/2)

ترجمہ؛

اللہ، وہ زندہ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، نہ وہ سوتا ہے اور نہ اُسے اونگھ آتی ہے، زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، کون ہے جو اُس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے، جو کچھ بندوں کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے، اور جو کچھ اُن سے اوجھل سے وہ اِس سے بھی آشنا ہے، اور اُس کی معلومات میں کوئی چیز ان کی گرفتِ ادراک میں نہیں آ سکتی، الّا یہ کہ وہ کسی چیز کا علم خود اِن کو عطا کرے، اور اُس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور اُن کی نگہبانی اُس کے لیے کچھ بھی دشوار نہیں، بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔

سورہ آلِ عمران میں ارشاد ہوا کہ!

الم (1) اللّهُ لا إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (2) نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ (3) مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِآيَاتِ اللّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَاللّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ (4) إِنَّ اللّهَ لاَ يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الأَرْضِ وَلاَ فِي السَّمَاء (5) هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (6)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 1.6/3)

ترجمہ؛

"ا، ل، م۔ اللہ وہ زندہ جاوید ہستی، جو نظام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے حقیقت

میں اُس کے سوا کوئی خدا نہیں، اے نبی (ﷺ) اُس نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو اپنے ساتھ حق لے کر آئی ہے، اور اُن کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس کتاب سے پہلے نازل کی جا چکی ہیں، اور اللہ انسانوں کی ہدایت کے لیے اس سے پہلے تورات و انجیل نازل کر چکا ہے اور اب اُس نے وہ کسوٹی اتاری ہے (جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی ہے)۔ اب جو لوگ اللہ کے فرامین کا انکار کریں گے اُن کو یقیناً سخت سزا دی جائے گی، اللہ بے پناہ طاقت کا مالک ہے اور برائی کا بدلہ لینے والا ہے، زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں، وہی تو ہے جس نے تمھاری ماؤں کے پیٹ میں تمھاری صورتیں بنائیں جیسے کہ اُس کا جی چاہا، اُس زبردست حکمت والے کے سوا کوئی خدا نہیں"۔

❄❄❄

دعوتِ قرآن

قرآن دعوتِ فلاح ہے، قرآن کا راستہ آسانی اور سہولت کا راستہ ہے، جبکہ شیطان کا راستہ دُکھ اور آزار کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے۔ انسانوں کو راستی اور فلاح کی اُن منزلوں کی دعوت دی ہے جن میں دکھ اور شکست کا کوئی گزر نہیں۔ قرآن نے انسانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے تاکہ اُن پر رحم کیا جا سکے۔ قرآن نے انسانوں کو اطاعت کا سبق دیا اور بغاوت سے رُک جانے کی تاکید کی ہے تاکہ وہ بغیر کسی الجھن اور رکاوٹ کے کامیابی کے راستے پر گامزن رہیں تقویٰ کیا ہے، اس لفظ کی اصل ماہیت کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے اس سلسلے میں جو معروف ترین روایت ہم تک پہنچی ہے وہ یہ ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے معروف صحابی ہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے علم قرآن میں اُن کے امتیاز کی توثیق فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟

میں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کہا:

اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ آپ کو کئی بار ایسے راستوں سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہوگا جن میں کانٹے اور جھاڑیاں ہوں"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کئی بار۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا تب آپ کیا کرتے ہیں؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تب میں اپنے کپڑے سمیٹ لیتا ہوں اور احتیاط سے یہ راستہ طے کرتا ہوں"۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

"فذالك التقویٰ"۔ بس یہی تقویٰ کی حقیقت ہے۔

میں نے کئی علماء کی کتابوں کو دیکھا تو انھوں نے اس روایت کو درج کرنے کے بعد یہ خیال کیا کہ انھوں نے تقویٰ کو بیان کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ تو بس ایک مثال تھی جس سے کسی حد تک تقویٰ کی حقیقت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کیفیت کو تقویٰ کہا گیا ہے اُس کو سمجھنے کے لیے انسانی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر نظر دوڑانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھ لیں کہ تقویٰ دل کی ایک کیفیت کا نام ہے جو صرف اس بات کا اقرار کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی کہ انسان مسلمان ہو، اللہ اور اُس کے رسول پر یقین رکھتا ہو، بلکہ تقویٰ کی منزل اِن اوصاف سے قدرے دور کسی قدر دشوار ہے۔ تقویٰ کی کیفیت انسان کو تب حاصل ہو تی ہے جب اول وہ خود کو علم سے مزین کرے دوم وہ حاصل کردہ علم پر صدق دل سے عامل ہو جائے۔ سب سے پہلے تو اس بات پر غور کریں کہ خطہ ارض پر موجود انسانوں کے بڑے بڑے گروہ کن کن نظریات وعقائد کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لوگوں کی مہیب تعداد کسی خالق کی وجودیت کے بارے میں ہی متذبذب ہے، ایک بڑی اکثریت نے کسی قادر مطلق کا سراسر انکار کر دیا ہے۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد خود کو نصاریٰ کہتی ہے مگر اللہ اور اُس کے

رسولوں کے احکامات سے پوری طرح انکاری ہے۔ پھر ہندوازم ہے جو ایک قدیمی مگر جاہلانہ مذہب ہے۔ بدھ، سکھ اور یہودی بھی اسی سرزمین کے باسی ہیں دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف انسانی گروہوں کے تہذیب واخلاق پر نگاہ کریں تو دور دور تک خوفِ خدا کا کوئی تصور نظر نہیں آتا۔ لوگ پوری طرح شیطان کے شکنجے میں جکڑے جا چکے ہیں۔ دنیا کی رونق اور گہما گہمی نے انسانوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے، وہ نفس کے بندے بن کے رہ گئے ہیں خواہش کی تکمیل اور لذت کا حصول ہی اُن کا خدا ٹھہرا۔

باطل ایک سیاہ عفریت کی طرح دور دور تک سایہ کیے ہوئے ہے، لوگوں کے نظریات اور ترجیحات میں کہیں بھی نیکی اور اخلاص کا کوئی نشان نہیں، لوگ بے منزل ہیں پھر بھی دوڑے جا رہے ہیں ہانپ رہے ہیں، مقصدیت سے عاری مشقت میں الجھ چکے ہیں، اُن کے اہداف پست اور اُن کی خواہشیں لامحدود ہیں، اُن کی آنکھوں میں حیا اور دل میں جوابدہی کا کوئی خوف نہیں، وہ کسی خالق کے سامنے پیش ہونے کو بعید از قیاس جانتے ہیں اور اس عقیدے کو دقیانوسی خیال تصور کرتے ہیں۔ وہ خود کو جدید اور مہذب کہتے ہیں مگر حقیقت میں وہ وحشتِ خیال کی اُس دلدل میں اتر چکے ہیں جہاں صرف باطل کا اندھیرا ہے، انکار کی اذیت ہے، وہ اقرار کے لطف سے کبھی آگاہ ہی نہیں ہوئے، انھوں نے اپنے خالق کے خوف سے کبھی آنسو نہیں بہائے، وہ نعمت سے انکاری ہے، رحمت سے مایوس ہیں، وہ زندگی کے سارے حسن سے عاری ہیں اگرچہ اُن کا خیال ہے کہ وہ لذت میں ہیں۔

لذتیت انسان کا پرانا مذہب ہے تاریخ کے دریچوں میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے انسانوں کے کتنے ہی گروہ گزر چکے جنھوں نے محض اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے زندگی بسر کی، انھوں نے دوسرے لوگوں کے حقوق غصب کیے، اللہ کی زمین پر لوگوں کا خون بہایا اور اپنی خواہشات کی تکمیل کی۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان نے کبھی سنجیدگی سے اپنی منزل کی پہچان حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اُس کی زندگی کا محور اُس کی تشنہ آرزوئیں ہی رہیں جن کی تکمیل میں وہ

مہلت عمل کو گنواتا رہا۔آج کی نام نہاد مہذب تہذیب پہ ہی نگاہ کرلیں تو اُن کے ہاں صرف اس بات کا پرچار ہے کہ وہ مہذب ہیں حالانکہ انھیں فطری ضروریات سے فراغت کے بعد طہارت کی تمیز بھی حاصل نہیں۔ لے دے کہ سائنس ہی اُن کا فخر ہے کہ ایجادات نے اُن کی زندگی کو سہل اور تیز رفتار بنا دیا ہے۔ دیکھیں کہ ہوائی جہاز بنا لینا کوئی کارنامہ نہیں کہ اللہ نے انسان کو عقل عطا کی ہے اور اس عقل سے ہوائی جہاز تو کیا مستقبل کے پردے میں جانے کون کون سے کرشمے چھپے ہوئے ہیں جن کو نگاہیں حیرت سے دیکھیں گی۔

اصل حقیقت وہ معیار اخلاق ہے جو انسان کو جانور سے ممتاز کرتا ہے اور انسان جانور سے تب ممتاز ہوتا ہے جب وہ خود کو معروف اخلاقی اقدار کی قید میں لے آتا ہے۔ جو الہامی اخلاقی اقدار ہیں اُن کو تو چھوڑیے فی الحال یہ دیکھیں کہ جدید دنیا نے، سائنس نے، جدید تہذیب و تمدن نے انسان سے کیا کچھ چھینا ہے اور اسے کیا کچھ عطا کیا ہے تو ہم جانیں گے کہ جدید تہذیب نے اگرچہ انسان کو کچھ آسائش ضرور فراہم کی ہے مگر کس قیمت پر، خدا سے انکار کی قیمت پر، اور خدا سے انکار انسان کو جانور بنا دیتا ہے۔تو جانوروں کے کسی معاشرے کو مہذب کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ پھر اہل مغرب کے اعمال و افعال پہ نگاہ کریں تو اُن کے جانور ہونے میں جو ذرا سا شک اُن کی بظاہر شباہت سے پیدا ہوتا ہے وہ بھی دور ہو جائے گا۔ اُن کے ہاں محرمات سے زنا کے اس قدر واقعات رپورٹ ہوتے ہیں کہ اُن کی اخلاقی پستی پر حیرت ہوتی ہے۔

انسانوں کے ہاں بلندی، برتری، رفعت اور کامیابی کے معیارات اور تصورات اس قدر بدل چکے ہیں کہ انسان کا ہر لمحہ اُسے منزل سے دور لے جا رہا ہے۔امریکہ چاہتا ہے کہ دنیا کے تمام لوگ اُس کی بداخلاق تہذیب کو اپنا لیں، وہ تہذیب جس میں %64 نوجوانوں کو اپنے باپ کا نام بھی معلوم نہیں اس لیے کہ اُن کی ماں بھی نہیں جانتی کہ اُن کے باپ کا نام کیا ہے، یہ اُن کا احسن اخلاقی معیار ہے۔اُن کی معیشت پہ نگاہ ڈالیں تو انھوں نے ایک ایسا استحصالی نظام وضع

کرلیا ہے جس سے دولت کا بہاؤ مشرق سے مغرب کی طرف ہو گیا ہے جس سے اُن معاشروں میں ایک مصنوعی چمک پیدا ہو گئی ہے اور اسی چمک کو وہ کامیابی کہتے ہیں اور اسی کامیابی کو وہ اپنی تہذیبی برتری قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اِس مصنوعی چمک نے کتنی آنکھوں سے روشنی چھین لی، کتنے انسانوں کو دُکھ کی تاریک رات میں دھکیل دیا، اسی مصنوعی چمک کو برقرار رکھنے کے لیے امریکہ اور اُس کے اتحادی افغانستان کے چار لاکھ اور عراق کے دس لاکھ شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں اور پھر بھی خود کو مہذب کہتے ہیں۔ مغرب ایک ایسا درندہ دکھائی پڑتا ہے جس کے منہ سے انسانی خون کی بدبو آتی ہے، اس کے باوجود وہ مہذب ہے اور باقی ساری دنیا غیر مہذب اور اجڈ ہے۔

اس تہذیب کے پیروکار ایک بے جا احساس تفاخر کا شکار ہیں جس کی کوئی عقلی دلیل اُن کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ محض دولت کی ریل پیل اور اپنی سیاسی اور عسکری برتری کو اپنی کامیابی کی دلیل سمجھتے ہیں اور زندگی کو کھیل تماشا جانتے ہیں۔ مغرب کا صاحب دانش انھیں حقیقت سے دور رکھتا ہے اور لذتیت کے حصول کو انسان کا بنیادی حق قرار دیتا ہے۔ ساتھ ہی وہ لوگوں کو یہ بھی بتا دیتا ہے کہ اس کائنات کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ انسان لذت سے بہرہ مند ہو اور ہر دم ہر لمحہ خوشیوں کے حصول میں مگن رہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنے خالق سے انکار کر کے، اپنی زندگی کے مقصد کو چھوڑ کر، خود کو تمام اخلاقی اقدار سے آزاد کر کے الہامیات سے منہ موڑ کے، دنیا بھر کے لوگوں کا معاشی استحصال کر کے، کیا انھوں نے حقیقی خوشی کو حاصل کر لیا ہے؟؟؟

اگر کسی کو اہل مغرب کی حاصل کردہ خوشیوں کا مشاہدہ درکار ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ مغرب کے کسی اولڈ پیپل ہوم کی سیر کرے جہاں بڑھاپا سسکتا ہے، جہاں زوال پذیر بدنوں سے اٹھتی بدبو دور سے اُس زوال کا پتا دیتی ہے جو اس تہذیب کا حاصل ہے، یا کوئی ڈے کیئر چائلڈ ہوم چلا جائے جہاں بچوں کو چپ کرانے کے لیے انتظامیہ اُن کو مسکن دواؤں کے زیر اثر رکھتی ہے

جہاں مامتا کو ترسی ہوئی نگاہیں نشے میں مخمور رہتی ہیں کہ کب اُن کی ماں اپنے باس کے جنسی ہراس سے فارغ ہو گی اور کب اسے گود میں اٹھائے گی۔ مغرب کا دانش ور اپنی قوم کو نہیں بتاتا کہ فرائیڈ کے جنسی آزادی کے نظریے نے اُن کے معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ لیا ہے، یا مارکس کی معاشی جنت کے تصور نے کس قدر لوگوں کو گمراہ کیا ہے، یا ڈارون کے کسی خالق کے انکار نے انسانوں سے کیا کچھ چھینا ہے؟؟؟

بلند اور آسمان کو چھوتی عمارتیں بنا لینے سے، یا آواز کی رفتار سے تیز اڑتے ہوائی جہاز بنا لینے سے انسان اُس منزل کا پتا نہیں چلا سکتا جو اُن کے لیے اُن کے خالق نے مقرر کی تھی۔ مادی ترقی کے یہ مظاہر تو انسانی عقل کے کرشمے ہیں اور عقل انسان کو کسی خالق کے در پر جھک جانے یا اُسے کھوج لینے کے لیے عطا کی گئی مگر انسان نے عقل کو اپنی خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بنا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان نے بہت ہی پست ہدف پہ قناعت کر لی اور خالق سے بے اعتنائی نے اُسے اس ہدف کو بھی حاصل نہ کرنے دیا۔ اس لیے کہ خوشی تو اُس لطیف کیفیت کا نام ہے جس میں اطمینان اور سکون ہو، بھلا اپنے خالق سے انکاری ایک انسان اس خوشی اور سکون کو کیسے محسوس کر سکتا ہے جو خالق کے در پہ جھک جانے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اگر چہ یہاں اُس تاریخی تصادم کو دہرانے کی گنجائش نہیں جو کلیسا اور جدیدیت کے حامل لوگوں کے مابین پیش آیا تاہم اُس تصادم کے نتیجے میں قائم ہونے والی مغربی تہذیب نے انسان کو خدا سے کس قدر دور کیا اس کا کچھ تذکرہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس کی ضرورت اس لیے بھی محسوس کی جاتی ہے کہ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے جب وہ انسانوں کی مہیب بستیوں کو خالق سے بے عتناء دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ لوگ بے منزل ہیں اور بے مقصدیت کا شکار ہیں اور دھوکا کھا گئے ہیں۔ مگر جب کوئی شخص بضد ہو کہ وہ دھوکے میں نہیں ہے بلکہ اُس کو دھوکے میں کہنے والا دراصل دقیانوسی، مذہبی انتہا پسند، قدامت پرست اور روایت پرست ہے تب اُس وجہ کو جاننے کا اشتیاق ضرور پیدا ہوتا ہے جس نے جھوٹ کا اس قدر گہرا رنگ پورے معاشرے پر چڑھا دیا

ہو۔حقیقت یہ ہے کہ جدیدیت کے پرستاروں اور کلیسا کے مابین صدیوں تک جاری رہنے والی طویل کشمکش میں جب کلیسا کو شکست ہوئی کہ اُس کی شکست کے پیچھے اہل کلیسا کے ظلم اور جہل کی طویل داستان ہے جس کا ذکر یہاں عبث ہے۔ جب کلیسا کو شکست ہوگئی اور اُس کے نتیجے میں اہل مغرب نے نئے نظام زندگی کی بنیاد اٹھائی تو اس سے دو نتیجے برآمد ہوئے جنھوں نے پوری انسانی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا۔

اول تو یہ کہ نئے نظام زندگی کے ہر شعبے سے ''مذہب'' کو عملاً بے دخل کر دیا گیا اور اس کا دائرہ صرف لوگوں کے شخصی عقیدہ وعمل تک محدود کر کے رکھ دیا۔یہ بات تہذیب جدید کے بنیادی اصولوں میں داخل ہوگئی کہ مذہب کو سیاست،معیشت،اخلاق،قانون،علم وفن،الغرض اجتماعی زندگی کے کسی شعبے میں بھی دخل دینے کا حق نہیں ہے،کوئی فرد اگر چاہے تو خدا کو مانے چاہے تو اُس کا انکار کردے،معاشرے،ریاست یا کسی بھی دستوری یا جمہوری ادارے کو اس الحاد پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔دوم یہ کہ تہذیب جدید کی رگ رگ میں خدا سے بیزاری اور لادینیت کی ذہنیت پیوست ہوکر رہ گئی۔اس دوران علوم وفنون اور ادب وسماجیات میں جو بھی ارتقاء ہوا اُس میں خدا سے انکار کا رنگ غالب رہا۔چنانچہ اس فکری جہالت کے سائے میں پرورش پانے والی نسلیں جب پروان چڑھیں تو انھوں نے خدا بیزاری اور لذت کوشی کی انتہا کو چھولیا۔فکری انحطاط کے اس عہد نے لوگوں کی مہیب تعداد کو خالق کے وجود اور خالق کے احسان سے عاری کردیا اور وہ بے منزل ہوگئے۔

اُن کی بے منزلی کا عکس اُن کی وحشت کی صورت سامنے آیا،پہلی اور دوسری جنگ عظیم اس وحشت کا بہترین عکس فراہم کرتی ہیں۔اِن مادہ پست معاشروں اور اقوام نے ایک ایسا ضابطہ اخلاق وضع کیا جس کے نتیجے میں زمین کا چہرہ انسانی خون سے لہولہان ہورہا ہے،دوسو صدیاں بیت گئیں مگر یہ لوگ بدستور ہدایت سے دور ہیں،عقل سے دور ہیں،منزل سے دور ہیں،روشنی سے دور ہیں،علم سے دور ہیں،مقصد سے دور ہیں، لذت سے دور ہیں،اطمینان سے دور ہیں،

حقیقی خوشی سے دور ہیں، الہام کے نور سے دور ہیں، حتیٰ کہ خدا سے بھی دور ہیں اور اللہ نے اپنی کتاب مقدس میں اِن کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ!

أُوْلَـئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (179)

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 179/7)

ترجمہ؛

''یہ لوگ تو دراصل جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔یہی لوگ ہیں جواصل میں گمراہ ہیں''۔

آگے سورہ الاعراف میں بیان کیا گیا کہ!

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ذَّلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُواْ بِآيَاتِنَا ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 176/7)

ترجمہ؛

''اِن کی حالت تو کتے کی سی ہے کہ تم اس پر حملہ کرو تب بھی اپنی زبان لٹکائے رہتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دو تب بھی اپنی زبان لٹکائے رہتا ہے، یہی مثال ہے اُن لوگوں کی جو اللہ کی آیات سے انکار کرتے ہیں''۔

آگے سورہ جمعہ میں فرمایا کہ!

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (5)

القرآن الحکیم (سورۃ جمعہ 5/62)

ترجمہ؛

''اِن لوگوں کی مثال تو اُس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں، اوراس سے بھی زیادہ بری مثال اُن لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا''۔

آ گے سورہ فرقان میں فرمایا کہ!

إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا (44)

القرآن الحکیم (سورۃ الفرقان 44/25)

ترجمہ؛

''یہ تو جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں''۔

آ گے سورہ الانفال میں فرمایا کہ!

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ (22)

القرآن الحکیم (سورۃ الانفال 22/2)

ترجمہ؛

''یقیناً خدا کے نزدیک وہ لوگ بدترین قسم کے جانور ہیں جو بہرے گونگے ہیں اور جو عقل سے کام نہیں لیتے''۔

آگے سورہ ملک میں ارشاد ہوا کہ!

أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَى أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (22) قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (23)

القرآن الحکیم (سورۃ الملک 22.23/67)

ترجمہ؛

''کیا وہ شخص راہ یافتہ ہے جو (جانوروں کی طرح) اوندھے منہ چلتا ہے یا وہ شخص جو (انسانوں کی طرح) سیدھے رستے پر چلتا ہے، کہہ دو کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا، تم کو کان ناک اور آنکھیں اور دل دیئے مگر تم لوگ کم ہی شکر کرتے ہو''۔

اِن آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا، اللہ کی ہدایات کا انکار کیا، اللہ کے احکامات کا انکار کیا، اللہ کی کتابوں کا نکار کیا، اللہ کے رسولوں کا انکار کیا اللہ کے نزدیک اُن کا مقام کیا ہے؟ کہیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں محض بے عقل کہا ہے کہیں انھیں جانور کہا ہے، کہیں انھیں کتا کہا ہے، کہیں انھیں گدھا کہا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے وہ لوگ جنھوں نے اپنے نفس کو خدا بنالیا وہ جانور ہی تو ہیں انھیں دو ٹانگوں پر چلنے کی رعایت سے

انسان قرار نہیں دیا جاسکتا اس لیے کہ انسانیت چند اصولوں وقواعد کی پابندی میں پائی جاتی ہے ۔وہ شخص جو اگر چہ دو پاؤں پر چلتا ہو انسانوں ہی کی طرح اٹھتا بیٹھتا کھاتا پیتا ہو اُس کو محض اِن چند نشانیوں کی بنا پر اللہ کا خلیفہ اور نائب کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ اُس کے دل میں نہ اللہ ہے نہ اللہ کا خوف ہے نہ اللہ کے سامنے جوابدہی کا کوئی احساس ہے۔

دیکھیں آج کی جدید دنیا میں جب لوگوں کی معلومات کی کوئی انتہا نہیں ، اللہ کا تصور کوئی اجنبی تصور نہیں ہے اور نہ کوئی شخص یہ کہہ کر خود کو بری الذمہ قرار دے سکتا ہے کہ اُس کو بتایا نہیں گیا۔ جب قرآن دنیا میں موجود ہے، آنحضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے والے موجود ہیں تو کوئی کس طرح کہہ سکتا ہے کہ حق اُس تک نہیں پہنچا۔حقیقت یہ ہے کہ یہ محض نفس کی اکساہٹ ہے جو لوگوں کو حق سے روکے ہوئے ہے ورنہ لوگوں کی اکثریت جانتی ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، جو نہیں جانتا اُس کے پاس وسائل موجود ہیں کہ وہ جان جائے۔بات صرف طلب وترجیح کی ہے۔

ایک عام درجے کا ذہن بھی اس بات سے آشنا ہے کہ انسان نے یہ کائنات عبث پیدا نہیں کی اب اگر کوئی اللہ کی ہدایات کے مقابلے میں ڈارون ،فرائیڈ اور مارکس یا ہیگل کے نظریات کو ترجیح دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے اپنے ارادہ سے عمل کی اُس راہ کو چنا ہے جس میں خالق کا انکار پایا جاتا ہے اور جان بوجھ کر اُس نے اپنے خالق کے تمام تر احسانات کا انکار کیا ہے جس سے وہ نوازا گیا۔ایسی صورت حال میں یہ بات یقینی ہے کہ ایسے آدمی کو سزا دی جائے جس نے ارادتاً اللہ کی ہدایت سے منہ موڑا۔آج کے انسان کی شعور سطح کافی بلند ہے اور وہ حق سچ ،نیکی بدی اور اچھے برے کی تمیز رکھتا ہے۔بالکل سامنے کی بات ہے کہ اللہ نے جب یہ کائنات پیدا کی تو کائنات کی ہر تخلیق کو حکم دیا کہ میرے حکم کی تابع فرما ہو جا اور وہ ہوگئی ،چنانچہ سورج ہو یا چاند، ہوائیں ہوں یا ابر، دھوپ ہو یا چھاؤں، آگ ہو یا پانی، سمندر ہوں یا پہاڑ، دن ہو یا رات اندھیرا ہو یا اجالا، شیر ہو یا ہاتھی، چیونٹی ہو یا زیبرا، سانپ ہو یا بچھو سب

کے سب اللہ کے حکم کے تابع ہیں اور اُس کی حمد وتقدیس میں منہمک ہیں۔صرف انسان ہے جسے صرف منزل کا پتا بتانے پر اکتفا کیا گیا،انھیں حکم ماننے کی ہدایت کی گئی حکم ماننے پر مجبور نہیں کیا بلکہ ارادہ واختیار کی آزادی دے کر اُسے حالت امتحان میں چھوڑ دیا گیا کہ اُس کی مرضی ہے چاہے تو بدی کو اختیار کرے چاہے تو خالق کا فرمانبردار بن جائے اور اُس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بدلے اللہ کی رضا حاصل کر لے۔

چنانچہ اس فرق کو واضح کر دیا گیا کہ جس نے اللہ کے حکم کو سنا اور اُس کی اطاعت کی وہ انسان ہے جس نے اللہ کے حکم کو سنا اور اُس سے انکار کیا وہ حیوان ہے۔اور اُس نے سوچ سمجھے ارادے کے تحت خود کو مقام انسانیت سے گرا کر مقام حیوانیت پر بیٹھا دیا۔ماہرین حیاتیات کے مطابق انسان اور حیوان میں صرف سوچ (Conceptual Thought) کا فرق ہے۔حیوان سوچتا نہیں بس عمل کیے جاتا ہے جبکہ انسان کوئی بھی عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے چاہے وہ پانی کا ایک گلاس لینے کے لیے ہی اٹھے۔دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ انسان جب سوچتا ہے تو وہ حیوانات سے خود کو ممتاز کر لیتا ہے۔آج کی تشریح میں اسی بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان وہ ہے جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اپنے دل کی گواہی سے اُس کے رسولوں کی ہدایت سے متاثر ہو کر اور اللہ کے کلام کو پڑھ کر وہ یقین کر لیتا ہے کہ کوئی خدا ہے جس کے سامنے اُس کو ایک روز پیش ہونا ہے۔

جبکہ ایک حیوان کو مادی حقائق اور مفاد و مضار کے سوا کوئی چیز متحرک نہیں کر سکتی۔چنانچہ ایسی صداقتوں پر یقین کرنا جس کو انسان نے دیکھا نہ ہو روحانیت ہے اور خود کو صرف محسوسات تک محدود کر لینا حیوانیت ہے۔چنانچہ انسانیت اور عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان غیب کی اُن خبروں پر ایمان لائے جس کی اسے خبر دی جا رہی ہے۔گویا نتیجہ صرف اتنا سا ہے کہ ایمان بالشہود مقام حیوانیت ہے اور ایمان بالغیب مقام انسانیت۔ علاوہ ازیں اُسے عقل دی گئی جو ایک نادر تحفہ ہے۔عقل کے کرشموں کی کوئی حد نہیں،انسان نے پتھر کے دور سے آج کے جدید

اور متمدن دور تک جو سفر کیا ہے وہ عقل ہی کے سہارے طے کیا ہے اور عقل ہی کا فیصلہ ہے کہ یہ کائنات یونہی عبث قائم نہیں کر دی گئی بلکہ اس کے پیچھے کسی نہایت ہی حکیم اور دانا کا کوئی منصوبہ ہے جس کو وہ اس کائنات میں روبہ عمل لانا چاہتا ہے۔اب وہ منصوبہ کیا ہے اگر چاہتا تو انسان سے کہتا کہ اپنی عقل سے بوجھ لے کہ میں کیا چاہتا ہوں مگر اللہ کے احسانات کی کوئی حد نہیں کہ اُس نے انسان پر اپنی کتابیں اتاریں انبیاء ورسل بھیجے تاکہ وہ بندوں کو بتائیں کہ اس کائنات کو پیدا کرنے کا اصل مقصد کیا ہے۔وہ لوگوں کو ہدایت کی سیدھی راہ پر چلائیں اور انھیں اللہ کی منشا سے پوری طرح آگاہ کر دیں۔اب اس کے باجود بھی کوئی یہ کہے کہ وہ نہیں جانتا کہ خدا کون ہے اور اس زندگی کا مقصد کیا ہے تو اُس کو جانور نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے؟ اگر چہ اِن صفحات کو لکھتے ہوئے ہم نے کئی مقامات پر اہل مغرب کا لفظ استعمال کیا جس سے کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو مغرب میں رہتے ہیں۔اہل مغرب دراصل ایک اصطلاح ہے جو اللہ کے انکاری لوگوں کے لیے استعمال کی جانے لگی ہے چنانچہ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں اور اُس کی کتابوں سے انکاری ہیں وہ چاہے چین میں رہتے ہوں چاہے ہندوستان میں، روس میں رہتے ہو چاہے ناروے میں، کوریا میں ہوں یا جاپان میں، انگلستان میں ہوں یا امریکہ، ایشیا میں ہوں یا یورپ میں، وہ سب ایک ہی گروہ ہیں، ایک ہی نسل ہیں، ایک ہی قوم ہیں جنھوں نے اللہ کی آیات اور اُس کے احکامات کا انکار کیا۔

قرآن نے پندرہ سو سال پہلے ہی اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ اب زمین پر ہمیشہ صرف دو ہی قسم کے لوگ آباد رہیں گے ایک وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور اُس کے احکامات کے سامنے سر جھکایا انھیں مسلم کہا جائے گا اور ایک وہ جنھوں نے اللہ کی آیات اور اُس کے احکامات کو سنا مگر انکار کیا انھیں اُن کی انکار کی نسبت سے کافر کہا جائے گا۔یہاں تک ہم نے جو گفتگو کی ہے وہ تمام تر کافروں کے بارے میں ہی تھی۔اب ہم مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو دنیا کی

کل آبادی (سات ارب) میں سے ایک ارب اسی کروڑ ہیں۔تقویٰ کی اِس بحث میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تمام لوگ جو ایک ارب اسی کروڑ ہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں سب کے سب متقی ہیں۔اس کا جواب نفی میں ہے۔یہاں اثبات کی صرف اتنی گنجائش ہے کہ جو بھی متقی لوگ اب زمین کے سینے پر پائے جاتے ہیں وہ اسی گروہ سے ہوں گے کیونکہ اسلام کے دائرے سے باہر تقویٰ کا کوئی تصور ہی موجود نہیں۔جو لوگ مسلمان ہیں وہ اللہ اور اُس کے رسول اور روزِ محشر پر یقین رکھتے ہیں اسی کو ایمان کہا جائے گا جبکہ تقویٰ کا تعلق عمل سے ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ متقی لوگوں کی تعداد بہت ہی کم رہ گئی ہے۔اگر چہ مسلمانوں کی تعداد ماضی کے مقابلے میں بہت بڑھ گئی ہے۔اس تضاد کی کیا وجہ ہے یہ ایک طویل بحث ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔یہاں ہم صرف اس قدر بیان کر دینا چاہتے ہیں کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے۔

تقویٰ دل کی ایک کیفیت کا نام ہے تقویٰ کا اولین نشان علم میں ملتا ہے جاہل کبھی بھی متقی نہیں ہوسکتا اس لیے کہ تقویٰ تو سراسر عمل ہے اور عمل کیا ہے اس کے لیے جاننا ضروری ہے اور جاننے کو ہی علم کہا گیا ہے۔خاص تقویٰ کے لیے جس علم ضرورت ہے وہ الہامی علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں تک منتقل کرتے رہے ہیں اور اس کی محفوظ ترین صورت قرآن کی شکل میں انسان کے پاس موجود ہے جس سے وہ راہ ہدایت حاصل کرسکتا ہے۔

چنانچہ متقی شخص کی پہلی نشانی تو یہ ہوگی کہ وہ اللہ پر ایمان لائے گا، دوسری نشانی یہ ہوگی کہ وہ اللہ کی منشا جاننے کے لیے علم حاصل کرے گا پھر خود کو اس علم کے مطابق اس طرح ڈھال لے گا کہ اللہ کی اطاعت کی نشانیاں اُس کے چہرے سے معلوم ہو جائیں گی کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میرے پرہیز گار بندوں کے چہروں سے روشنی نکلتی ہے۔اللہ تعالیٰ چونکہ جانتا تھا کہ تقویٰ کی منزل دشوار گزار ہے،تقویٰ کی منزل ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہے۔مگر مقصود تو تقویٰ ہی ہے اس کے بغیر کامیابی اور منزل کا ملنا مشکل ہے اس لیے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بار بار تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور اتنی بار کی ہے کہ شمار کرنا دشوار ہے آیئے قرآن کی

رہنمائی میں تقویٰ کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

سورہ آل عمران میں فرمایا گیا کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ (102)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 102/3)

ترجمہ؛

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تقویٰ پر قائم رہو حتیٰ کہ اسی حالت میں تمہیں موت آئے''۔

سورہ التغابن میں فرمایا کہ!

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ التغابن 16/64)

ترجمہ؛

''اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اور جہاں تک ممکن ہو اُس کے سارے حکم سنو اور اُن کی اطاعت کرو''۔

سورہ حشر میں فرمایا کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (18)

القرآن الحکیم (سورۃ الحشر 18/59)

ترجمہ؛

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر متنفس کو سوچنا چاہیے کہ اُس نے آخرت کے لیے کیا سامان کیا ہے، اللہ سے ڈرتے رہو کہ یہ بالکل قطعی اور یقینی بات ہے کہ وہ تمھارے ہر عمل سے پوری طرح آگاہ ہے''۔

سورہ المائدہ میں فرمایا کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ O

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 35/5)

ترجمہ؛

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اُس کے قرب کا ذریعہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جدوجہد کرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔

تقویٰ اختیار کرو اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ سے ڈرنے میں ہی انسان کی کامیابی کا راز پنہاں ہے۔ یہاں انسانوں کے اُس بدقسمت گروہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا جنھوں نے اللہ کا انکار کیا، اللہ کی ہدایات کا انکار کیا، اللہ کے احکامات کا انکار کیا، اللہ کے رسولوں کا انکار کیا، اللہ کی کتابوں کا انکار کیا اور اللہ کے سامنے پیش ہونے سے انکار کیا بلکہ خطاب صرف مسلمانوں سے ہے اُن لوگوں سے ہے جو ایمان لے آئے جنھوں نے حق کو تسلیم کر لیا۔ اِن لوگوں کو اللہ سے

ڈرنے اور اُس کی منشا کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دی گئی اور ساتھ انھیں بتا دیا کہ اگر تم نے اللہ کے احکامات کے سامنے سر جھکا دیا تو اس کے انعامات اس قدر وسیع ہیں جس سے انسان خوش ہو جائے گا۔ زندگی تو صرف لمحوں کا کھیل ہے مگر آخروی نعمتیں ابدی ہیں اور اُن پر کبھی زوال نہ آئے گا۔ تقویٰ اختیار کرنے والوں اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے قرآن حکیم میں جا بجا خوشخبریوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور انھیں بتایا گیا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب وہ جنت کے وسیع باغوں میں آمنے سامنے تخت لگائے بیٹھے ہوں گے اور اللہ کی نعمتوں سے مسرور ہوں گے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ (15)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 15/3)

ترجمہ:

”جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں گے تو اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس بہشتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ انھی باغات میں رہیں گے اور پاک وصاف بیویاں اُن کے ساتھ ہوں گی اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے سرفراز ہوں گے ،یقیناً اللہ اپنے بندوں کے حالات پر گہری نظر رکھتا ہے“۔

سورہ توبہ میں ارشاد ہوا کہ!

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ

وَرَسُولَهُ أُوْلَـئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّهُ إِنَّ اللّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (71) وَعَدَ
اللّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّهِ أَكْبَرُ
ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (72)

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 71.72/9)

ترجمہ؛

''مومن مرد اور مومن عورتیں سب ایک دوسرے کے ساتھی اور معاون ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکواۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔ اِن مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اِن میں ہمیشہ رہیں گے اِن سدا بہار باغوں میں اُن کے لیے پاکیزہ قیام گاہیں ہوں گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انھیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہو گی، اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے''۔

سورہ نحل میں فرمایا گیا کہ!

قَالُواْ خَيْراً لِّلَّذِينَ أَحْسَنُواْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الآخِرَةِ خَيْرٌ
وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ (30) جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا
الأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآؤُونَ كَذَلِكَ يَجْزِي اللّهُ الْمُتَّقِينَ (31) الَّذِينَ
تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلآئِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُواْ الْجَنَّةَ بِمَا

كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (32)

القرآن الحکیم(سورۃ النحل 30.32/16)

ترجمہ؛

''اُن سے کہہ دیں دنیا میں بھی اُن کے لیے خیر ہی ہے اور آخرت کا گھر تو ضرور اُن کے حق میں بہتر ہوگا بڑا اچھا گھر متقیوں کے لیے، دائمی قیام کی جنتیں جن میں وہ داخل ہوں اور جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جہاں سب کچھ اُن کی خواہش کے مطابق ہوگا، یہ بدلہ ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے اللہ کی طرف سے اور متقیوں کی روحوں کو جب پاکیزگی کی حالت میں ملائکہ قبض کرتے ہیں تو پہلے انھیں سلام کرتے ہیں اور جنت کی خوشخبری سناتے ہیں جو اُن کے اعمال کا بدل ہے''۔

سورہ قمر میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ (54) فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ (55)

القرآن الحکیم(سورۃ قمر 12/54)

ترجمہ؛

''جن لوگوں نے اس دنیا میں تقویٰ اختیار کیا وہ آخرت میں اُن باغات میں ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ایک عمدہ مقام میں کامل اقتدار رکھنے والے کائنات کے حقیقی بادشاہ کے قرب میں ہوں گے''۔

سورہ انفال میں ارشاد ہوا کہ!

يَـا أَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَـنُـوا إِن تَـتَّقُـوا اللّـهَ يَجْعَل لَّكُـمْ فُرْقَاناً وَيُكَفِّرْ عَـنـكُـمْ سَيِّـئَاتِكُـمْ وَيَغْفِرْ لَكُـمْ وَاللّـهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْـمِ (29)

القرآن الحکیم (سورۃ الانفعال 29/8)

ترجمہ؛

"اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ اپنے فضل سے تمہیں خاص شان عطا کریں گے اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کر دیں گے۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا کہ وہ اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے"۔

اہل مغرب نے جب اپنی زندگیوں سے دین کو باہر نکالا تو اُن کا کہنا تھا کہ کوئی بھی عقیدہ ہو کوئی بھی مذہب ہو وہ دنیوی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ چنانچہ انھوں نے دنیا حاصل کرنے کے لیے اللہ سے منہ موڑ لیا۔ بعض لوگ مغرب کی مصنوعی چمک سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے حالانکہ حقیقت اِس سے بہت بعید ہے۔ تاہم اگر ایسے لوگوں کے اصرار کو ایک لمحے کے لیے سچ بھی مان لیا جائے تب بھی یہ کس قدر گھاٹے کا سودا ہے کہ انسان پچاس ساٹھ سال کی عمر اپنی نفس کی خواہش پوری کرنے کی خاطر گزار لے اور خود کو آخرت کی ابدی نعمتوں کا حقدار بننے سے محروم کر لے۔ انسان کی زندگی بھی تین حصوں میں منقسم ہے پہلا حصہ تو معصومیت اور طفلیت میں نکل جاتا ہے اور آخری حصہ بیماریوں اور بڑھاپے کے آزار کی نظر ہو جاتا ہے، لے دے کے اُس کے پاس جوانی کے کچھ سال بنتے ہیں جن سے وہ زندگی سے کچھ لطف حاصل کر سکتا ہے مگر اتنے قلیل سالوں کے عوض لاکھوں کروڑوں اربوں سالوں بلکہ اُس ابدی زندگی کی نعمتوں سے انسان منہ موڑ لے تو یہ کس قدر بدبختی کی بات ہے۔ اگر چہ

سچ یہی ہے کہ آج کی دنیا میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جنھوں نے خدا کی بجائے اپنے نفس کے سامنے سر جھکا رکھا ہے۔خود مسلمانوں میں جو جاہل ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ نمازی ہیں، پرہیزگار ہیں، اپنے نفس پر سختی کرنے والے ہیں وہ بس ایسے لوگ ہیں جن کا اس دنیا کی خوشیوں اور رونقوں میں کوئی حصہ نہیں۔مگر اللہ نے اس غلط فہمی کا ابطال کیا اور مومنین کو خوشخبری دی کہ اگر انھوں نے تقویٰ کی راہ کو اختیار کیا ہے تو اللہ انھیں اس دنیا میں بھی ہرگز فراموش نہ کرے گا بلکہ وہ انھیں دنیا میں بھی عزت و اکرام سے نوازے گا۔اس ضمن میں قرآن نے بات کو بالکل کھول دیا ہے کہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کا دوست ہے۔

سورہ الاعراف میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔

القرآن الحکیم(سورۃ الاعراف 96/7)

ترجمہ؛

”اگر اِن بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم اُن پر آسمانوں و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے“۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

سورہ طلاق میں ارشاد ہوا کہ!

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً (2) وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔۔

القرآن الحکیم(سورۃ طلاق 2.3/65)

ترجمہ؛

”اور جولوگ تقویٰ کی راہ پہ چلتے ہیں تو اللہ اُن کو سختیوں اور مشکلات سے نکال لیتا ہے اور انھیں وہاں سے رزق دیتا ہے جس کا انھوں نے کبھی گمان بھی نہ کیا ہو“۔

سورہ یونس میں ارشاد ہوا کہ!

أَلا إِنَّ أَوْلِيَاء اللّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (62) الَّذِينَ آمَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ (63) لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَياةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ ۔

القرآن الحکیم (سورۃ یونس 62.63/10)

ترجمہ؛

”یادرکھو جو اللہ کے دوست ہوئے انھیں کوئی خوف وغم نہ ہوگا، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور انھوں نے تقویٰ اختیار کیا، اُن کے لیے خوشخبری ہے اس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی“۔

سورہ جاثیہ میں ارشاد ہوا کہ!

وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ (19)

القرآن الحکیم (سورۃ جاثیہ 19/45)

ترجمہ؛

”ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں جبکہ اللہ متقیوں کا ساتھی ہے“۔

سورہ النحل میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوا وَّالَّذِيْنَ هُم مُّحْسِنُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ النحل 128/16)

ترجمہ؛

''اللہ اپنے اُن بندوں کے ساتھ ہے اُن کا رفیق کار ہے جو متقی اور نیکوکار ہیں''۔

سورہ بقرہ میں فرمایا گیا کہ!

وَلٰـكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 189/2)

ترجمہ؛

''لیکن نیکی تو بس یہ ہے کہ کوئی اللہ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے''۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مطلع کیا کہ تقویٰ تو دراصل اُس کیفیت کا نام ہے جس کے تحت انسان ہر پل اللہ کی رضا کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ بعض لوگ اپنی نیکی میں ملاوٹ کرتے ہیں یعنی وہ صدقہ و خیرات اس نیت سے کرتے ہیں کہ لوگ انھیں نیک اور مومن آدمی سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے سخت ناراض ہوتا ہے اور فرماتا ہے کہ اپنے دلوں کی سمت کو درست کرلو نیکی میں ریاٗ کو شامل کر کے اللہ کے غضب کو دعوت نہ دو اس لیے کہ اللہ کو تمھارے دل کا تقویٰ ہی پسند ہے اور اُس کے فیصلوں کا مدار تمھاری نیتوں پر ہے اگر انسان کی نیت عمدہ ہے اور وہ خالص اللہ کی رضا کا متلاشی ہے تو اللہ اس سے راضی ہو جائے گا دوسری صورت میں اگر انسان کی عبادت

میں دکھاوا اور ریأ شامل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ ایسی عبادتوں کو قبول نہیں کرتا۔

چنانچہ سورہ حج میں ارشاد ہوا کہ!

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنكُمْ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الحج 37/22)

ترجمہ؛

”تمھاری قربانیوں کا خون اور گوشت تو اللہ کو نہیں پہنچتا، اس کے حضور تو صرف تمھارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے“۔

سورہ مائدہ میں فرمایا گیا کہ!

قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (27)

القرآن الحکیم (سورۃ مائدہ 27/5)

ترجمہ؛

”انھیں بتا دیں کہ اللہ صرف متقیوں کے اعمال قبول کرتا ہے“۔

قرآن حکیم میں انسان کی تمام تر نیکیوں کی اصل بنیاد تقویٰ ہی کو قرار دیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ نیکی کی اصل روح تقویٰ اختیار کرنے میں ہی ہے۔ایک اور موقع پر فرمایا گیا کہ اللہ صرف تقویٰ اختیار کرنے والوں ہی کے نیک اعمال قبول کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے وہ تمام راہیں متعین کر دی ہیں جن پر چل کے انسان تقویٰ اختیار کر سکتا ہے۔اللہ کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے

اپنے بندوں کو عمدہ اخلاق اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔رشتے داروں سے عمدہ سلوک کرنے کی تلقین کی ہے، شیطان کے وسوسوں سے محتاط رہنے کی تلقین کی ہے سچ بولنے کا حکم دیا ہے، امانت ادا کرنے کی تلقین کی ہے، والدین سے عمدہ سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے، حق داروں کا حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے، حج کرنے کی ترغیب دلائی ہے، نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے، زکواۃ ادا کرنے کی نصیحت کی ہے، صدقہ خیرات کی طرف مائل کیا ہے، جہاد کا حکم دیا ہے، لوگوں کو اچھی بات کی طرف مائل کرنے کا حکم دیا ہے، دولت سے محبت کرنے سے منع کیا ہے، مال و دولت کی ہرس سے منع کیا ہے، جھوٹ بولنے سے منع کیا ہے بدکاری اور بے حیائی کے کاموں سے رُک جانے کا حکم دیا ہے۔یہی وہ چند باتیں ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔یہی تقویٰ کی راہ ہے کہ انسان لوگوں کے حقوق بھی ادا کرے اور اللہ کے احکامات کی بھی تعمیل کرے تو کامیابی اُس کا مقدر بن جائے گی اور اُسے اللہ کی رضا حاصل ہو جائے گی۔قرآن نے انسان کو تقویٰ کی طرف مائل کرنے کے لیے دو طریقے اختیار کیے ہیں اول یہ کہ اُس نے ڈرایا ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈر جا، حساب لینے والے دن کی سختی سے ڈر جا ،تو دوسری طرف قرآن نے اُن انعامات کا تذکرہ بھی کیا ہے جن کا حق دار صرف متقی لوگ ہی ہوں گے۔یہاں قرآن سے کچھ مزید آیات تحریر کی جاتی ہیں جن میں ترغیب و ترہیب سے انسان کو تقویٰ کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ (1) يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُم بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ (2)

القرآن الحکیم (سورۃ حج 1.2/22)

ترجمہ؛

''اے بنی آدم! اپنے پروردگار سے ڈرو، یقین کرو کہ قیامت کا زلزلہ بڑا ہی سخت حادثہ ہوگا، جس دن وہ قیامت تمھارے سامنے آجائے گی اور تم (اس کے ہیبت ناک منظر دیکھو گے) تو حالت یہ ہوگی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا یہاں تک ننھے بچے کو دودھ پلانے والی ماں اُس کو بھول جائے گی، حمل والیوں کے حمل ساقط ہوجائیں گے اور تم دیکھو گے کہ سب لوگ جیسے ایک خمار میں ہیں، حالانکہ وہ کسی نشے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا''۔

سورہ لقمان میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْماً لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئاً إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ (33)

القرآن الحکیم (سورۃ لقمان 33/31)

ترجمہ؛

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہ کرے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے ماں باپ کی طرف سے کسی مطالبہ کی ادائیگی پر مائل ہوگا (بلکہ ہر ایک کو اپنی ہی فکر ہوگی) یقین کرو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اٹل ہے، پس دنیا کی رونق تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان مردود تمہیں اللہ کی طرف سے کسی فریب میں مبتلا کرے''۔

سورہ بقرہ میں فرمایا گیا کہ!

وَاتَّقُواْ اللّٰہَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّٰہَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (196)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 196/2)

ترجمہ؛

''اللہ سے ڈرو، یقین جانو کہ اللہ مجرموں کو بڑی سخت سزا دینے والا ہے''۔

سورہ مائدہ میں ارشاد ہوا کہ!

وَاتَّقُواْ اللّٰہَ إِنَّ اللّٰہَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (2)

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 2/5)

ترجمہ؛

''اللہ سے ڈرو، یقین جانو کہ اللہ مجرموں کو بڑی سخت سزا دینے والا ہے''۔

سورہ المائدہ ہی میں آگے فرمایا گیا کہ!

وَاتَّقُواْ اللّٰہَ إِنَّ اللّٰہَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (7)

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 7/5)

ترجمہ؛

''اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ تو دلوں میں چھپے ہوئے رازوں سے بھی آگاہ ہے''۔

سورہ المائدہ میں ہی آگے ارشاد ہوا کہ!

هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (8)

القرآن الحکیم(سورۃ المائدہ 8/5)

ترجمہ؛

''تقویٰ اختیار کرو اور اللہ سے ڈرو اس لیے کہ اللہ تمھارے تمام اعمال سے باخبر ہے ''۔

* * * * * *

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا کہ!

اتَّقَى وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (203)

القرآن الحکیم(سورۃ البقرۃ 203/2)

ترجمہ؛

''اللہ سے ڈرو، یقین جانو کہ تم سب اس کے سامنے جمع کیے جاؤ گے''۔

* * * * * *

سورہ بقرہ میں ہی ارشاد ہوا کہ!

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۔۔۔

القرآن الحکیم(سورۃ البقرۃ 223/2)

ترجمہ؛

''اللہ سے ڈرو یقین جانو کہ ایک روز تم سب اُس کے سامنے حاضر ہونے والے ہو''۔

سورہ النساء میں ارشاد ہوا کہ!

وَإِن تُصْلِحُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ غَفُوراً رَّحِيماً (129)

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 129/4)

ترجمہ؛

''اور اگر تم اصلاح اور تقویٰ کا رویہ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے''۔

سورہ الحجرات میں حکم ہوا کہ!

وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (12)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجرات 12/49)

ترجمہ؛

''اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اللہ نہایت رحم فرمانے والا اور بہت مہربان ہے۔

سورہ حجرات میں ہی ارشاد فرمایا گیا کہ!

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (10)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجرات 10/49)

ترجمہ؛

’’اللہ سے ڈرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تا کہ تم پر رحمت کی جائے‘‘۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا کہ!

بَلَى مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (76)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 76/3)

ترجمہ؛

’’جو عہد کرو اُس کو پورا کرو، اور تقویٰ کا رویہ اختیار کرو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں سے محبت کرتا ہے‘‘۔

سورہ توبہ میں فرمایا گیا کہ!

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (4)

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 4/9)

ترجمہ؛

’’اللہ تعالیٰ اپنے پرہیزگار بندوں سے محبت کرتا ہے‘‘۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا کہ!

وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ

مُحِيْطٌ (120)

القرآن الحکیم(سورۃ آل عمران 120/3)

ترجمہ؛

''اگرتم صبرو استقلال سے کام لواور تقویٰ اختیار کروتو تمھارے دشمن تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچاسکیں گے،اس لیے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اُن سب سے خوب واقف ہے اورسب کچھ اسی کے اختیار میں ہے''۔

سورہ نحل میں ارشاد ہوا کہ!

كَـذَٰلِكَ يَجْزِئ اللّـٰهُ الْمُتَّقِيْنَ (31) الَّـذِيْنَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَآئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّـةَ بِمَا كُنْـتُمْ تَعْمَلُوْنَ (32)

القرآن الحکیم(سورۃ النحل 32/16)

ترجمہ؛

''اللہ تعالٰی ایسی ہی جزادے گا متقیوں کو،وہ متقی بندے فرشتے جن کی روح قبض کرتے ہیں اس حالت میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے سلامتی ہے داخل ہو جاؤ اللہ کی نعمت (جنت) میں اپنے اعمال کے بدلے میں''۔

سورہ زمر کے آخری رکوع میں ارشاد ہوا کہ!

وَسِيْـقَ الَّـذِيْـنَ اتَّقَوْا رَبَّهُـمْ إِلَى الْجَنَّـةِ زُمَراً حَتَّى إِذَا جَاؤُوهَا وَفُتِحَتْ

أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِيْنَ
(73) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ
الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاء فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِيْنَ (74)

القرآن الحکیم (سورۃ زمر 73.74/39)

ترجمہ؛

''اور لے جائے جائیں گے اللہ کے متقی بندے گروہ در گروہ جنت کی جانب یہاں تک کہ جب وہ جنت کے دروازوں کے پاس پہنچیں گے تو جنت کے داروغہ اُن سے کہیں گے کہ سلام ہو تم پر، تم پاکیزہ لوگ ہو، پس داخل ہو جاؤ اللہ کی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ (تو مومن کہیں گے) تمام تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے پورا کیا اپنا وعدہ اور وارث بنایا ہم کو اس زمین کا کہ ہم ٹھکانا بناتے ہیں جنت میں جہاں ہمارا جی چاہے''۔

سورہ ص میں ارشاد ہوا کہ!

وَإِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَآبٍ (49) جَنَّاتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ
الْأَبْوَابُ (50) مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا يَدْعُونَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَشَرَابٍ
(51) وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ (52) هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ
الْحِسَابِ (53) إِنَّ هَذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِن نَّفَادٍ (54)

القرآن الحکیم (سورۃ ص 49.54/38)

ترجمہ؛

''متقی لوگوں کے لیے بہترین ٹھکانا ہے، ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کے دروازے

اُن کے لیے کھلے ہوں گے، اِن میں وہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، خوب خوب فواکہ اور شراب طلب کر رہے ہوں گے، اور اُن کے پاس شرمیلی اور ہم سن بیویاں ہوں گی، یہ وہ چیزیں ہیں جنھیں حساب کے روز عطا کرنے کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا"۔

سورہ حجرات میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (13)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجرات 13/49)

ترجمہ؛

"اللہ کے ہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تقویٰ میں تم سے بڑھا ہوا ہے، اللہ سب کچھ جاننے والا اور سب سے زیادہ باخبر ہے"۔

سورہ بقرہ میں فرمایا گیا کہ!

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (2) الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (3)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 2.3/2)

ترجمہ؛

"یہ کتاب (قرآن مجید) ہدایت ہے متقی لوگوں کے لیے، (یہ وہ لوگ ہیں) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں عطا کیا ہے اُس میں سے اللہ

کی راہ میں خرچ کرتے ہیں“۔

سورہ بقرہ ہی میں آگے ارشاد ہوا کہ!

وَلَـكِـنَّ الْبِـرَّ مَـنْ آمَـنَ بِـاللّـهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالـنَّـبِيِّيْـنَ وَآتَـى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِيْ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْـنَ السَّبِيْـلِ وَالسَّـآئِـلِيْـنَ وَفِـيْ الـرِّقَـابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْـمُـوفُونَ بِعَـهْـدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِيْنَ فِيْ الْبَأْسَاء وَالضَّـرَّاء وَحِيْنَ الْبَأْسِ أُولَـئِكَ الَّذِيْنَ صَـدَقُوا وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُـتَّـقُونَ (177)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 177/2)

ترجمہ؛

”اصل نیک لوگ تو وہ ہیں جو ایمان لائے سچے دل سے اللہ پر، یوم آخر پر اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتاب پر اور نبیوں پر، اور اللہ کی محبت میں اپنا محبوب مال خرچ کرتے ہیں ،ضرورت مندوں کے لیے ، رشتے داروں کے لیے ، یتیموں مسکینوں کے لیے مسافروں کے لیے ،سوال کرنے والوں کے لیے اور غلاموں کی گردنوں کو چھڑانے کے لیے، وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکواۃ دیتے ہیں، اور جب کسی سے عہد کریں تو اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، مصیبت، تنگی اور سختی کے وقت صبر کرتے ہیں، چنانچہ حق اور باطل کی اس کشمکش میں یہی لوگ ہیں جو دراصل راست باز اور متقی ہیں“۔

سورہ آل عمران میں فرمایا گیا کہ!

وَسَارِعُواْ إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ
أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (133) الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاء وَالضَّرَّاء
وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
(134) وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُواْ فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُواْ أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُواْ اللّهَ
فَاسْتَغْفَرُواْ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ اللّهُ وَلَمْ يُصِرُّواْ عَلَى مَا
فَعَلُواْ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (135)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 135/3)

ترجمہ؛

''لوگو! تیزی سے بڑھو اور دوڑو اللہ کی بخشش اور وسیع جنت کی طرف جس کی وسعت زمین و آسمان جیسی ہے، اور جو متقی بندوں کے لیے تیار کی گئی ہے (اُن کے لیے) جو راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں، خوشحالی میں بھی اور تنگدستی میں بھی، اور وہ نزع و اختلاف کے وقت اپنے غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں، اللہ ایسے نیکوکار بندوں سے محبت کرتا ہے (یہی وہ لوگ ہیں) جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی اتفاق سے کوئی شرمناک بات کوئی گناہ اُن سے سرزد ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کے خوف سے لرز جاتے ہیں اور پھر اُن سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی چاہتے ہیں، اور گناہوں پہ اصرار نہیں کرتے''۔

سورہ الاعراف میں فرمایا گیا کہ!

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَواْ إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُواْ فَإِذَا هُم
مُّبْصِرُونَ (201)

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 201/7)

ترجمہ؛

’’حقیقت میں جو لوگ متّقی ہیں اُن کا حال تو یہ ہے کہ جب کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال انھیں چھو بھی جائے تو وہ چونک اٹھتے ہیں اور پھر انھیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ سیدھا راستہ کون سا ہے‘‘۔

سورہ حج میں ارشاد ہوا کہ!

وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ (32)

القرآن الحکیم (سورۃ الحج 32/22)

ترجمہ؛

’’جو لوگ اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرتے ہیں تو یہ اُن کے دلوں میں موجود تقویٰ کی وجہ سے ہے‘‘۔

سورہ حجرات میں فرمایا گیا کہ!

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ (3)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجرات 3/49)

ترجمہ؛

’’جو لوگ اللہ کے رسول کے سامنے نیچی آواز میں بولتے ہیں تو یہ منتخب لوگ ہیں اللہ کی

طرف سے،تو اُن کے لیے اللہ کی طرف سے تقویٰ ہے،معافی ہے،اوراجرعظیم ہے‘‘۔

سورہ الذاریات میں ارشادہوا کہ!

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ (15) آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ (16) كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ (17) وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (18) وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (19)

القرآن الحکیم(سورۃ الذاریات 15.19/51)

ترجمہ؛

’’یقیناً ہمارے متقی بندے جنت کے باغوں میں،خوش منظراور رواں چشموں کے درمیان ہوں گے،اُن کا پرورگاراُن کو اپنی خاص نعمتوں سے نوازے گا،اللہ کے یہ بندے پرہیزگار ہیں راتوں کوتھوڑا سونے والے ہیں،سحر کے وقت اٹھ کراپنے رب سے معافی اوربخشش کی درخواست کرتے ہیں،اوروہ اپنے مالوں میں سے ضرورت منداورسائلوں کے لیے حصہ رکھتے ہیں‘‘۔

قرآن حکیم کی اِن آیات سے تقویٰ کی ماہیت سمجھ میں آ جاتی ہے کہ تقویٰ اُس خاص کیفیت کوکہا جائے گا جس میں انسان خودسپردگی کی حالت میں چلا جاتا ہےاوراُس کا ہرآتا جاتا سانس اپنے خالق کا شکراداکرنے لگتا ہے۔تقویٰ انسان میں اُس احساس کوجنم دیتا ہے جواُس کے پیدا کرنے کا حقیقی مقصد تھا۔تقویٰ انسان کوخالق کی کُل رضا سے آگاہ کردیتا ہے۔وہ تکبر شرک اورشیطان کے ہراُس

وسوسے سے آگاہ ہو جاتا ہے جو وہ اُسے راہ راست سے بھٹکانے کے لیے اختیار کرتا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنا دوست رکھتا ہے۔اور اللہ کے دوست ہمیشہ اپنے دشمنوں پر غالب رہتے ہیں ۔تقویٰ انسان کے دل کو نرم کر دیتا ہے اور اُس کو وہ احساس عجز عطا کرتا ہے جس سے حقیقی شرف کا عکس عیاں ہوتا ہے۔تقویٰ کی راہ اگرچہ قدرے دشوار اور نفس کے لیے بیزاری کا باعث ہے مگر حقیقی منزل یہی ہے کہ انسان تقویٰ کی راہ پر چلے کہ اللہ کی دعوت یہی ہے رسول اللہ ﷺ کی دعوت یہی ہے اور قرآن کی دعوت بھی یہی ہے کہ تقویٰ ہی کامیابی کی واحد راہ ہے۔

❄❄❄

منہاج قرآن

قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لیے اتاری گئی۔اس کتاب کے بعد اب کوئی کتاب نہیں ہے اور آنحضرت محمد ﷺ کے بعد اب کوئی رسول نہیں ہے اس لیے قرآن حکیم میں انسان کی راہنمائی کی تکمیل کر دی گئی۔کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا، ہر پہلو سے انسان کو راہ نجات کی طرف متوجہ کیا گیا، ہر اُس نیکی سے انسان کو آگاہ کر دیا گیا جو خالق کی رضا کا سبب بننے والی ہے اور ہر اُس برائی سے انسان کو آگاہ کر دیا گیا جس سے وہ خالق کے غضب کا مستحق ٹھہرے۔قرآن نے انسان کو اُس حقیقی منزل سے آگاہ فرما دیا جو اُس کے پیدا کرنے کا اصل مقصد ہے۔قرآن نے انسان کو اُس اخلاقی راہ پہ ڈال دیا جس پر چلنے سے انسان بغیر کسی دِقت کے اللہ کی مدد سے منزل تک پہنچ جائے گا۔قرآن وہ رہنما ہے جس کی رہنمائی سب سے سوا ہے، قرآن وہ دستورِ حیات ہے جس کے سوا سب دستور باطل ہیں، قرآن وہ نسخہ کیمیا ہے جس کے بغیر انسان منزل کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا، قرآن وہ راستہ ہے جس پر منزل کے روشن سنگ میل آویزاں کیے گئے ہیں، قرآن وہ

روشنی ہے جو اندھیروں میں انسان کی رہنما ہے، قرآن ہی اصل حقیقت ہے باقی سب دھوکا ہے چنانچہ قرآن نے ہمیں بتایا کہ زندگی کی راہوں میں اٹھتے قدموں کو بے دریغ مت اٹھاؤ بلکہ ہر قدم پر رُک کر پہلے اس بات کا اطمینان کرلو کہ یہ اٹھنے والا قدم کسی حکم الٰہی سے تو نہیں ٹکراتا، ہر لقمہ منہ میں ڈالنے سے پہلے اطمینان کرلو کہ کہیں یہ مال حرام تو نہیں، ہر بات کرنے سے پہلے غور کرلو کہ کہیں یہ جھوٹ تو نہیں، کہیں غیبت تو نہیں، ہر دن کے آغاز پر عہد کرلو کہ میں نے اللہ کی اطاعت کرنی ہے اور اُس کی بغاوت سے ڈرنا ہے کہ وہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔

اگر انسان اپنی زندگی کو اُس قاعدے اور کلیے کا عادی بنالے جس میں خالق کی رضا پائی جاتی ہے تو اللہ اُس کی راہ سے مشکلات کو دور کردے گا، اُس کو آسانیاں اور نعمتوں سے نوازے گا۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی وہ انسان کو بہت سی نعمتوں سے نواز چکا ہے، اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا دامن تھام لو کہ یہی کامیابی کی واحد راہ ہے، اسی راہ پر چلنے سے انسان کو اللہ کی ابدی نعمتوں کا حقدار بننا ہے جبکہ دوسری صورت نہایت خوفناک اور پشیمانی سے پُر ہے۔ انسان کو یہ زیبا ہی نہیں کہ اللہ کی ہدایت کی موجودگی میں وہ جہنم میں جا گرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس بات سے آگاہ کردیا ہے کہ میں نے تم کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ تم میری رضا حاصل کرو۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ!

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (56)

القرآن الحکیم (سورۃ ذاریات 56/51)

ترجمہ:

”میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔“

انسان قدیم ترین زمانوں سے خالق کی عبادت کرتا چلا آیا ہے اس لیے خالق کہ عبدیت کا شعور اُس کی فطرت میں پیوست ہے۔ یہی وجہ ہے ایک عہد میں جب انسان خالق کے تصور سے آشنا نہ تھا تب اُس نے اپنے اندر موجود خلا کو پُر کرنے کے لیے کسی نہ کسی فرضی معبود کے سامنے سر جھکایا جس سے اُس کو اطمینان نصیب ہوا اور خالق سے دوری نے اُس کے اندر جس خلا کو جنم دیا تھا وہ پُر ہو گیا۔ مگر جلد ہی یہ اطمینان پھر سے ایک بے چینی میں بدل جاتا کہ وہ خالق جھوٹے تھے اس لیے اُن کی عبادت بھی انسان کو حقیقی سکون فراہم کرنے سے قاصر تھی عبادت کا لغوی معنی ہے اپنے آپ کو کسی کے آگے جھکا دینا، پست کر دینا ہے۔ جبکہ عبادت کا اصل مفہوم خدا کے آگے پستی اور عاجزی اختیار کرنا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کو قرآن میں خشیت، تضرع، اخبات، انابت، خشوع، خضوع اور قنوت وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے خدا کی عبادت یہ ہے کہ انسان خدا کے لیے اپنے آپ کو انتہائی حد تک بچھا دے، پھر عبادت کا یہ عمل جس ہستی کے آگے ہوتا ہے وہ چونکہ کہ کوئی ظالم و جابر ہستی نہیں ہے بلکہ انتہائی شفیق ہستی ہے اور ہمارے اوپر اس کے بے پایاں احسانات ہیں، اس لیے اس عجز کے اظہار کے اندر لازمی طور پر محبت کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔

بندے اور خدا کا تعلق ایک انتہائی محبوب ہستی سے انتہائی عجز کا تعلق ہے، عین اس وقت جب بندہ شدتِ خوف سے کانپ رہا ہوتا ہے جب خدا کے تصور سے اِس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں، اُس وقت اِنسان کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کے بہترین جذبات اپنے رب کے لیے وقف ہوتے ہیں، وہ انتہائی اشتیاق کے ساتھ خدا کی طرف لپک رہا ہوتا ہے اور ایک درد انگیز محبت کی اعلیٰ ترین کیفیت میں خود کو محو پاتا ہے۔ خدا کے سامنے عاجزی اختیار کرنا بلاشبہ اُس کے انتہائی خوف کی بنا پر ہوتا ہے مگر یہ خوف کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کسی ڈراؤنی شئے کو دیکھ کر انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے بلکہ دراصل یہ ایک ایسا جذبہ ہے جس کو کبھی بھی لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہ ہوا، یہ انتہائی امید اور انتہائی اندیشہ کی ایسی ملی جلی کیفیت ہے جس میں بندہ کبھی

یہ طے نہیں کر پاتا کہ دونوں میں سے کس کو فوقیت دے، یہ محبت اور خوف کا ایک ایسا مقام ہے جس میں آدمی جس سے ڈرتا ہے اُسی کی جانب بھاگتا ہے، جس سے چھننے کا خطرہ محسوس کرتا ہے اُسی سے پانے کی امید رکھتا ہے، یہ ایک ایسا اضطراب ہے جو سراپا اطمینان ہے اور ایسا اطمینان ہے جو سراپا اضطراب ہے۔ معلوم ہوا کہ عبادت اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے ایک حسیاتی واقعہ ہے نہ کہ کوئی خارجی واقعہ،قرآن وحدیث میں اس بات کو بارہا بیان کیا گیا ہے کہ تقویٰ ایک قلبی کیفیت ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اس کا محور سراسر غیر مادی ہے اگرچہ عمل کے اعتبار سے یہ ایک ارادی فعل ہے۔ قرآن حکیم میں کثرت سے ایسی آیات موجود ہیں جن میں بتایا کہ اللہ کے پیغمبر اسی لیے زمین پر اترتے رہے ہیں کہ وہ انسانوں کی اللہ کی عبادت کی طرف مائل کر سکیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَقَالَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُواْ لَوْ شَاء اللّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ نَّحْنُ وَلا آبَاؤُنَا وَلاَ حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلاَّ الْبَلاغُ الْمُبِيْنُ (35) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ ۔

القرآن الحکیم (سورۃ النحل 35.36/16)

ترجمہ؛

''یہ مشرکین کہتے ہیں، اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اور نہ ہی ہمارے باپ دادا اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے اور نہ اُس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ایسے ہی بہانے اُن سے پہلے کے لوگ بھی بناتے رہے ہیں،تو کیا رسولوں پر صاف صاف بات پہنچا دینے کے سوا بھی کوئی ذمہ داری ہے؟ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اُس

کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے باز آجاؤ"۔

ذیل کی آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ اگر کسی ملک میں تم کو خدا کی بندگی سے روکا جارہا ہو تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، تم عبادت نہ چھوڑو بلکہ اپنا وطن چھوڑ دو۔

سورہ النساء میں ارشاد ہوا کہ!

قَالُوٓاْ أَلَمۡ تَكُنۡ أَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُواْ۔

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 97/4)

ترجمہ؛

"کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے"۔

سورہ مومن کی اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ استکبار کی راہ اختیار کرنے والے جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے، یاد رہے کہ استکبار کا لفظ عبادت کے متضاد استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی ہے اللہ سے تکبر کرنا۔

ارشاد ہوا کہ!

إِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَكۡبِرُونَ عَنۡ عِبَادَتِيۡ سَيَدۡخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيۡنَ (60)

القرآن الحکیم (سورۃ مومن 60/40)

ترجمہ؛

''جولوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ضرور ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (21)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 21/2)

ترجمہ؛

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور پچھلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو''۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے بھی پیغمبر مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کی طرف اترتے رہے اور جتنی بھی کتابیں نازل کی گئیں اُن سب میں لوگوں کو اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ زمانے کے حالات اور امتوں کے احوال جاننے سے معلوم ہوا ہے کہ ہر زمانے ہر امت پر نماز اور زکواۃ ہمیشہ فرض کی جاتی رہی ہے کہ یہی دو چیزیں دراصل عبادات کا اصل ہیں۔ سورہ انبیاء کی اِن آیات میں اسی بات کو بیان گیا ہے جن کو ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ارشاد پاک ہے کہ!

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ

وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاء الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِيْنَ (73)

القرآن الحکیم (سورۃ الانبیاء 73/21)

ترجمہ؛

''ہم نے اُن کو رہبر بنایا اور وہ ہمارے حکم سے (اپنی امتوں) کی رہنمائی کرتے تھے وہ لوگوں حکم دیتے نیکی کرنے کا، خاص کر نماز اور زکواۃ ادا کرنے کا، اور وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے''۔

اور سورہ مائدہ میں فرمایا گیا کہ!

وَقَالَ اللّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنتُم بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّهَ قَرْضاً حَسَناً لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ۔

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 12/5)

ترجمہ؛

''اور اللہ نے اُن سے فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے رہے زکواۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور اُن کی مدد کرتے رہے، اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچتے رہے تو میں مٹا دوں گا تمھارے گناہوں کو اور تمہیں داخل کروں گا ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں''۔

پھر سورہ بنیہ میں بھی نماز اور زکواۃ ہی کے حکم کو دہرایا گیا اگرچہ یہ حکم قرآن میں سینکڑوں بار آیا

ہے۔

ارشاد ہوا کہ!

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاء وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (5)

القرآن الحکیم (سورۃ بنیہ 5/98)

ترجمہ؛

''اور ہم نے تو اُن کو صرف یہی حکم دیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں پورے خلوص کے ساتھ، اور صرف اُسی کے (تابعدار) بندے بن جائیں اور نماز پڑھیں اور زکواۃ دیں کہ یہی تو دین ہے''۔

سورہ احزاب میں رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کو مکارم اخلاق کی دعوت دی اور ساتھ ہی نماز اور زکواۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔

وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً (33)

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب 33/33)

ترجمہ؛

''اور (اے نبی کی گھر والیو) نماز کو اچھی طرح ادا کرتی رہو اور زکواۃ دیتی رہو اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبردار بنی رہو، اور اللہ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ نبی کے گھر والوں سے ہر قسم کی گندگی اور آلائش کو دور کردے اور تم کو کامل طور پہ پاک کردے''۔

عبادات کے ضمن میں جانیں کہ عبادت اُس خاص کیفیت کو کہا جائے گا جب بندہ خدا کے تصور میں اس قدر گم ہو جائے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے انتہائی قریب محسوس کرے اس پر استحضار کی ایسی کیفیت طاری ہو جائے گویا کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔چنانچہ کہا جائے گا کہ عبادت اپنے خارجی ظہور کے اعتبار سے اپنے رب کے آگے جھکنے کا نام ہے،اور اپنی اندرونی حقیقت کے اعتبار سے خدا کے اس گہرے ادراک اور اس سے شدید تعلق کا نام ہے کہ انسان خود کو خدا کے سامنے کھڑا محسوس کرے،اسی کیفیت اور قرب کو عبادت کا اعلیٰ ترین معیار قرار دیا جائے گا۔اور وہ تمام اعمال جن کو قربات یا مناسک یا مراسم عبودیت کہا جاتا ہے وہ اسی عبادت تک پہنچنے کے طریقے اور اِن کے لازمی مظاہر ہیں جو خود خدا کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں۔چنانچہ اگر کوئی شخص اِن مظاہر کے بغیر یا اِن کے ماسوا خدا کی عبادت کا دعویدار ہو تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے کیونکہ اِن کے بغیر عبادت کو عبادت نہ کہا جائے گا۔جیسا کہ بارہا بیان کیا جا چکا ہے کہ انسان روح اور مادہ سے مرکب ہے،روح غیر مرئی ہے اور نظر سے اوجھل ہے،مگر جسم نظر آتا ہے اور ظاہر ہے۔

چنانچہ ہم لوگ ظاہر ہی کو دیکھتے ہیں کیونکہ کسی کی وجودیت ہی اُس کے زمین پر موجود ہونے کی دلیل ہے اور اس جسم کے بغیر کسی انسان کا اس دنیا میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔عبادت انسانی عمل کا ایک حصہ ہے اس لیے عبادت کے لیے انسان کے ظاہر ہی کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اگر چہ ارادہ تو یقیناً اُس کے اندر کا انسان کرتا ہے جس کو نفس بھی کہا جا سکتا ہے اور روح بھی۔عبادت کا لفظ اگر چہ ایک لحاظ سے ساری شریعت پر حاوی ہے کیونکہ بندہ اپنے معبود کو راضی کرنے اور اس کے حکم پر کاربند ہونے کے لیے جو کچھ کرتا ہے اُن سب کا محرک جذبہ عبودیت ہی ہوتا ہے۔مگر عبادت اصلاً اور اولاً اس مخصوص عمل کا نام ہے جو بندہ اور خدا کے درمیان ہوتا ہے بندے

اور بندے کے درمیان کا عمل عبادت کا تقاضا ہے جب کہ خدا اور بندے کے درمیان کا عمل بذاتِ خود عبادت ہے، بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو وہ براہ راست خدا کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے، وہ عین اپنے رب کے سامنے اس طرح جھکا ہوتا ہے کہ اُس کے اور خدا کے مابین کوئی تیسرا وجود حائل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اخلاق اور معاملات میں جب وہ احکام الٰہی کی تعمیل کرتا ہے تو وہ دوسروں کے اوپر اپنی عابدانی حیثیت کے تقاضے پورے کر رہا ہوتا ہے تعمیل کے پہلو سے یہ تقاضے بھی اُسی طرح لازم ہیں جس طرح مخصوص عباداتی افعال۔ البتہ دونوں میں نوعیت کا جو فرق ہے اس کو سامنے رکھنا ضروری ہے ورنہ ذہنوں میں دین کا صحیح تصور قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ تقاضے ہمیشہ کسی دوسری چیز کی نسبت سے مطلوب ہوتے ہیں جب کہ اصل حقیقت مطلقاً مطلوب ہوتی ہے۔

بات کو اس مثال سے سمجھیں کہ مسلمان ہونے کا تقاضا ہے کہ آدمی وراثت کا مال خدا کے قانون کے مطابق تقسیم کرے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ہر آدمی لازماً اس بات کی کوشش کرے کہ وہ مال جمع کرے تاکہ اُس کا ترکہ وجود میں آجائے اور وہ مرتے وقت اس کو اللہ کے حکم کے مطابق تقسیم کر کے، حکم وراثت کی تکمیل کرے ورنہ اس کا ایمان مکمل نہ ہوگا۔ بلکہ اصل مقصود تو یہ تھا کہ جب کوئی صاحب حیثیت مسلمان وفات پائے تو اگر وہ کوئی جائیداد اپنے ترکے میں چھوڑتا ہے تو اللہ کے قائم کیے ہوئے دستور کے مطابق اس کو تقسیم کیا جائے ظاہر ہے سارے مسلمان اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ وہ اس حکم کی تعمیل کریں بہت سے لوگ ایسی حالت میں انتقال کرتے ہیں کہ وہ اپنے وارثوں کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑتے عبادت کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خدا سے محبت اور خوف کے تعلق کی حیثیت محض یہ نہیں ہے کہ وہ عملی زندگی کے لیے ایک ''محرک'' ہے بلکہ وہی اصل مطلوب ہے۔ جس کو اس دنیا میں ہمیں پانا ہے، سارے اعمال وافعال کا حاصل یہی ہے کہ وہ ہمارے لیے اس حسیاتی یافت کے حصول کا ذریعہ بن جائے جس کو تعلق باللہ یا وصول الی اللہ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسرے

لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ ہمارے اور خدا کے درمیان صرف ایک خارجی قسم کے ذہنی مفروضہ کا تعلق نہیں ہے کہ ہم فلاں عمل کو دہرائیں تو خدا آسمان پر ہم سے خوش ہو جائے گا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان ایک براہ راست تعلق بھی ہے، بندگی کا رویہ تو اپنی ظاہری شکل میں احکامات کی تعمیل ہے مگر حقیقت کے اعتبار سے دراصل یہ اپنے آپ کو اس مقام تک لے جانا ہے جہاں بندہ خدا سے ملاقات کر سکے۔ جہاں اپنے رب سے اس کی سرگوشیاں ہوں، جہاں وہ اس کے آگے روئے گڑگڑائے جہاں وہ بیتابانہ اس سے چمٹ جائے ، جہاں وہ اس احساس سے دوچار ہو کہ اس نے اپنے آپ کو اپنے رب کے قدموں میں ڈال دیا ہے اسی طرح دنیا کی زندگی میں خدا کو پانا ہے اور یہی دین کی اعلیٰ ترین حقیقت ہے اور سارے احکامات و آداب کا مقصود بندے کو اسی مقام تک پہنچانا ہے۔ یہی عبادت کا حسن ہے یہی عبادت کا اصل۔

عبادت کی اس تشریح کے بعد ہم عبادت کی اقسام پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں ،علماء نے عبادات کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

- خالص جسمانی عبادات
- خالص مالی عبادات
- دونوں سے مرکب

بدنی عبادات میں نماز، روزہ، ذکر اذکار شامل ہیں۔

خالص مالی عبادات سے زکواۃ وصدقات اور قربانی مراد ہیں۔

اور مرکب عبادات سے مراد یہ ہے کہ جس میں انسان جسمانی طور پہ بھی متحرک ہو اور اس کے لیے پیسہ بھی خرچ جیسے کہ حج وعمرہ، صدقہ وزکواۃ۔ عبادات میں اگرچہ معاملات اور اخلاق حسنہ بھی شامل ہیں تاہم انسانوں کو اس ضمن میں کافی غلطی لگی ہے اور وہ لوگوں کے ساتھ حسن معاملات اور حسن اخلاق کے ساتھ پیش آنے کو دین نہیں سمجھتے ،حالانکہ یہ امور بھی عین دین ہیں

اور انھی معاملات سے انسان کے دین کا سارا حسن جھانکتا ہے، انھیں حقوق العباد بھی کہا جاتا ہے،ہم انھیں الگ سے بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ لوگوں کے رویوں کی ممکن حد تک تطہیر ہو سکے۔ سر دست،ہم یہاں قرآن سے عبادات کے ضمن میں مزید آیات سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (77)

القرآن الحکیم(سورۃ الحج 77/22)

ترجمہ؛

”اے ایمان والو! اللہ کے لیے رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو تاکہ تم کامیاب ہوسکو“۔

سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا کہ!

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ (43)

القرآن الحکیم(سورۃ البقرۃ 43/2)

ترجمہ؛

”اور نماز قائم کرو اور زکواۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو“۔

سورہ بقرہ میں ہی آگے ارشاد ہوا کہ!

وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُواْ لأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ
عِندَ اللّهِ إِنَّ اللّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (110)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 110/2)

ترجمہ؛

''نماز قائم کرو اور زکواۃ ادا کرو اور جو نیکی بھی اپنے لیے آگے بھیجو اُس کو خدا کے پاس پا لوگے، اللہ تمھارے سب اعمال کو دیکھتا ہے''۔

سورہ ابراہیم میں ارشاد ہوا کہ!

قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُواْ يُقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَيُنفِقُواْ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرّاً
وَعَلانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لاَّ بَيْعٌ فِيهِ وَلاَ خِلاَلٌ (31)

القرآن الحکیم (سورۃ ابراھیم 31/14)

ترجمہ؛

''اے پیغمبر! میرے جو بندے ایمان لے آئے ہیں، اُن کو پیغام پہنچادو کہ وہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُن میں سے پوشیدہ یا اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، جس دن نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی''۔

سورہ حج میں ارشاد ہوا کہ!

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ (34) الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ

وَالصَّابِرِينَ عَلَى مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (35)

القرآن الحکیم (سورۃ حج 35/22)

ترجمہ؛

”اے پیغمبر خوشخبری سنا دیجئے میرے عبادت گزار بندوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو وہ خوفزدہ ہو جاتے ہیں، جو مصیبت میں صبر کرنے والے ہیں اور فراغی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں“۔

سورہ رعد میں ارشاد ہوا کہ!

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (22)

القرآن الحکیم (سورۃ رعد 22/13)

ترجمہ؛

”اُن کا حال یہ ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے اعلانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں، وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں، آخرت کا گھر انھی لوگوں کے لیے ہے“۔

سورہ نور میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ (36) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (37) لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (38)

القرآن الحکیم (سورۃ نور 38/24)

ترجمہ؛

''اُن میں ایسے لوگ ہیں جو صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں انھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور اقامت نماز اور ادائے زکواۃ سے غافل نہیں کر دیتی۔ وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور آنکھیں پھٹ جانے کی نوبت آئے گی (وہ اس لیے اس راہ پہ چلتے ہیں تاکہ) اللہ انھیں اِن کے بہترین اعمال کی بہترین جزا دے اور اپنے فضل سے مزید نوازے کہ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے''۔

اور سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدونَ الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (112)

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 112/9)

ترجمہ؛

''توبہ کرنے والے، اللہ کی بندگی کرنے والے، اللہ کی حمد کرنے والے، اس کی خاطر

زمین میں گھومنے والے، اللہ کے آگے رکوع وسجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے منع کرنے والے، حدوداللہ کی حفاظت کرنے والے، اے نبی ﷺ اِن لوگوں کو(کامیابی) کی خوشخبری سنادیں‘‘۔

پھرسورہ مومنون میں ارشادہوا کہ!

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (1) الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (2) وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (3) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ (4) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ (5)

القرآن الحكيم (سورة المومنون 1.5/23)

ترجمہ؛

’’یقیناً کامیاب ہوئے وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کیا ،لغویات سے دوررہے،زکواۃ دیتے رہے،اوراپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے رہے ‘‘۔

مومن کی اِن صفات کے ذکر کے ساتھ ہی فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہوگئے اور جنھیں جنت کا وارث بنایا گیا۔

سورہ مومنین میں ہی چندآیات کے بعدارشادہوا کہ!

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (8) وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلَى

صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ (9) أُوْلَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ (10) الَّذِيْنَ يَرِثُونَ
الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ (11)

القرآن الحکیم (سورۃ المومنون 8.11/23)

ترجمہ:

''وہ جو اپنے عہد کا پاس کرنے والے ہیں، امانتوں کو اُس کے حقداروں تک پہنچانے والے ہیں، اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کی ابدی نعمتوں کا وارث قرار دیا گیا، یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے''۔

آگے سورہ فاطر میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرّاً
وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ (29) لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيْدَهُم
مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ (30)

القرآن الحکیم (سورۃ فاطر 28.30/35)

ترجمہ:

''جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اعلانیہ بھی اور پوشیدہ بھی تو یہ لوگ یقیناً ایسی تجارت کر رہے ہیں جس میں انھیں کبھی خسارہ نہ ہوگا، اللہ اُن کو اُن کے عمل کا پورا پورا بدل دے گا بلکہ اپنے فضل سے مزید بھی عطا فرمائے گا اس لیے کہ اللہ بخشنے والا اور قدردان ہے''۔

آ گے سورہ سجدہ میں ارشاد ہوا کہ!

تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (16) فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاء بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (17)

القرآن الحکیم (سورۃ سجدہ 16.17/32)

ترجمہ؛

''اللہ کے خوف سے اُن کے جسم اُن کی خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے رب سے اُس کی رحمت طلب کرتے ہیں، اور وہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اُن کے اعمال کی جزا میں اُن کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے اُس سے کوئی نفس آ گاہ نہیں''۔

سورہ الذاریات میں ارشاد ہوا کہ!

كَانُوا قَلِيلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ (17) وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (18) وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (19)

القرآن الحکیم (سورۃ الذاریات 17.19/51)

ترجمہ؛

''وہ راتوں کو کم ہی سوتے ہیں، رات کے پچھلے پہر اپنے رب کے سامنے جھکتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اُن کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے

لیے“۔

آگے سورہ احزاب میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللَّهَ كَثِيْراً وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيْماً (35)

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب 35/33)

ترجمہ؛

”بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے والے مرد اور حکم ماننے والی عورتیں، دل سے ایمان لانے والے مرد اور دل سے ایمان لانے والی عورتیں، عبادت کرنے والے مرد اور عبادت کرنے والی عورتیں، ہمیشہ سچ بولنے والے مرد اور ہمیشہ سچ بولنے والی عورتیں، نفس کی غلط خواہشوں کے مقابلہ میں اللہ کے حکم کو اختیار کرنے والے مرد اور اسی صفت کی حامل عورتیں، عاجزی اور مسکنت اختیار کرنے والے مرد اور عاجزی اختیار کرنے والی عورتیں، صدقہ وخیرات کرنے والے مرد اور صدقہ وخیرات کرنے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں، کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں، تو اللہ تعالیٰ نے اِن مردوں اور اِن عورتوں کے لیے بخشش واجب کردی ہے اور تیار کر رکھا ہے اِن

کے لیے اجرعظیم"۔

آگے سورہ طہ میں ارشادفرمایا کہ!

فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاء اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى (130)

القرآن الحکیم (سورۃ طٰہٰ 130/20)

ترجمہ؛

"اے پیغمبر: جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں اُن پر صبر کرو، اور اپنے رب کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے، اور رات کے اوقات میں بھی اس کی تسبیح بیان کرو اور دن کے کناروں پر بھی شاید کہ آپ راضی ہوجائیں"۔

آگے سورہ مزمّل میں ارشادہوا کہ!

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (1) قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا (2) نِصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا (3) أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (4)

القرآن الحکیم (سورۃ مزمل 1.4/73)

ترجمہ؛

"اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم، یا اس سے کچھ زیادہ، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو"۔

آگے سورہ دہر میں ارشاد ہوا کہ!

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (25) وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا (26)

القرآن الحکیم (سورۃ 12/11)

ترجمہ؛

''اپنے رب کا نام صبح وشام یاد کرو، رات کو بھی اس کے حضور سجدہ ریز ہوں، اور رات کے طویل اوقات میں اس کی تسبیح بیان کریں''۔

آگے سورہ کوثر میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (1) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (2) إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (3)

القرآن الحکیم (سورۃ کوثر 1.3/108)

ترجمہ؛

''ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا، پس آپ نماز پڑھیں اپنے پروردگار کے لیے اور قربانی کریں، بلاشبہ آپ کے دشمن ہی بے نام ونشان ہوں گے''۔

یہ کچھ آیات تھیں جن میں انسانوں کو عبادت کی تاکید کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ ہم نے نہایت

اختصار سے کام لیا ہے وگرنہ قرآن حکیم میں اس امر کا بسیط تذکرہ پایا جاتا ہے۔اسلام نے حکم دیا کہ انسانوں کی فلاح ونجات کا دارومدار دو چیزوں پر ہے اول سچے دل سے اللہ اور اُس کے رسول اور اُن کے احکامات وہدایات پر ایمان لانا، دوم عمل صالح جس میں عبادات اور اخلاق حسنہ آتے ہیں۔اس باب میں چونکہ ہم عبادات سے بحث کر رہے ہیں اس لیے عبادات کی ماہیت اور غایت ہی اِن صفحات میں ہمارا مقصود ہے۔عبادات کے ضمن میں اس بات کو سمجھ لیں کہ کتابوں میں جو لکھا ہوتا ہے کہ عبادت اُن چند مخصوص جسمانی حرکات کا نام ہے جن میں انسان خدا کی عظمت و کبریائی بیان کرتا ہے۔اگرچہ عبادت کی یہ تعریف کچھ غلط نہیں ہے تاہم یہ تعریف انتہائی محدود ضرور ہے۔اس لیے کہ اللہ کی عبادت اور اطاعت تو ساری زندگی بلکہ ہر لمحے پر محیط ہے۔چنانچہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے شروع کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ ہرگز نہ تھا کہ آپ لوگوں کو چند مخصوص عبادات اور رسم ورواج کی طرف متوجہ فرماتے بلکہ آپ ﷺ تو انسانوں کی کُلی زندگی میں تبدیلی کے داعی تھے اور آپ ﷺ نے اگرچہ ہمیں عبادات کے طریقوں سے بھی آگاہ فرمایا ہے مگر آپ ﷺ کی بعثت کا حقیقی مقصد انسان کو اُس ارفع مقصد کی طرف راغب کرنا تھا جس میں انسان اپنے خالق کو پہچان جاتا ہے اور وہ اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ خالق کی رضا حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیتا ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ کو نبوت ورسالت کا تاج پہنایا گیا تو دنیا میں کہیں بھی اللہ واحد کی پرستش نہ کی جاتی تھی بلکہ پوری کی پوری انسانیت گمراہی اور رذالت کا شکار تھی، اہل عرب اگرچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے وجود سے آشنا تھے مگر آسمانی مذاہب کی دیگر حقیقتوں سے آگاہ نہ تھے اس لیے کہ عرب میں جو یہودی اور عیسائی تھے وہ اپنے دین کی بنیادوں سے انکاری ہو چکے تھے۔ نصاریٰ تو اپنی خانقاہوں اور ترک دنیا کی عادت کی وجہ سے یوں بھی خود کو بہت محدود کر چکے تھے اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا قرار دے چکے تھے، باقی رہے یہودی تو وہ اپنی بداعمالیوں اور بخل کی وجہ سے مشہور تھے اور اہل عرب اِن سے ذرا بھی متاثر نہ تھے اور نہ انھوں نے کبھی یہودی ہونے

کے بارے میں سوچا تھا۔عرب تو گمراہ تھے ہی اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی حقیقی تعلیمات کو بھول کر بت پرستی میں الجھ چکے تھے مگر دوسری دنیا کی حالت بھی کچھ ایسی مختلف نہ تھی بلکہ عربوں ہی کی طرح وہ بھی اللہ واحد کے وجود سے نا آشنا تھے اور گمراہیوں میں اتر چکے تھے، یونانی بھی بت پرست تھے اور اپنے بادشاہوں،قومی مشاہیر کے مجسّموں اور ستاروں کے پجاری تھے، روم ایشیائے کوچک، یورپ، افریقہ،مصر، بربر اور حبشہ وغیرہ میں اگر چہ اہل نصاریٰ کی اکثریت تھی تاہم وہ اپنے اُس الہامی دین کو فراموش کر چکے تھے جو اللہ کی طرف سے اُن کی ہدایت کے لیے اتارا گیا تھا بلکہ اب وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے بتوں کی پوجا کرتے تھے، اپنے ولیوں اور شہیدوں کی مورتیوں بلکہ اُن کی ہڈیوں تک کی پرستش میں ملوث ہو چکے تھے۔

دوسری بڑی مملکت ایران تھی جہاں زردشت کا مذہب تھا اور یہ لوگ کئی ہزار سال سے آگ کے پجاری چلے آئے تھے۔ دوسری طرف ہندوستان سے لے کر کابل و ترکستان تک اور چین سے لے کر جزائر الہند تک بودھ کی مورتیوں، سادھیوں اور اس کی جلی ہوئی ہڈیوں کی راکھ کی پرستش کی جارہی تھی۔اہل چین نے کسی معبود کی بجائے بہتر سمجھا کہ وہ اپنے آباء کی ہڈیوں کی پرستش ہی کرلیں چنانچہ کنفیوشس ازم کے تحت وہ آباء پرستی میں ملوث ہو گئے۔خاص ہندوستان میں تب سورج دیوتا، گنگا مائی اور ستاروں کی پوجا کی جاتی تھی۔

عراق کے صابئہ سات ستاروں کی پرستش میں تھے اگر چہ جہالت کی تاریکی میں تھے۔اسی طرح باقی دنیا میں بھی درختوں، پتھروں، ہواؤں، بادلوں، جانوروں، بھوتوں،فرضی دیوتاؤں اور سورج کے اوتار بادشاہوں کی پرستش کی جارہی تھی۔غرض یہ ہے کہ ہر چیز کی پرستش کی جارہی تھی سوائے اُس کے جو پرستش کے لائق ہے بلکہ پرستش کا واحد سزاوار ہے۔چنانچہ دنیا بھر کے لوگ زمین وآسمان کے بیچ کی ہر شئے کو پوج رہے تھے مگر اللہ سے نا آشنا تھے تبھی صحرائے عرب سے ایک گونج اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا پر چھا گئی وہ گونج کیا تھی قرآن کی زبان سے سنئے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ۔

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 21/2)

ترجمہ:

"اے لوگو! اپنے اُس رب کی پرستش کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا"۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت بیان کی جا چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا پیغام انسانوں کو پہنچا دیا ہے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کی امت ہیں، مگر کیا ہم اُس پیغام کی پوری طرح پیروی کر رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے ہم تک پہنچایا؟؟؟

اس کا جواب ہر قاری خود سے طلب کرے، اپنے گریبان میں جھانکے، اپنا احتساب خود کرے۔ ذیل میں ہم عبادات کا ایک جائزہ لینا چاہتے ہیں اس لیے نہیں کہ ہم لوگوں کو نماز، روزہ، حج اور زکواۃ کے متعلق بتائیں۔ بلکہ اس لیے کہ اِن اہم عبادات میں ہم جس تساہل کا شکار ہیں اُس سے بچ جائیں اور پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں اللہ ہمارا مددگار وحامی ہو"۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم سے لے کر آنحضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء و رسل توحید کا پیغام لے کر ہی انسانوں کی طرف اترے۔عبادات کا نظام بھی کم وبیش ایک سا ہی رہا ہے ۔تاریخ کے ایوانوں میں جہاں تک نظر جاتی ہے اللہ کے انبیاء اپنے پیروکاروں کونماز اور زکواۃ کی تعلیم دیتے نظر آتے ہیں کہ نماز اور زکواۃ کا حکم اللہ پر ایمان لانے والے تمام لوگوں کو دیا جاتا رہا ہے۔آخر میں یہی حکم ہمیں دیا گیا ہم اس پر کتنا عمل کرتے ہیں یہ سوال ہمیں خود سے کرنا ہے۔

نماز

نماز ترانہ شکر ہے، نماز خالق کی حمد وثنا ہے، نماز عبودیت کا اعلیٰ ترین اظہار ہے، نماز اللہ کی یکتائی اور بڑائی کا اقرار ہے، نماز اپنے محبوب سے ملاقات ہے، نماز اپنی ضرورت کا اظہار ہے ، نماز مومن کے دل کا ساز ہے، نماز اندرونی احساسات کی عرض نیاز ہے، نماز انتہائے عجز ہے ، نماز خالق ومخلوق کے درمیان تعلق کی گرہ ہے، نماز خالق سے وابستگی کا شیرازہ ہے نماز بے قرار کی روح کی تسکین ہے، نماز قلب مضطرب کی تشفی ہے، نماز مایوس دل کی امید ہے نماز فطرت کی آواز ہے، نماز حسن اعمال ہے، نماز آخرت کا خزانہ ہے، نماز جنت کی کنجی ہے نماز زندگی کا حاصل ہے، نماز زیست کا خلاصہ ہے، نماز جسم وجاں کی بندگی ہے، نماز روح کا رزق ہے، نماز مومن کی معراج ہے، نماز انسانی طبع کی پکار ہے، نماز محبی سے وفا ہے، نماز مومن کا وقار ہے، نماز مطیع ہونے کی علامت ہے، نماز مومن کے دل کی ٹھنڈک ہے، نماز سکون قلب کا باعث ہے، نماز طہارت کی علامت ہے، نماز عبادات کی سردار ہے، نماز وہ واحد عبادت ہے جو کسی بھی صورت موقوف نہیں ہوتی ، اگر انسان کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے قابل نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ کر پڑھنے کے قابل نہ ہو تو لیٹ کر پڑھے، حالتِ جنگ میں ہو تو آدھے مسلمان نماز ادا کرلیں آدھے مسلمان جنگ میں مصروف رہیں پھر دوسرا گروہ جنگ میں مصروف ہو جائے اور جنگ کرنے والے نماز کی طرف پلٹ آئیں ۔یعنی مسلمان کو کسی حالت میں بھی نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں ۔دنیا بھر میں بسنے والے مسلمانوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ

مسلمانوں کی اکثریت نماز ادا کرتی ہے۔ بدقسمتی سے ہم اُس معاشرے کا حصہ ہیں جس میں لوگ نماز سے دور ہیں، اگر چہ وہ دین سے دور نہیں اور اُن کے اندر دین کی حمیت وغیرت ایک درجے میں پائی جاتی ہے اس کے باوجود ہمارے ہاں لوگوں کی مہیب اکثریت نماز سے دور ہے تو اس کی وجہ جہالت اور فرقہ پرستی ہے۔ بہت سے لوگوں کو یہ اشتباہ لے ڈوبا ہے کہ اُن کا پیر کامل ہے وہ روز محشر اِن کو جنت میں داخل کرا دے گا مگر نماز سے تساہل برتنے والے یہ لوگ کاش رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے آگاہ ہوتے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اے میری بیٹی فاطمہ اس غرور میں مت رہنا کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ہو میں قیامت کے روز تمھارے لیے کچھ نہیں کرسکوں گا، اے میری پھوپھی صفیہ مہلت عمل سے فائدہ اٹھاؤ کہ اُس روز ہر کوئی اپنا بوجھ ہی مشکل سے اٹھائے گا۔

ہمارے ہاں نماز سے دور رہنے کی ایک وجہ غربت بھی بیان کی جاتی ہے لوگوں کو پیٹ بھر کھانا بھی دستیاب نہیں ہوتا اور وہ عسرت اور تنگ دستی کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں اور رزق کی تلاش میں اس قدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ اللہ کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ تاہم غربت کوئی وجہ جواز نہیں بن سکتی۔ لوگوں کے نماز سے دور رہنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اُن کے اندر سے اللہ کا ڈر ختم ہو گیا ہے، دین اور روز محشر کی تیاری اُن کی ترجیحات میں شامل ہی نہیں، اُن کی ترجیح صرف اور صرف ایک ہے اور وہ ہے دولت کے انبار جمع کرنا چاہے وہ جائز ذرائع سے آئے یا ناجائز ذرائع سے، چاہے وہ حلال ہو چاہے وہ حرام ہو انھیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں۔ اگر چہ انسان کی فطرت میں ایک مسجود کی جگہ موجود ہے اور وہ کسی معبود کے آگے جھکے بغیر حقیقی سکون سے آشنا نہیں ہوتا۔ مگر انسان دنیا اور اُس کی رونق کے دھوکے میں آ گیا ہے اور خالق سے منہ موڑ بیٹھا ہے۔ اگر چہ اس تساہل کا نہایت عبرت ناک انجام بہت جلد اُس کے سامنے آنے والا ہے کہ وقت مٹھی سے ریت کی طرح گر رہا ہے اور ہر گزرتا لمحہ اُس کو موت کے قریب لے جا رہا ہے ۔نماز کے بارے میں اول تو یہ جان لیں کہ نماز ہر قوم اور امت میں موجود رہی ہے جیسا کہ

قرآن حکیم کی اس آیت سے یہ بات ظاہر ہورہی ہے۔

ارشاد پاک ہے کہ!

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ (73)

القرآن الحکیم (سورۃ الانبیاء 73/21)

ترجمہ؛

''ہم نے اُن کو رہبر بنایا اور وہ ہمارے حکم سے (اپنی امتوں) کی رہنمائی کرتے تھے وہ لوگوں حکم دیتے نیکی کرنے کا، خاص کر نماز اور زکواۃ ادا کرنے کا، اور وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے''۔

چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ ہر آسمانی مذہب میں خدا کی یاد کا حکم اور اُس کے کچھ مراسم موجود ہیں۔اسلام اگر حمد و تسبیح ہے تو یہودیوں میں مزمور، عیسائیوں میں دُعا ہے تو پارسیوں میں زمزمہ، ہندوؤں میں بھجن ہیں تو بدھ سمادی لگاتے ہیں، عبادت یعنی نماز اسلام کا اصل اصول ہے جس پر تمام دنیا کے مذاہب متفق ہیں۔قرآن پاک کی تعلیم کے مطابق اللہ کا کوئی نبی ایسا نہیں جس نے اپنی قوم کو نماز اور زکواۃ کا حکم نہ دیا ہو۔

سورہ بنیہ میں ارشاد ہوا کہ!

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (5)

القرآن الحکیم (سورۃ بنیہ 5/98)

ترجمہ؛

''اور ہم نے تو اُن کو صرف یہی حکم دیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں پورے خلوص کے ساتھ، اور صرف اُسی کے (تابعدار) بندے بن جائیں اور نماز پڑھیں اور زکواۃ دیں کہ یہی تو دین ہے''۔

خصوصاً ملت ابراہیمی میں نماز کی حیثیت سب سے نمایاں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام رب اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مکہ کی لق ودق اور ویران زمین کو آباد کرتے ہیں تو اللہ سے جو دُعا کرتے اس سے بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اُن کا منشا یہی تھا کہ لوگ اللہ کے اس گھر میں اس کی حمد و تسبیح (نماز) بیان کریں''۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَـذَا الْبَلَدَ آمِناً وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ
الأَصْنَامَ (35) رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيراً مِّنَ النَّاسِ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ
مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (36) رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن
ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُواْ الصَّلاَةَ
فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ
يَشْكُرُونَ (37) رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَى عَلَى
اللّهِ مِن شَيْءٍ فَي الأَرْضِ وَلاَ فِي السَّمَاء (38) الْحَمْدُ لِلّهِ الَّذِي وَهَبَ
لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاء (39) رَبِّ
اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلاَةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاء (40) رَبَّنَا

اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ (41)

القرآن الحکیم (سورۃ ابراھیم 14/35.41)

ترجمہ؛

''یاد کرو وہ وقت جب حضرت ابراہیم نے دُعا کی کہ اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو امن کا شہر بنا، اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ، اے پرورگار اِن بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں ڈالا ہے، تو جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے طریقے کے خلاف کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے تا کہ یہ لوگ یہاں تیری نماز قائم کریں، لہٰذا تو لوگوں کو اِس کا مشتاق بنا اور انھیں کھانے کے لیے پھل دے شاید کہ یہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں۔ پروردگار تو جانتا ہے ہم جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں ۔ یقیناً اللہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمانوں میں شکر ہے اُس اللہ کا جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ جیسے بیٹے دیئے، حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور دُعا سنتا ہے۔ اے میرے اللہ! مجھے نماز پڑھنے والا بنا اور میری اولاد کو بھی، پرودگار میری دُعا قبول فرما اور مجھے، میرے والدین کو اور اُن سب کو جو ایمان لائے ہیں اُس دن معاف کر دینا جس روز تو حساب لے گا''۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت میں بہت سے گروہ ایسے تھے جنھوں نے مدتوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کیا اور نماز کو بھی قائم رکھا۔ اور یہود و نصاریٰ بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ نماز اُن پر فرض نہ کی گئی تھی اس لیے قرآن حکیم میں ایسے واضح اشارات

موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں بھی نماز موجود تھی اگرچہ اپنی جہالت کی وجہ سے وہ اسے چھوڑ بیٹھے تھے۔

سورہ لقمان میں حضرت لقمان اپنے بیٹوں سے کہتے ہیں کہ میرے بیٹو نماز پڑھنا!

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (17)

القرآن الحکیم (سورۃ لقمان 17/31)

ترجمہ؛

''بیٹا نماز قائم کرنا، نیکی کا حکم دینا، بدی سے منع کرنا اور مصیبت میں صبر کرنا، یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے''۔

اور حضرت موسیٰ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ!

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (14)

القرآن الحکیم (سورۃ طٰہٰ 14/20)

ترجمہ؛

''میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر''۔

اور قوم بنی اسرائیل کو حکم دیا جا رہا ہے کہ!

وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتاً وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (87)

القرآن الحکیم (سورۃ یونس 87/10)

ترجمہ؛

''ہم نے موسیٰ اور اُس کے بھائی (ہارون) کو اشارہ کیا کہ مصر میں چند مکان اپنی قوم کے لیے مہیا کرو اور اپنے اِن مکانوں کو قبلہ ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو، اور اہل ایمان کو (کامیابی کی) بشارت سنا دو''۔

اور قوم بنی اسرائیل کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر تم اللہ کی مدد حاصل کرنا چاہتے ہو تو نماز قائم کرو اور زکواۃ دو''۔

وَقَالَ اللّٰہُ إِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاۃَ وَآتَیْتُمُ الزَّکَاۃَ۔

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 12/5)

ترجمہ؛

''اور اللہ نے اُن سے فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے رہے، زکواۃ دیتے رہے''۔

حضرت زکریاؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ!

فَنَادَتْہُ الْمَلَآئِکَۃُ وَھُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ۔

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 39/3)

ترجمہ؛

اور فرشتوں نے اُسے (حضرت زکریا کو) پکارا جب وہ محراب میں نماز پڑھ رہا تھا''۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ!

وَأَوْصَانِيْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيّاً (31)

القرآن الحکیم (سورۃ مریم 31/19)

ترجمہ؛

”میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں نماز پڑھوں اور زکواۃ دوں جب تک کہ میں زندہ رہوں“۔

اوپر تحریر کی گئی آیات سے یہ بات پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ نماز ہر دور میں اور ہر امت میں موجود رہی۔ لعنت ہو آج کے یہود و نصاریٰ پر کہ انھیں دیکھ کے خیال بھی نہیں گزرتا کہ اِن پر بھی نماز فرض ہے وہ زنا اور شراب میں اس قدر گہرے اتر چکے ہیں کہ روحانی طہارت کا تصور تک اُن کے ہاں سے رخصت ہو چکا ہے۔ اہل عرب میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت تک بھی یہود و نصاریٰ کے کچھ لوگ تھے جو نماز پر قائم تھے قرآن حکیم میں اِن لوگوں کا تذکرہ موجود ہے۔

چنانچہ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللّهِ آنَاء اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ (113) يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُوْلَـئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ

(114) وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ
(115)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 113.115/3)

ترجمہ؛

''اِن میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں، وہ راتوں کو اُٹھ کر اللہ کی آیات کو پڑھتے ہیں اور اُس کے آگے سجدہ میں جاتے ہیں (یعنی نماز)، وہ اللہ اور روزِ آخر پر یقین رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے منع کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں، یہ صالح لوگ ہیں یہ جو بھی نیکی بھی کریں گے اُسے قبول کیا جائے گا، اللہ اپنے پرہیزگار بندوں سے خوب آگاہ ہے''۔

اس سے ظاہر رہا ہے کہ اہل عرب نماز سے آشنا تھے اگرچہ وہ اس عمل کو مدت ہوئی چھوڑ بیٹھے تھے۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خود کو حنفی کہتے اور دین براہیم کی بچھی کچھی روایات کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت زید بن عمرو بن نفیل کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ دین حنیف کے پیرو تھے اور عربوں کی بت پرستی سے بیزار تھے وہ کعبہ سے ٹیک لگا کے کھڑے ہوتے اور اپنے رب کو پکارتے اور کہتے۔ اے میرے رب میں نہیں جانتا کہ تو کہاں ہے اور میں تیری پوجا کیسے کروں۔ اسی طرح حضرت ابوذر غفاریؓ جب ایمان لائے تو فرماتے ہیں میں ایمان لانے سے تین سال پہلے ہی نماز پڑھنے لگا تھا۔ اسی طرح بعض دیگر شواہد سے بھی پتا چلتا ہے کہ عرب نماز سے آگاہ تھے اور اُن کے لوگوں میں سے قلیل لوگ ایسے بھی تھے جو خود کو مواحد کہلاتے اور اس تلاش و جستجو میں رہتے کہ انھیں حضرت دین ابراہیم سے کچھ آگاہی حاصل ہو جائے۔ اِن میں سے کئی یہود و نصاریٰ کے پاس بھی

جاتے تا کہ حقیقت کو جان سکیں مگر تب یہود و نصاریٰ تو خود گمراہ ہو چکے تھے وہ کسی اور کی رہنمائی کیا کرتے۔ اہل عرب کے دواوین میں ایسے اشعار مل جاتے ہیں جن میں اہل عرب کی نماز کا ذکر ہے۔

مثلاً عربوں کا ایک قدیمی شاعر عہد جاہلیت میں یہ شعر کہتا ہے کہ!

ود رکن اعجاز من اللیل بعد ما

اقامۃ الصلوٰۃ لعابد المتحنف

اور اِن سواریوں سے رات کے پچھلے حصہ میں اس وقت کے بعد جب عبادت گزار حنفی نماز پڑھ چکا تھا"۔[*34]

چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ دین ابراہیم کے مدّعی صرف اپنے قیاس سے کچھ ارکانِ نماز ادا کر لیتے تاہم حقیقت یہ ہے کہ بعث سے پہلے نماز کی خالص اور مواحدانہ حقیقت دنیا سے عموماً گم ہو چکی تھی اور یہود و نصاریٰ نے اس کی شکل و صورت اس قدر بگاڑ دی تھی کہ آج بھی اُن کے صحیفوں میں نماز کا ذکر تک نہیں ملتا کہ یہ ایک مشکل امر تھا جسے انھوں نے اپنے نفس پر بوجھ محسوس کیا اور اس کی شکل بگاڑ دی بعد میں اپنی کتابوں سے نماز کا حکم تک کھرچ ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنا بہت ہی نقصان کیا اس لیے وہ دنیا اور آخرت میں ذلیل و خوار ہو کے رہ گئے۔ قرآن حکیم میں بنو اسرائیل کی بداعمالیوں اور بدنیتیوں کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

چند آیات ملاحظہ ہوں۔

فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الأَدْنَى

وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِن يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهُ يَأْخُذُوهُ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِم مِّيثَاقُ الْكِتَابِ أَن لَّا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (169) وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ (170)

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 170/7)

ترجمہ:

’’پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف اُن کے جانشین ہوئے جو کتاب الٰہی کے وارث ہوکر اسی دنیائے دَنی کے فائدے سمیٹتے رہے اور یہ توقع کرتے ہیں کہ اُن کو بخش دیا جائے گا، پھر اگر وہی مطاع عزیز دوبارہ اِن کے سامنے آئے تو اسے بھی اچک لیتے ہیں، کیا اِن سے کتاب کا عہد نہیں لیا جاچکا کہ اللہ کے نام پر وہی بات کہیں گے جو سچ ہو، یہ خود پڑھ چکے ہیں جو اللہ کی کتاب میں لکھا ہے، آخری قیام گاہ تو صرف خدا ترس لوگوں کے لیے ہے، کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ جو لوگ کتاب کی پابندی کرتے ہیں، اور جنھوں نے نماز قائم کی ہے یقیناً ایسے پرہیز گار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا جائے گا‘‘۔

نماز کا تذکرہ دراصل دین کی بنیاد کا تذکرہ ہے۔نماز کے بغیر دین میں کوئی خیر نہیں، نماز ہی انسان کو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عزت اور نجات عطا کرنے والی ہے۔اس لیے لوگو نماز قائم کرو، تساہل سے بچ جاؤ، نماز کو شوق اور محبت کے ساتھ ادا کرو اور خالص اللہ کے لیے ادا کرو، اُس کی رضا کو کھو جو دن کے مختلف حصوں میں اور شام کو اور رات کو اور مہلت عمل کو

ضائع مت کرو۔

نبی اکرم ﷺ نے نماز کے متعلق فرمایا کہ!

نماز مومن کی معراج ہے۔

نماز ترک کرنا کفر ہے۔

نماز دین کا ستون ہے۔

نماز جنت کی کنجی ہے۔

نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

جس میں نماز نہ ہو اُس دین میں کوئی خیر نہیں۔

نماز ایمان و کفر میں امتیاز ہے۔

بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم میں سینکڑوں جگہ پر نماز کا ذکر موجود ہے۔ بار بار انسان کو تساہل سے باز رہنے اور نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بار بار بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت اختیار کرنے میں ہی خیر ہے اور اللہ کی اطاعت کے نتیجے میں انگنت انعامات موت کے بعد انسان کے منتظر ہیں۔ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں نماز قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم اس مہلت عمل کو ضائع کرنے سے بچ جائیں اب قرآن حکیم سے کچھ آیات تحریر کی جاتی ہیں جن میں نماز کی تاکید کی گئی ہے۔

سورہ مدثر میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَأَنذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ O

القرآن الحکیم (سورۃ مدثر 1.3/74)

ترجمہ؛

''اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، اُٹھ اور ہوشیار کر (لوگوں کو) اور اپنے رب کی

بڑائی (نماز) بیان کر"۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا کہ!

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلّهِ قَانِتِينَ O

القرآن الحکیم (سورة البقرة 238/2)

ترجمہ؛

"اپنی نمازوں کی حفاظت کرو، خاص طور پہ بیچ والی نماز کی، اور اللہ کے سامنے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرمانبردار غلام اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہوتا ہے"۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

آگے سورہ الماعون میں ارشاد ہوا کہ!

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ (4) الَّذِيْنَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (5)

القرآن الحکیم (سورة الماعون 4.5/107)

ترجمہ؛

"تباہی ہے اُن نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں"۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

سورہ انعام میں فرمایا گیا کہ!

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِالآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ

(92)

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام 92/5)

ترجمہ؛

’’اور جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، جو قرآن کو مانتے ہیں، وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں‘‘۔

سورہ العنکبوت میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ۔

القرآن الحکیم (سورۃ العنکبوت 45/29)

ترجمہ؛

’’نماز قائم کرو، بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے‘‘۔

زکواۃ

نماز بندے اور رب کے درمیان ہے، جب کہ زکواۃ بندے اور بندے کے درمیان ہے اگر چہ زکواۃ بھی اللہ ہی کا حکم ہے اور زکواۃ ادا کرنے والا یقیناً اللہ کو راضی کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح نماز نظم جماعت کو قائم کرنے والی ہے اسی طرح زکواۃ مسلمانوں کے معاشی نظم کی اصلاح کرتی ہے۔ زکواۃ کا مقصد دولت کا ارتکاز ہے، اللہ تعالیٰ دولت کے جمود کو پسند نہیں کرتے اس لیے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سینکڑوں بار زکواۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے یاد رہے کہ جس طرح نماز سابقہ امتوں پر فرض تھی اسی طرح زکواۃ بھی سابقہ امتوں پر فرض کی گئی تھی اگر چہ اِن لوگوں نے اللہ کے دیگر احکامات کی طرح اس حکم کو بھی ہوا میں اڑا دیا اور سودی نظام پر مشتمل معیشت کو اختیار کیا۔ جس کو قرآن نے اللہ کے ساتھ براہ راست جنگ قرار دیا ہے۔ ان شاء اللہ بہت جلد جس طرح کیمونزم اپنی موت آپ مر گیا اسی طرح سرمایہ دارانہ معیشت بھی ایک روز تباہ ہو جائے گی اس لیے کہ اسی نظام کی بدولت خطہ ارض پر ہر شام کئی کروڑ لوگوں کو بھوکا سونا پڑتا ہے اور دنیا کی بیشتر دولت پر اہل مغرب نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور مشرق کی محنت کا عوض بھی وہ خود کھا جاتا ہے۔ اُس نے ایک ایسا استحصالی معاشی نظام وضع کیا ہے جس کی بدولت دولت کا رخ مغرب کی طرف ہو گیا ہے

۔مسلمانوں ممالک کی اکثریت میں بھی زکواۃ کا وہ نظام وضع نہیں کیا جاسکا جو اصل میں مطلوب تھا اس لیے امت اُس خیر و برکت سے بھی محروم ہے جو اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 96/7)

ترجمہ؛

"اگر اِن بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم اُن پر آسمانوں و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے"۔

ابتدا میں جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلایا تو انھیں اللہ کی راہ خرچ کرنے کی تلقین کی۔ بعد میں جب دین کے تکمیلی قوانین اتارے جا رہے تھے جو صدقہ اور زکواۃ کی الگ سے تخصیص کر دی گئی۔زکواۃ وہ فرض ہے جو انسان کو ہر حال میں ادا کرنا ہے جبکہ صدقہ اُس کی ذاتی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ جب اور جتنا چاہے اللہ کی راہ میں خرچ کرے ۔نبی اکرم ﷺ اکثر و بیشتر لوگوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بیان کیا کرتے جس سے مسلمانوں کے ہاں مال خرچ کرنے کی عادت پختہ ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ بعض مواقعہ پر جب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو انفاق کے لیے پکارا تو کئی صحابہ نے اپنی کُل متاع رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں ڈال دی اور اس بات کو ثابت کیا کہ انھیں اپنا دین اپنے مال سے زیادہ پیارا ہے۔بعض اوقات رسول اللہ ﷺ انفاق فی سبیل اللہ کو بیعت میں بھی شامل کرتے جیسا

کہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ کی روایت سے معلوم ہوا کہ وہ فرماتے ہیں میں نے جب اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تین امور پہ بیعت لی۔اول نماز پڑھنا دوم زکواۃ دینا اور سوم ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنا۔

اسلام سے قبل زکواۃ کی مدت کی تعین میں بڑی افراط وتفریط تھی،توراۃ میں بیان کیا گیا ہے کہ قوم بنی اسرائیل پر تین سال میں ایک دفعہ زکواۃ فرض تھی۔اور انجیل میں کسی مدت اور زمانہ کو متعین ہی نہ کیا گیا تھا۔چنانچہ اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ اسلام کے پورے معاشی نظام کی اصلاح کی جائے،زکواۃ کی مدت کا تعین اس طرح کیا جائے کہ نہ تو دینے والا بار بار دینے سے اکتا جائے اور نہ ضرورت مند کو طویل عرصہ تک انتظار کی صعوبت برداشت کرنی پڑے۔چنانچہ اسلام نے اس معاملے کو دنیا کے عام عرف کے مطابق طے کیا کہ ہر سال بعد زکواۃ ادا کی جائے۔پہلے زمانوں میں چونکہ رقم کا لین دین عموماً کم ہوتا تھا بلکہ جانور اور فصلیں ہی مال تصور کیا جاتا۔اسلام نے اس ضمن میں پوری جزیات کے ساتھ زکواۃ کا نصاب مقرر کیا اور ایک ایک بات کو واضح کر دیا۔زکواۃ کے مصارف اور مختلف قسم کی پیداوار پر زکواۃ کے نصاب کے حوالے سے جزیات کو تحریر کرنا یہاں ممکن نہیں اس کے لیے فقہ کی کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں یہاں صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہوگا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ زکواۃ سے تمھارے مال پاک ہوجاتے ہیں اور زکواۃ تم پر فرض کی گئی ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کی گئی تھی۔

زکواۃ دراصل تو دولت کی تقسیم کا وہ الہامی علم ہے جس کو اگر پوری طرح اپنا لیا جائے تو دنیا سے غربت کا پوری طرح خاتمہ ہوجائے۔یقیناً بہت سے دولت مند مسلمان ایسے ہیں جو دولت کے خمار میں ہیں،نعمت کی شکر گزاری سے دور ہیں اور انھیں نہ موت یاد ہے نہ انھیں خدا کے قہر سے خوف آتا ہے اس لیے وہ زکواۃ ادا نہیں کرتے اسی وجہ سے مسلم معاشروں میں بہت غربت ہے۔حقیقت یہ ہے کہ لوگ زکواۃ کی اہمیت سے آگاہ ہی نہیں اور نہ وہ جانتا ہے کہ زکواۃ ادا

کرنے سے معاشرے پر کس طرح قدر مثبت اثرات ظاہر ہوں گے، حالانکہ جب رسول اللہ ﷺ نے پردہ فرمایا تو عرب کے بعض قبائل نے زکواۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا جس پر مشکل حالات کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھانے کا حکم دیا اور اُن لوگوں سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر انھوں نے اس وقت اس معاملے میں کوتاہی یا تساہل کا مظاہرہ کیا تو آنے والے وقتوں میں اسلام کا سارا معاشی ڈھانچہ برباد ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اِن قبائل کو مجبور کیا کہ وہ زکواۃ کی رقم بیت المال میں جمع کرائیں۔ زکواۃ دراصل انسان کے مال کا میل کچیل ہے جس کے بغیر مال صاف نہیں ہوتا اور ساتھ ہی یہ اُن لوگوں کا حق ہے جو حالات کے مارے ہیں اور غربت کی چکی میں پس رہے ہیں۔ زکواۃ کے علاوہ بھی انسان کے مال پر اُس کے رشتہ داروں ہمسائیوں اور قریبی لوگوں کا حق ہے جس کو ادا کر کے انسان اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام کے مزاج میں دولت کے انبار جمع کرنے سے کراہت کا اظہار کیا گیا ہے اگرچہ دولت اللہ کا فضل ہے اور وہ جس کو چاہے جتنا دے مگر دولت کا حق ادا کرنا بعض اوقات مشکل ہو جاتا ہے اور بندے کو احساس نہیں ہوتا کہ وہ اپنی آخروی زندگی کے لیے کس قدر مشکلات پیدا کر رہا ہے۔

اللہ پاک قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے کہ!

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْراً وَأَعْظَمَ۔

القرآن الحکیم (سورۃ مزمل 20/73)

ترجمہ؛

''نماز قائم کرو اور زکواۃ دو، اور اللہ کو قرض دو، اپنی فلاح کے لیے جو تم آگے بھیجو گے اُس کو اپنے رب کے پاس پاؤ گے بلکہ اُس سے زیادہ اور اُس سے بہتر''۔

آگے سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (103)

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 103/9)

ترجمہ؛

''اے پیغمبر! اِن کے مال میں سے صدقہ (زکواۃ) وصول کرو اور انھیں پاک کرو، اور اِن کے حق میں دعائے خیر فرما کیونکہ تمھاری دُعا اِن کے لیے وجہِ تسکین ہوگی، اللہ سب کچھ جانتا اور سنتا ہے''۔

سورہ التکاثر میں ارشاد ہوا کہ!

ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (8)

القرآن الحکیم (سورۃ التکاثر 8/102)

ترجمہ؛

''پھر اُس روز تم سے ضرور نعمت (دولت) کا حساب پوچھا جائے گا''۔

سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے کہ!

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (34)

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 34/9)

ترجمہ؛

''وہ لوگ جو سونے اور چاندی کو سنیت سنیت کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو''۔

آگے سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

مَّثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ وَاللّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (261) الَّذِيْنَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ ثُمَّ لاَ يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُواُ مَنّاً وَلاَ أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (262) قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى وَاللّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ (263) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تُبْطِلُواْ صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالأذَى كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاء النَّاسِ وَلاَ يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْداً لاَّ يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُواْ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ (264) وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاء مَرْضَاتِ اللّهِ وَتَثْبِيتاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (265)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 260.265/2)

ترجمہ؛

''جولوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچتے ہیں، اُن کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اُس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا کرتا ہے، وہ فراغ دست بھی ہے اور علیم بھی، جولوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے، نہ دُکھ دیتے ہیں، اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور اُن کے لیے کسی رنج اور خوف کا کوئی موقع نہیں۔ایک میٹھا بول کسی ناگوار بات سے اور ذرا سی چشم پوشی اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دُکھ ہو۔اللہ بے نیاز ہے اور بردباری اُس کی صفت ہے۔اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات احسان جتا کر اور دُکھ دے کر اُس شخص کی طرح خاک میں نہ ملاؤ جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر۔اُس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی تھی۔جب اس پر زور سے مینہ پڑا تو ساری مٹی بہہ گئی صاف چٹان کی چٹان رہ گئی ایسے لوگ خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی اِن کے ہاتھ نہیں آتا، اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں۔اس کے برعکس جولوگ اپنا مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے پورے ثبات وقرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو اگر زور کی بارش ہو جائے تو دوگنا پھل لائے اور اگر زور کی بارش نہ ہو تو ایک ہلکی سی پھوار ہی اُس کے لیے کافی ہو جائے ۔تم جو کچھ کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے''۔

چند آیات کے بعد سورہ بقرہ میں ہی ارشاد ہوتا ہے کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الأَرْضِ وَلاَ تَيَمَّمُواْ الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلاَّ أَن تُغْمِضُواْ فِيهِ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ (267) الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاء وَاللّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلاً وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (268) يُؤتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ (269) وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللّهَ يَعْلَمُهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ (270)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 2/267.270)

ترجمہ؛

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمھارے لیے نکالا ہے، اُس میں سے جو بہتر ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ اُس کی راہ میں دینے کے لیے تم بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو، حالانکہ وہی چیز اگر تمھیں دی جائے تو تم ہرگز اسے لینا گوارا نہ کرو گے الاَّ یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ۔ تمھیں جان لینا چاہیے کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے۔ شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرز ِعمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ تمھیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے اللہ بڑا فراغ دست اور دانا ہے۔ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اُسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی اِن باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانش مند ہیں۔ تم نے جو کچھ خرچ کیا ہو اور نذر بھی مانی ہو اللہ کو اُس کا علم ہے اور

ظالموں کا کوئی مددگار نہیں''۔

سورہ بقرہ ہی میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ!

لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَـكِنَّ اللّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَلأنفُسِكُمْ وَمَا تُنفِقُونَ إِلاَّ ابْتِغَاء وَجْهِ اللّهِ وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ (272)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 272/2)

ترجمہ؛

''اے پیغمبر! لوگوں کو ہدایت بخش دینا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہدایت تو اللہ کی طرف سے ہے وہ جسے چاہے ہدایت بخشے۔ اور راہ خدا میں جو مال تم لوگ خرچتے ہو وہ تمھارے اپنے لیے بھلائی ہے۔ آخر تم اسی لیے تو مال خرچتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل کر سکو۔ تو جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمھیں اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تمھارے ساتھ ہرگز کوئی حق تلفی نہ ہوگی''۔

آگے سورہ بقرہ میں ہی ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ وَارْكَعُواْ مَعَ الرَّاكِعِينَO

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 43/2)

ترجمہ؛

''نماز قائم کرو اور زکواۃ دو اور اللہ کے ساتھ جھکنے والوں کے ساتھ تم بھی جھک

جاؤ“۔[*35]

❄❄❄

روزہ

روزہ بہت ہی خوبصورت عبادت ہے جس کا ہر ہر لمحہ اللہ کی بندگی میں بسر ہوتا ہے اور انسان کا کوئی بھی لمحہ خالق کی اطاعت سے خالی نہیں گزرتا۔عربی زبان میں روزہ کو صوم کہتے ہیں جس کا لغوی معنی ہے ''رُک جانا یا چپ ہو جانا''۔ قرآن پاک میں کہیں کہیں روزہ کو صبر بھی کہا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ روزہ صبر کی سب سے اعلیٰ شکل ہے اس لیے کہ عام حالات میں انسان کبھی اپنے اللہ کو اتنا یاد نہیں کرتا،کبھی بھی اپنے اللہ سے اس قدر نہیں ڈرتا،کبھی بھی گناہوں سے اس قدر اجتناب نہیں کرتا کبھی بھی اس قدر زیادہ وقت کے لیے بھوکا پیاسا نہیں رہتا مگر صرف روزے کی حالت میں وہ اِن تمام باتوں سے متصف ہوتا ہے اور صرف اور صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر وہ اُن بہت سے ایسے امور سے بھی رُک جاتا ہے جو عام حالات میں اُس پر حلال کیے گئے ہیں۔روزہ عبادات میں اہم مقام رکھتا ہے اور ہمیشہ سے اللہ کے پیغمبر اپنی امتوں کو روزے کی تلقین کرتے چلے آئے ہیں قرآن حکیم اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ روزہ بھی اسی طرح ہر امت پر فرض کیا گیا جس طرح کہ نماز اور زکواۃ فرض کیے گئے تھے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ!

يَـا أَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَـنُـواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (183) أَيَّاماً مَّعْدُودَاتٍ۔۔

القرآن الحکیم(سورۃ البقرۃ 183/2)

ترجمہ؛

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو روزے تم پر فرض کیے گئے ہیں جیسے کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے۔اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔یہ گنتی کے چند دن ہیں“۔

تاریخ عالم اور ادیان عالم کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ روزے کا تصور تقریباً ہر دین میں موجود ہے۔الہامی مذاہب میں تو روزہ ہمیشہ سے رہا ہی ہے غیر الہامی مذاہب میں بھی روزہ موجود رہا ہے حتیٰ کہ بتوں کی پرستش کرنے والے ہندوؤں کے ہاں بھی روزے کا تصور موجود ہے۔ چنانچہ بغیر کسی شک وشبہ کے کہا جا سکتا ہے کہ روزہ نہایت قدیمی عبادت ہے اور انسان بہت پہلے سے روزہ کی ماہیت سے آگاہ ہے۔اگر چہ اُس کی حقیقی برکات سے انسان کو اسلام نے ہی روشناس کرایا ہے۔بابل اور نینوا کی تہذیبوں میں بھی روزے کا ثبوت ملتا ہے۔یہاں آشوری قوم آباد تھی جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا تھا۔صحیفہ یونس میں بیان کیا گیا ہے کہ!

”تب نینوا کے باشندوں نے خدا پر ایمان لا کر روزہ کی منادی کر دی۔اور ادنیٰ و اعلیٰ سب نے ٹاٹ اوڑھا۔اور یہ خبر نینوا کے بادشاہ کو پہنچی تو وہ اپنے تخت سے اتر آیا اور شاہی لباس اتار کر ٹاٹ اوڑھ کر راکھ پر بیٹھ گیا۔بادشاہ اور اس کے ارکانِ دولت کے فرمان سے نینوا میں یہ اعلان کیا گیا اور اس بات کی منادی کی گئی کہ کوئی انسان یا حیوان

،گلہ یا رمہ کچھ چکھے نہ کھائے پئے ،لیکن انسان اور حیوان ٹاٹ سے ملبس ہوں اور خدا کے حضور گریہ زاری کریں ، بلکہ ہر شخص اپنی بُری روش اور اپنے ہاتھ کے ظلم سے باز آجائے‘‘۔ [*36]

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

بعثت سے قبل اہل عرب روزہ سے آگاہ تھے اور وہ اسے ایک عبادت کے طور پہ ہی اپنائے ہوئے تھے۔صوم عربی زبان کا لفظ ہے۔چنانچہ اُن کی زبان میں روزہ کا لفظ موجود ہے تو یقیناً وہ روزہ سے آگاہ بھی تھے اور روزہ اُن کے لیے کوئی اجنبی چیز نہ تھی عربوں کی تاریخ لکھنے والے ایک محقق جناب جواد احمد اپنی کتاب ’’**المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام** ‘‘ میں لکھتے ہیں کہ!

’’روایتوں میں آتا ہے کہ قریش یوم عاشور کا روزہ رکھتے تھے۔اس روز وہ جمع ہوتے عید مناتے اور بیت اللہ کو غلاف پہناتے ،اس کی توجیہ مورخین یہ بیان کرتے ہیں کہ قریش جاہلیت میں کوئی ایسا گناہ کر بیٹھے تھے جس کا بوجھ انھوں نے بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا۔چنانچہ اس گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لیے انھوں نے یوم عاشور کا روزہ اپنے اوپر فرض کرلیا، وہ اس دن یہ روزہ اللہ کا شکرادا کرنے کے لیے رکھتے تھے کہ اُس نے انھیں اس گناہ کے برے نتائج سے محفوظ رکھا، روایتوں میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی بعث سے پہلے اپنی قوم کے ساتھ یوم عاشور کا یہ روزہ رکھتے تھے ۔اس روزے کی ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ کسی زمانے میں قریش کو ایک قحط نے آلیا تھا ،پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے نجات دلائی تو انھوں نے اس پر اللہ کا شکرادا کرنے کے لیے یہ روزہ رکھنا شروع کردیا‘‘۔[*37]

اسی طرح یہود ونصاری بھی روزے کی اہمیت سے پوری طرح آ گاہ تھےاور روزہ اُن کے دین کا اہم حصہ تھا۔ بائیبل میں جگہ جگہ روزہ کا ذکر موجود ہے صرف ایک دومثالوں پر اکتفاء کریں گے۔

قضاۃ میں ہے کہ!

''تب سب بنی اسرائیل اور سب لوگ اٹھے اور بیت ایل میں آئے اور وہاں خداوند کے حضور بیٹھے روتے رہے اُس دن انھوں نے شام تک روزہ رکھا اور سوختنی قربانیاں اور سلامتی کی قربانیاں خداوند کے آگے گزاریں''۔(26;20)

اور یوحنا میں ہے کہ!

''خداوند کا روز عظیم نہایت خوفناک ہے۔کون اُس کو برداشت کر سکتا ہے؟ لیکن خداوند فرماتا ہے! اب بھی پورے دل اور چاہ سے روزہ رکھ کر اور گریہ زاری و ماتم کرتے ہوئے میری طرف رجوع لاؤ اور اپنے کپڑوں کو نہیں بلکہ اپنے دلوں کو چاک کر کے خداوند خدا اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو، کیونکہ وہ رحیم ومہربان، قہر کرنے میں دھیما اور شفقت میں غنی ہے اور عذاب نازل کرنے سے باز رہتا ہے''۔

(13-11;2)

متی میں ہے کہ!

''اور جب تم روزہ رکھو تو ریا کاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ، کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تا کہ لوگ اُن کو روزہ دار جانیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے بلکہ جب وہ روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور منہ دھو تا کہ آدمی بنیں۔ بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے۔اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا''۔

(18-16;6)

قرآن حکیم میں رمضان کی خیر و برکت اور خاص اس مہینے کی دوسرے مہینوں پر فضیلت کے متعلق بہت سی آیات اتری ہیں۔اِن آیات میں رمضان کی ایک رات کو دیگر مہینوں کی ایک ہزار راتوں سے بھی برتر قرار دیا گیا ہے۔اسی طرح دیگر آیات میں روزہ کے حوالے سے قوانین اور احکامات بیان کیے گئے ہیں۔اگرچہ یہ آیات بہت سی ہیں مگر ہم یہاں صرف چند آیات تحریر کریں گے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے کہ!

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىَ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُواْ الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُواْ اللّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (185)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 185/2)

ترجمہ؛

”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے، اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے اُس کو لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دِنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔اللہ تمھارے ساتھ نرمی چاہتا ہے سختی نہیں کرنا چاہتا۔اس لیے یہ طریقہ تمھیں بتایا جا رہا ہے تا کہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمھیں سرفراز کیا ہے اُس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو“۔

سورہ بقرہ میں ہی آگے فرمایا گیا کہ!

أَيَّاماً مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْراً فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (184)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 184/2)

ترجمہ؛

”یہ چند مقررہ دِنوں کے روزے ہیں اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد کو پورا کرے۔اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں۔ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے، اور جو کوئی اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو اُس کے لیے بہتر ہے۔لیکن اگر تم سمجھو تو

تمھارے حق میں یہی اچھا ہے کہ روزہ رکھو"۔

سورہ دخان میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ (2) إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِيْنَ (3) فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيْمٍ (4)

القرآن الحکیم (سورۃ دخان 2.4/44)

ترجمہ؛

"قسم ہے کتاب مبین کی ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا، کیونکہ ہم لوگوں کو خبردار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ وہ رات جس میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے"۔

سورہ قدر میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (1) وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (2) لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (3) تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ (4) سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (5)

القرآن الحکیم (سورۃ قدر 1.5/97)

ترجمہ؛

"ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے فرشتے اُس رات میں اپنے رب کے اذن

سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک"۔

پھر سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُواْ مَا كَتَبَ اللّهُ لَكُمْ وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّواْ الصِّيَامَ إِلَى الَّليْلِ وَلاَ تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (187)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 187/2)

ترجمہ:

"تمھارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے، وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے لباس ہو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے مگر اُس نے تمھارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر کیا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمھارے لیے جائز کر دیا ہے اُسے حاصل کرو۔ نیز راتوں کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدہ صبح کی دھاری نمایاں نظر آ جائے تب یہ کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں اِن کے قریب بھی نہ جانا۔ اس طرح

اللہ اپنے احکام لوگوں کے لیے بصراحت بیان کرتا ہے کہ شاید وہ غلط رویوں سے بچ جائیں“۔

اسلام نے مسلمانوں کے لیے روزہ فرض کیا تو مسلمانوں نے اللہ کے اس حکم کے آگے سر جھکایا اورصدیوں سے مسلمانوں کے ہاں ماہ رمضان کی رونقیں الگ سا منظر پیش کرتی ہیں۔مسلمان پوری محبت اورلگن سے روزہ رکھتے ہیں اورمسلمانوں کی مساجد میں بے پناہ ہجوم درآتا ہے ۔اب ہم یہاں روزہ کی حقیقت اُس کی ماہیت اُن مقاصد کی کچھ تفہیم کرنا چاہتے ہیں جن کی وجہ سے روزہ انسانوں پرفرض کیا جاتا رہا ہے۔قرآن حکیم میں بیان کیا گیا کہ روزہ تم پر اس لیے فرض کیا گیا تا کہ تم کو تقویٰ حاصل ہو سکے کیونکہ تقویٰ کے بغیر اللہ کی رضا حاصل ہونا مشکل ہے۔روزہ کی حالت ایسی ہے جس میں انسان کے اندر یہ احساس پوری طرح بیدار ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔وہ اپنے نفس کی خواہشوں پر روزے کا قفل لگا دیتا ہے اورخود کو ہر اُس کام سے روک لیتا ہے جس میں خالق کی رضا شامل نہ ہو۔روزہ کی حالت میں انسان کا احساس بندگی عروج کی طرف مائل ہونا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ روزہ کھولنے کے وقت تک یہ احساس اُس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیتا ہے۔جب فجر سے لے کر مغرب تک اناج کا ایک دانا،پانی کا ایک گھونٹ تک انسان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا تو انسان کا نفس اِن ضروری چیزوں کا مطالبہ شروع کر دیتا ہے۔یہ نہیں کہ انسان کو پانی درکار نہیں ہوتا یا اُس کے پاس کھانا نہیں ہوتا ہر چیز ہوتی ہے مگر انسان خود کو سمجھاتا ہے کہ اُس نے اپنے خالق کو خوش کرنے کے لیے روزہ رکھا ہے اورایک مقررہ وقت تک اب وہ اپنے نفس کی کسی پکار کا کوئی جواب نہ دے گا چاہے وہ اس کو کتنا ہی تنگ کیوں نہ کرے یہی روزہ ہے۔جب مسلمان پورے مہینے کے روزے رکھتا ہے تو اُس کا نفس مطیع ہو جاتا ہے،وہ اپنے خالق کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے

کیونکہ اگر چہ اُس کے ظاہری بدن کو کچھ تکلیف پہنچی ہے اور مسلسل روزے رکھنے سے وہ کچھ کمزوری بھی محسوس کرنے لگا ہے مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ اُس کی روح پہلے سے زیادہ تر و تازہ ہوگئی ہے اور وہ خود کو اپنے رب سے زیادہ قریب محسوس کرنے لگا ہے۔ روزہ دار محشر میں اپنے خالق کے سامنے پیش ہونے کی تیاری میں مگن ہوتا ہے وہ اللہ کی رضا کا خواہش مند ہوتا ہے اس لیے روزہ اُس کی روح کو پوری طرح پاک کر دیتا ہے۔ روزہ صرف کھانے پینے سے رُک جانے کا نام ہی نہیں بلکہ رزوہ اپنی ماہیت میں مکمل سپردگی کا تقاضا کرتا ہے۔ روزہ دار یاوہ گوئی سے دور رہتا ہے بلکہ اس کے برعکس اللہ سبحان وتعالیٰ کے ذکر میں اور اللہ کی کتاب پر غور فکر کرنے میں خود کو غرق کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ وہ روزے سے ہے اور روزے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خود کو روک لے ہر اُس بات سے جس سے خالق خوش نہ ہوتا ہو ۔ روزہ دار خود کو ہر قسم کے فحش سے روک لیتا ہے نہ وہ فحش بات کرتا ہے نہ فحش بات سنتا ہے اس لیے کہ روزہ کی حالت میں وہ اپنے جنسی تقاضوں کو بھی قفل لگا دیتا ہے اگر چہ اللہ نے اُس کو رات میں اپنی بیوی کے پاس جانے کی اجازت عطا فرما دی ہے۔ چنانچہ روزہ کی حالت میں انسان اپنے بطن اور فرج کے تقاضوں پر اپنے احساسِ ذمہ داری اور ایمان کا پہرہ بٹھا دیتا ہے اور اسے روک لیتا ہے۔

غور کریں کہ انسان کے پاس اُس کی بیوی ہے جو جوان ہے خوبصورت ہے اور تنہائی بھی میسر ہے مگر روزہ کا احساس اُس کے اندر اس قدر بیدار ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو شہوت سے ہاتھ تک نہیں لگاتا حالانکہ وہ اس کی منکوحہ ہے۔ وہ کون سا احساس ہے جو اُس کو اپنی ہی بیوی کے پاس جانے سے روک رہا ہے یہی احساس ہے جو رفتہ رفتہ تقویٰ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور انسان ہر حال میں خود کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنا لیتا ہے۔ چنانچہ روزے کا مقصد تقویٰ میں پختگی حاصل کرنا ہے۔ اس ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے تدبر قرآن میں کیا خوبصورت فقرے لکھے ہیں جنھیں ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں!

”غور کرنے والے کو اس حقیقت کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آ سکتی کہ خدا کی تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت عقل ہے مگر عقل سے بھی بڑی نعمت قرآن ہے، اس لیے کہ عقل کو بھی حقیقی رہنمائی قرآن ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ نہ ہو تو عقل سائنس کی ساری دوربینیں اور خوردبینیں لگا کر بھی اندھیرے میں بھٹکتی رہتی ہے۔ اس وجہ سے جس مہینے میں دنیا کو یہ نعمت ملی وہ سزاوار تھا کہ وہ خدا کی تکبیر اور اُس کی شکر گزاری کا خاص مہینہ ٹھہرایا جائے تا کہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر و عظمت کا اعتراف ہمیشہ ہمیشہ ہوتا رہے۔ اس شکر گزاری اور تکبیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزوں کی عبادت مقرر فرمائی جو اُس تقویٰ کی تربیت کی خاص عبادت ہے جس پر تمام دین و شریعت کے قیام و بقا کا انحصار ہے اور جس کے حاملین ہی کے لیے درحقیقت قرآن ہدایت بن کر نازل ہوا ہے۔ گویا اس حکمت قرآنی کی ترتیب یوں ہوئی کہ قرآن حکیم کا حقیقی فیض صرف انھی لوگوں کے لیے خاص ہے جن کے اندر تقویٰ کی روح ہو اور اس تقویٰ کی تربیت کا خاص ذریعہ روزہ کی عبادت ہے۔ اس وجہ سے رب کریم نے اس مہینے کو روزوں کے لیے خاص فرما دیا جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن اس دنیا کے لیے بہار ہے اور رمضان کا مہینہ موسم بہار ہے اور یہ موسم بہار جس فصل کو نشو و نما بخشتا ہے وہ تقویٰ کی فصل ہے“۔[*38]

گویا تقویٰ کے لیے روزہ بنیادی چیز ہے اس لیے کہ روزہ دراصل تو اللہ کی کبریائی اور اُس کی عظمت و جلالت کو تسلیم کرنے اور اُس کے سامنے سر جھکا دینے کا نام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو روزے کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ!

”روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی بو سے زیادہ پسندیدہ ہے“۔

پھر فرمایا کہ!

”جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے۔قیامت کے دن روزہ داروں کو اُس دروازے سے پکارا جائے گا کہ آؤ اور اس دروازے سے اللہ کی جنتوں میں داخل ہو جاؤ۔باب ریان سے روزہ دار کے علاوہ کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔اس دروازے سے جب آخری روزہ دار بھی داخل ہو جائے گا تو اس دروازے کو بند کر دیا جائے گا“ ۔(مسلم،رقم۔2710)

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ!

”جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو نبی اکرم ﷺ اپنی کمر عبادت کے لیے کس لیتے ،خود بھی شب بیداری فرماتے اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کے لیے اٹھاتے “۔(بخاری،رقم۔2024)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ!

”جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اللہ اُس کے پچھلے گناہ معاف کر دے گا“۔(بخاری،رقم۔38)

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

پھر فرمایا کہ!

”جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں قیام کیا اللہ اُس کے پچھلے گناہ معاف فرما دے گا“۔(بخاری، رقم۔37)

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ :

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب رمضان آتا ہے تو آسمانوں سے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے“۔(مشکوٰۃ شریف جلد اول)

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ :

”نبی اکرم ﷺ نے ہمیں شعبان کے آخری روز خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو ایک بہت بڑے مہینہ نے تم پہ سایہ کیا ہے، اللہ نے اس کے روزوں کو فرض اور رات کی نماز کو نفل کیا ہے، تو جو شخص کسی نیکی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہے اُس کو اِس قدر ثواب دیا جاتا ہے جس قدر عام دِنوں میں فرض ادا کرنے کا ثواب دیا جاتا ہے۔ اور رمضان کے مہینے میں جس نے ایک فرض ادا کیا تو اُس کو اِس قدر ثواب دیا جاتا ہے گویا اُس نے ستر فرض ادا کیے ہوں۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا نتیجہ جنت ہے۔ یہ ایسا مہینہ ہے جس

میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔تو اس مہینے میں جو کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا ئے اُس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے،اُس کی گردن کو آگ سے آزادی عطا کی جائے گی۔افطار کرنے والے کے ثواب میں کمی کی جائے گی نہ افطار کرانے والے کے ثواب میں کمی کی جائے گی۔بعض صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ہم اس قدر استطاعت نہیں رکھتے کہ کسی روزہ دار کی پر تکلف دعوت کریں۔تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ دودھ کے ایک گھونٹ،پانی کے ایک گھونٹ یا ایک کھجور سے روزہ افطار کرانے والے کو بھی اسی قدر ثواب عطا فرمائے گا جو اِس شخص کو عطا فرمایا جس نے روزہ دار کو کھانا کھلایا۔آنخضرت محمد ﷺ نے مزید فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کسی روزہ دار کی پر تکلف دعوت کی اُس کو میرے حوض سے پانی پلایا جائے گا جس کے بعد وہ کبھی پیاس محسوس نہ کرے گا حتیٰ کہ جنت میں داخل کیا جائے۔پھر فرمایا یہ ایسا مہینہ ہے جس کا اول رحمت ہے درمیان بخشش ہے اور آخر آگ سے آزادی ہے۔جو شخص اس مہینے میں اپنے غلام کا بوجھ کم کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو آگ کے عذاب سے محفوظ کر دے گا''۔(مشکوٰۃ شریف جلد اول)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

ہم نے دیکھا کہ جب رمضان آتا تو نبی اکرم ﷺ اپنے ہر غلام کو آزاد کر دیتے اور ہر مانگنے والے کو عطا کرتے''۔

(مشکوٰۃ شریف جلد اول)

حج وعمرہ

ایک آواز تھی جو کئی ہزار سال پہلے عرب کے لق ودق صحرا کے بیچ میں گونجی اور لوگ اُس کی طرف متوجہ ہوئے۔قرآن نے اس صدا کو بیان کیا ہے۔

سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (27) لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ (28) ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (29)

القرآن الحکیم(سورۃ الحج 27.29/22)

ترجمہ؛

''اورلوگوں میں حج کی منادی کردو۔وہ تمھارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی جو سفر کی وجہ سے دبلی ہوگئی ہوں گی ۔وہ دور دراز کے گہرے پہاڑی

راستوں سے چلتی ہوئی پہنچیں گی ۔اِس لیے (آئیں گے) کہ اپنے لیے منفعت کی جگہوں پر پہنچیں اور چند متعین دنوں میں اپنے اُن چوپائیوں پر اللہ کا نام لیں جو اُس نے اُن کو بخشے ہیں ۔(تم اُن کو ذبح کرو) تو اُن میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ پھر چاہیے کہ یہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں''۔

حج کا شمار انسان کی قدیم عبادات میں ہوتا ہے۔حج کا لغوی معنی ہے قصد یا ارادہ کرنا تاہم اپنے مقصود کے لحاظ سے حج کا لفظ شہر مکہ میں اللہ کے اُس گھر کی طرف سفر کرنے کے ارادہ کو کہا جائے گا جس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کیا تھا۔ گویا اللہ کے اس گھر میں حاضر ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنا، اور دیگر مناسک ادا کرنے کو حج کہا جائے گا اگر لوگ ذوالحجہ کی اُس مقررہ تاریخ کو اللہ کے اس گھر میں ہوں گے اور میدان عرفات میں قیام کریں گے اور عرفہ کے روز امام کعبہ کا خطبہ سنیں گے اور اُس کے ساتھ نمازیں ادا کریں گے تو اس کو حج کہا جائے گا۔ تاہم اگر مسلمان کسی اور مہینے کے کسی اور دن اللہ کے گھر میں حاضر ہوں گے تو اس کو عمرہ کہا جائے گا ۔شہر مکہ اور خاص اللہ کے گھر کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ دنیا میں جب لوگ خاندانوں میں بسنے لگے اور انسانی معاشروں نے شعور کی کچھ منزلیں طے کر لیں تو اُن کی متمدن آبادیوں میں اس امر کو رواج حاصل ہوا کہ وہ اپنے شہر میں دو بڑی عمارات تعمیر کرتے جن میں ایک تو بادشاہ کا گھر ہوتی اور دوسری عمارت میں اُن کی قوم کا مذہبی رہنما جو اُن کے معبد کا کاہن ہوتا بسیرا کرتا۔ تب عمومی طور پر لوگ گمراہ تھے، اللہ کی توحید سے نا آشنا تھے، اس لیے وہ اللہ کی کسی بھی مخلوق کی پوجا کرنے کو بُرا نہ جانتے تھے، بہت سے لوگ ستاروں کی پرستش کرتے تھے دیگر اقوام کو یہاں ہم نے اس لیے نظر انداز کیا ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد کا

ذکر کر رہے ہیں اور اُن کی قوم ستارہ پرست تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن عراق تھا جہاں کلدانیوں کی حکومت تھی اور لوگ ستارہ پرستی کے مذہب کو اپنائے ہوئے تھے۔ جب اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عزت اور مرتبے سے نوازا اور اُن کے سر پر نبوت کا تاج سجا دیا تو اپنی قوم میں وہ پہلے اور واحد شخص تھے جنھوں نے ستارہ پرستی کے خلاف آواز اٹھائی اور اپنی قوم کو خاص اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا۔ تب اُن کی قوم نے اُن کا انکار کیا اور اُن کی دشمن بن گئی۔

اس کے نتیجہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کرنی پڑی اور وہ گھوم پھر کر شام ومصر وعرب کی سرزمین پر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو اردن میں آباد کیا اور لوگوں کی اصلاح پر متعین کیا۔ ازاں بعد آپ نے اپنے بیٹے حضرت اسحق علیہ السلام کو فلسطین (کنعان) میں آباد کیا اور انھیں بھی لوگوں کی فلاح کا فریضہ سونپا اور خود سرزمین عرب کا رُخ کیا۔ عرب سامی اقوام کا پہلا مسکن تھی۔ انھوں نے اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فاران نامی وادی میں لا بسایا جو خاص عربوں کا علاقہ تھی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں سے مصر وشام کے تجارتی قافلے گزرتے رہتے تھے اور حجاز ویمن کی طرف آنے والے قافلے بھی اسی مقام سے ہو کر گزرتے تھے جس کی وجہ سے اُن کے بیٹے آسانی کے ساتھ اللہ کا پیغام لوگوں تک منتقل کر سکتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دستور تھا کہ جہاں کہیں اُن کو روحانیت کا کوئی جلوہ نظر آتا تو اس جگہ آپ اللہ کا نام لے کر ایک پتھر کھڑا کر دیتے اور قربان گاہ بنا دیتے۔ چنانچہ توراۃ سے ایسے تین گھروں کا پتا چلتا ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے قربان گاہ قائم کی تھی۔

کتاب پیدائش میں ہے کہ!

”تب خداوند نے ابراہیم کو دکھائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا اور

اس نے وہاں خداوند کے لیے جو اس پر ظاہر ایک قربان گاہ بنائی اور وہاں سے روانہ ہو کے اس نے بیت ایل کے پورب کے ایک پہاڑ کے پاس اپنا ڈیرہ کھڑا کیا۔ بیت ایل اس کے پچھّم اور عیؔ اس کے پورب میں تھا اور وہاں اُس نے خدا کے لیے ایک قربان گاہ بنائی اور خداوند کا نام لیا''۔

(کتاب پیدائش ۔ 12:7-8)

بعد ازیں اس طرح کی قربان گاہیں اُن کے بیٹوں نے بھی بنائیں، اسی طرح کے خدا کے گھر حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی بنائے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام اور اُن کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس تعمیر کیا جو قوم بنی اسرائیل کا کعبہ اور قبلہ قرار پایا۔ پھر اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام خطہ عرب میں تشریف لائے اور بیت اللہ تعمیر کیا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ O

القرآن الحکیم (سورۃ الحج ; 26/22)

ترجمہ:

''اور جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو خانہ کعبہ کی جگہ بتا دی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا، اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور (نماز میں) رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک وصاف رکھنا''۔

اس تعمیر کے بعد انھوں نے لوگوں کو حج کے لیے پکارا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے نام پر قربان کرنے کے لیے زمین پر لٹایا تو غیب سے ندا آئی ہم تو صرف تیری وفا کو آزمانا چاہتے تھے اب سے تیری قوم بکرے کی قربانی کیا کرے۔ قرآن حکیم میں اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

چند آیات ملاحظہ فرمائیں۔

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الصافات 37 /102)

ترجمہ؛

”اے پدر بزرگوار ! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے“۔

اسی سورہ میں آگے ارشاد ہوا کہ!

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الصافات 37 /105)

ترجمہ:

”اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم (بس ہاتھ روک لے) بے شک تو نے سچ کر دکھایا

خواب کو،ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو"۔

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ دین ابراہیم کی تجدید کے لیے تشریف لائے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو حج اور عمرہ کی دعوت دی اور اُن بُری باتوں سے اُن کو رُک جانے کا حکم دیا جن کو انھوں نے دین ابراہیم میں خود سے شامل کرلیا تھا جس سے دین ابراہیم کی شکل بگڑ کر رہ گئی تھی۔ الغرض ملتِ ابراہیمی ہی اسلام کی بنیاد ٹھہری اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود کو اپنے اللہ کے ہاتھ میں سونپ دیا تھا اور اپنا سر بارگاہ رب العزت کے آگے جھکا دیا تھا۔ یہی اسلام کی حقیقت ہے جس کا اظہار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دُعا سے ہو رہا ہے جو انھوں نے اپنی امت کے لیے اللہ رب العزت سے کی، قرآن نے اِس دُعا کو محفوظ رکھا ہے۔

چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لاَ يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (124) وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْناً وَاتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (125) وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَـَذَا بَلَداً آمِناً وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلاً ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (126) وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (127) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ
التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (128) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو
عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (129) وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ
نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ
(130) إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (131)
وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ
الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ (132)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 123.132/2)

ترجمہ؛

’’یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اتر گیا، تو میں نے اُس سے کہا: میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں‘‘۔ حضرت ابراہیم نے عرض کی: کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے‘‘۔ اللہ نے فرمایا: ہاں مگر ظالموں کے سوا، اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبہ) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ابراہیم جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اُس مقام کو مستقل جائے نماز بنا لو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والے لوگوں کے لیے پاک صاف رکھو۔ اور یہ کہ ابراہیم نے اپنے رب سے دُعا کی: اے میرے اللہ! اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انھیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔ اللہ نے فرمایا! اور جو نہ مانے گا، دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اُسے بھی دوں گا، مگر آخر کار اُسے عذاب جہنم کی طرف گھسیٹوں گا اور وہ نہایت ہی بدترین ٹھکانا

ہے۔اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دُعا کرتے جاتے تھے۔اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے،تو سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔اے ہمارے رب، ہم دونوں کو اپنا مسلم بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری تابعدار ہو،ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، کہ تو بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔اے ہمارے رب، اِن لوگوں میں خود انھی کی قوم سے ایک رسول اٹھانا جو انھیں تیری آیتیں پڑھ کے سنائے اور اِن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور اِن کی زندگیاں سنوار دے۔تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔اب کون ہے جو ابراہیم کے طریقے کی مخالفت کرے سوائے اُس کے جس نے خود کو جہالت اور حماقت میں مبتلا کرلیا ہو، اِس کے سوا کون یہ حرکت کرسکتا ہے۔ابراہیم تو وہ شخص ہے جس کو ہم نے دنیا میں اپنے کام کے لیے چن لیا اور آخرت میں اُس کا شمار صالحین میں ہوگا۔اُس کا یہ حال تھا کہ جب اُس کے رب نے اِس سے کہا کہ مسلم ہوجا تو اُس نے فوراً جواب دیا میں مسلم ہوا، اور اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت اُس نے اپنی اولاد کو کی اور اپنی وصیت میں یعقوب سے کہا میرے بچو اللہ نے تمھارے لیے یہی دین (اسلام) پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا''۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

اِن آیات کے مطالعے سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا نتیجہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر احسان عظیم کے طور پر آنحضرت محمد ﷺ کو اہل عرب میں معبوث کیا جن کے مخاطب خصوصی طور پر اہل عرب تھے اور عمومی طور پر قیامت تک جنم لینے والا ہر انسان آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی پیروی کرنے پر مجبور ہے اگر اُسے اپنی فلاح وکامیابی سے

ذرا بھی دلچسپی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بیت اللہ کے حج کی صدیوں پرانی روایت کو مسلمانوں میں اُس کی اصل شکل میں بحال کیا اور اب مسلمانوں کی عبادات میں حج ایک اہم عبادت کے طور پر شامل ہے اور صبح و شام سرزمین عرب پر مسلمانوں کے جہاز اترتے رہتے ہیں اور اللہ کے گھر کے یہ مسافر ہزاروں سال سے اسی طرح اس گھر کی طرف امنڈے چلے آتے اور اپنی روحانی تطہیر کا اہتمام کرتے ہیں، حج وعمرہ ہر مسلمان کی دلی خواہش ہے اور اسی خواہش کے پیش نظر مکہ شہر ہمیشہ مہمانوں سے بھرا رہتا ہے اور اللہ کا گھر آج بھی اسی طرح آباد ہے جیسے کہ وہ کئی ہزار سال پہلے آباد تھا اور قیامت تک اس گھر کی رونقیں اسی طرح رہنے والی ہیں۔ ان شاء اللہ

❄❄❄

جہاد

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے جہاد کو مسلمانوں پر فرض کر دیا ہے ۔فتنے کے اِس دور میں جب امت مغلوب ہے اور زوال کی صدیوں میں سانس لے رہی ہے تب لوگوں نے جہاد کے معنی میں کئی ردو بدل کرنے کی کوشش کی ہے اور مسلمانوں کو جہاد سے روکنے کے لیے بہت سے علمی مباحث کو رواج دیا ہے۔مگر حقیقت یہی ہے کہ جہاد مومن کے لیے اسی طرح فرض ہے جس طرح کی نماز روزہ یا حج وزکواۃ فرض ہے۔تاہم جہاد کی فرضیت کی مختلف صورتیں ہیں اور علم والے اِس سارے بھید سے آگاہ ہیں کہ کب مسلمانوں پر جہاد فرض ہے اور کب انھوں نے جہاد کے لیے نکلنا ہے۔جہاد کے معنی یہ ہیں کہ انسان اللہ کی راہ میں محنت اور کوشش کرے،اپنے مال سے بھی اور اپنی جان سے بھی، ہر جہاد میں قتال وخونریزی نہیں ہے بلکہ جہاد کی بہت سی صورتیں ہیں جن کو سمجھنا ضروری ہے، نماز کے لیے نکلنا بھی تو نفس کے ساتھ جہاد ہے،روزہ کی حالت میں بھی انسان نفس کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتا ہے اور اپنی عمومی خواہشات کو خالق کی رضا کے لیے پورا نہیں کرتا یہ بھی جہاد ہے، علم حاصل کرنا اور علم کو پھیلانا بھی جہاد ہے جیسا کہ بہت سے لوگ قلمی جہاد میں مصروف ہیں اور دین اسلام کی اصل شکل کو لوگوں کے سامنے واضح کرنے میں مصروف ہیں۔گویا یوں کہہ لیں کہ اللہ کے نام کو بلند کرنے اور دین اسلام کی اشاعت کے لیے انسان جو بھی جدو جہد کرتا ہے

،قربانی اور ایثار کرتا ہے، اپنی جسمانی، دماغی و مالی قوتوں کو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی خاطر استعمال کرتا ہے یہ سب جہاد ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ اسی طرح اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی راہ میں جب کوئی کافر قوم رکاوٹ ڈالے تو ہتھیاروں کے ساتھ اُس سے جنگ کرنا اور اُس کو مغلوب کرنا بھی جہاد ہے۔ جہاد مسلمانوں پر اس لیے فرض کیا گیا کہ اسلام محض ایک نظریہ یا ایک فلسفہ نہیں ہے کہ لوگوں کو سنا دیا کہ یہ اسلام ہے اس کے بعد آرام سے بیٹھ گئے بلکہ اس کے برعکس اسلام تو سراسر عمل ہے اور ہمہ جہت عمل ہے جس میں ایک قتال بھی ہے۔ چونکہ اسلام میں گوشہ نشینی، رہبانیت، نظری مراقبہ، دھیان و گیان اور فلسفیانہ خیال آرائی نہیں ہے بلکہ ایمان قبول کر لینے کے بعد مسلمانوں کے لیے یہ بات لازم ٹھہرتی ہے کہ وہ اس امانت کو دنیا کے دوسرے لوگوں تک منتقل کریں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں جہاد کے مقابل قعود کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے بیٹھ رہنا، اپنے فرائض سے سستی اور تغافل برتنا، تساہل اور اغماض برتنا۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

لَّا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا (95) دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (96)

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 95.96/4)

ترجمہ؛

''مسلمانوں میں سے جو لوگ کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ اللہ نے بیٹھ

رہنے والوں کی نسبت اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا بڑا درجہ رکھا ہے۔ اگرچہ اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ ہی کیا ہے مگر اُس کے ہاں مجاہدین کی خدمات کا معاوضہ بیٹھ رہنے والوں سے بہت زیادہ ہے اور اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں، اور مغفرت اور رحمت ہے، اور اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے"۔

قرآن میں ہے کہ نماز ادا کرو زکواۃ دو نیک کام کرو اور اللہ کی راہ میں اُس کے دشمنوں سے جہاد کرو، یعنی بعض علماء نے جو خیال ظاہر کیا ہے کہ نماز زکواۃ کی اہمیت جہاد سے زیادہ ہے تو انھیں اشتباہ لگا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح نماز روزہ حج و زکواۃ اور دیگر اعمال صالح کی اہمیت ہے ایسے جہاد بھی اسلام کے بنیادی ارکان عبادات میں شامل ہے جیسا کہ نیچے تحریر کی گئی اِن آیات میں نماز، زکواۃ اور دیگر اعمال صالح کے ساتھ ہی جہاد کا حکم بھی دیا جا رہا ہے۔
چنانچہ سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (77) (س) وَجَاهِدُوا فِيْ اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِيْ الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِن قَبْلُ وَفِيْ هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيْداً عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ فَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (78)

القرآن الحکیم (سورۃ الحج 77.78/22)

ترجمہ؛

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو، اسی سے توقع کی جاتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تمھیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ چنانچہ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر کہ اللہ نے پہلے بھی تمھارا نام مسلم رکھا تھا اور اب (اس قرآن میں بھی) تمھارا یہی نام ہے۔ تا کہ رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ بنو، پس نماز قائم کرو، زکواۃ دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ وہ تمھارا مولیٰ ہے اور وہ بہت ہی اچھا مولیٰ ہے اور وہی تمھارا حقیقی مددگار ہے''۔

چنانچہ جہاد کے متعلق یہ بات واضح ہے کہ وہی جہاد اکبر ہے جس پر ملت ابراہیمی کی بنا رکھی ہے ۔یعنی حق کی راہ میں عیش وآرام، اہل وعیال اور جان و مال ہر چیز کو قربان کر دینا۔ یاد رہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے پردہ فرمایا تو صرف اہل عرب تھے جن کے پاس علم کی وہ دولت آ چکی تھی جو دراصل تو ساری انسانیت کی میراث تھی۔ اگر قرنِ اولیٰ کے مسلمان تساہل سے کام لیتے اور دین حق کے اس پیغام کو دنیا تک منتقل کرنے کے لیے اپنے گھر بار، بال بچے باغ و بہار ،آرام وراحت ہر چیز کو تج کر نہ نکلتے تو آج اسلام دنیا کا بہت بڑا دین ہرگز نہ ہوتا۔ یہ انھی لوگوں کی جدوجہد اور ہمت اور محبت کے جلوے ہیں کہ آج دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جائیں محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے والے ضرور مل جائیں گے۔ اِس راہ میں انھوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی خاطر ہزاروں میل سفر کیا ،روم و ایران کی ہیبت ناک سلطنتوں کی طاقت سے ذرا بھی خائف نہ ہوئے اور انھیں حق کی طرف بلایا۔ مسلمانوں نے اسلام کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا اور کثیر تعداد لوگوں کو

انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں دے دیا۔ اگر چہ یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے مگر ہم یہاں تفصیل کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے ہم جہاد کی اہمیت کو واضح کرتی ہوئی چند آیات اور کچھ احادیث تحریر کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُواْ وَأُخْرِجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُواْ فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُواْ وَقُتِلُواْ لأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 195/2)

ترجمہ؛

''جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے، اور میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور وہ میرے لیے لڑے اور مارے گئے، میں اُن سب کے قصور معاف کروں دوں گا اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی''۔

سورہ حجرات میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللَّهِ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (15)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجرات 15/49)

ترجمہ؛

''مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے، پھر ابتلاء کے دور میں وہ ثابت قدم رہے اور انھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں کے ساتھ یہی لوگ حقیقت میں سچے ہیں''۔

سورہ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (69)

القرآن الحکیم (سورۃ العنکبوت 69/29)

ترجمہ؛

''جن لوگوں نے ہماری خاطر جہاد کیا ہم خود انھیں سیدھا راستہ دکھائیں گے، بے شک اللہ نیکوکار لوگوں کے ساتھ ہے''۔

اسی سورہ عنکبوت کے پہلے رکوع میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (6)

القرآن الحکیم (سورۃ العنکبوت 6/29)

ترجمہ؛

''اور جو کوئی بھی (اپنے نفس سے) جہاد کرتا ہے تو اِس میں اُس کا اپنا ہی فائدہ ہے اللہ تو جہان والوں سے بے نیاز ہے''۔

جہاد کی فضیلت میں اگر چہ رسول اللہ سے بے شمار احادیث روایت کی گئیں مگر صرف چند احادیث نقل کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ :

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا تو روزے دار کی مثل ہے ،قیام کرنے والے کی مثل ہے،اللہ کی آیات پڑھنے والے کی مثل ہے۔یہاں تک کہ وہ جہاد سے لوٹ نہ آئے''۔

(مشکوٰۃ شریف جلد دوم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ :

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہاد کے لیے نکلنے والے شخص نے اس لیے گھر بار چھوڑا کہ وہ مجھ پہ یقین رکھتا ہے میرے پیغمبروں پہ یقین رکھتا ہے۔چنانچہ میں (اللہ تعالیٰ) اِس کا بات کا ذمہ دار ہوں کہ یا تو اِس کو مال غنیمت سمیت واپس لاؤں یا (شہادت کی صورت میں) اُس کو جنت میں داخل کروں''۔

(مشکوٰۃ شریف جلد دوم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ یہ بات لوگوں کے لیے دشوار ہوگی

ورنہ میں ہر اُس مہم کے ساتھ سوار ہوتا جو جہاد کو نکلی ہو۔خدا کی قسم میری آرزو تو یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں''۔(مشکوٰۃ شریف جلد دوم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ :

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام جہاد کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے''۔(مشکوٰۃ شریف جلد دوم)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ :

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ جو اللہ کے لشکروں کی چوکیداری پہ متعین ہے تو اُس کی ایک رات کی چوکیداری ایک مہینہ تک قیام اور ایک مہینے کے روزوں سے بہتر ہے اِس دوران اگر وہ شہید ہو جائے تو اُس کے عمل کو موقوف نہیں کیا جائے گا بلکہ اُسے اِس چوکیداری کا ثواب مسلسل ملتا رہے گا۔اُس کا رزق اُس پہ جاری کیا جائے گا اور اُس کو منکر نکیر کے سوالوں سے استثنیٰ حاصل ہو گا''۔

(مشکوٰۃ شریف جلد دوم)

حضرت ابو عبس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ :

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ قدم جو اللہ کی راہ میں اٹھے اور گرد آلود ہوئے اُن پاؤں

تک آگ کبھی نہ پہنچ سکے گی‘‘۔

(مشکوٰۃ شریف جلد دوم)

❄❄❄

اللہ کے رسولوں کا پیغام تو یہ ہے کہ اس عارضی زندگی میں انسان کو جو بھی وقت ملے وہ اس سے فائدہ اٹھائے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ مگر انسان ہے کہ ہمیشہ سے اس کی عظیم اکثریت شکر کی راہوں سے گریزاں رہی ہے اور اللہ کے احکامات سے منہ موڑے رہی ہے جس کا نتیجہ اُسے موت کے دروازے سے گزرنے کے بعد بھگتنا ہی ہوگا۔

عبادات، تذکرہ مزید

حق تو یہ ہے کہ انسان ساری زندگی بلکہ ہر لحہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کا شکر ادا کرے تب بھی وہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ اوپر ہم نے جن عبادات کا تذکرہ کیا ہے وہ سب فرض عبادات ہیں، ظاہری عبادات ہیں جن سے انحراف انسان کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیتا ہے، یہاں ہم کچھ اُن قلبی عبادات کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو دراصل انسان کا اپنے خالق سے قربِ خاص کا موجب ہیں اور اِن سے صرف عابد اور معبود واقف ہوتا ہے دیگر لوگ اس سے نا آشنا رہتے ہیں کہ یہ ایسی عبادات ہیں جو انسان کو اُس بلند مقام تک لے جاتی ہیں جو شرفِ انسانی کا اصل مقصود ہے عام حالات میں وہ لوگ اِن قلبی عبادات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کے فرائض مستحکم اور جن کا علم پختہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اِن عبادات میں توکل، اخلاص، شکر، ذکر، فکر، مقصدیت اور طلب شامل ہیں جن میں منہمک انسان پر دنیا کی بے رغبتی کا احساس پوری طرح عیاں ہوجاتا ہے اور وہ صرف اور صرف خالق کا بندہ بن کے رہ جاتا ہے۔

⌘⌘⌘

اخلاص

اس ضمن میں سب سے پہلے اخلاص کا مختصر مفہوم سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ الہامی مذاہب کی تعلیمات براہ راست انسانی قلب کو مخاطب کرتی ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ قلب ہی سے ارادہ جنم لیتا ہے، قلب ہی ہر انسانی قدم کا محرک اول ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانی قلب کی تطہیر کا اہتمام کیا ہے کہ یہ انسان کے جسم میں گوشت کا یہ چھوٹا سا ٹکڑا ہی دراصل سارے جسم کا حاکم ہے اُس کے سارے ارادوں کا منبع ہے چنانچہ عقائد ہوں یا عبادات، اخلاق ہوں یا معاملات ہر انسانی عمل کا عکس بالآخر اسی آئینہ پر منعکس ہوتا ہے جس کو قلب کہا جاتا ہے۔ اس لیے جب ہر عمارت کے استحکام کی ذمہ داری اُس کی بنیاد پر ہوتی ہے اسی طرح ہر عمل کی بنیاد وہ ارادہ یا خیال ہوتا ہے جو سب سے پہلے انسان کے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کی اخلاقی عمارت کی بنیاد خیر پہ رکھی جائے جس کے بعد انسان کے ذہن میں عمدہ اور مثبت خیال ہی جنم لیں گے۔ اس مضبوط بنیاد پر استوار ہونے والی عمارت عبث اور لغو کاموں کے تخیل سے پاک ہوگی۔ جب انسان عبادت کرے گا تو اُس کے ذہن میں ریا کا شائبہ تک نہ ہوگا، جب وہ خیرات کرے گا تو اُس کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی رضا ہی ہوگا۔ جب وہ نیکی کا کوئی بھی کام کرے گا تو اُس کے نزدیک نمود و نمائش جلب و منفعت،

طلبِ شہرت وغیرہ میں سے کچھ نہ ہوگا بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کا متمنی ہوگا، اُس کے نزدیک اللہ کے حکم کی بجا آوری اور اُس کی خوشنودی ہی سب سے اہم ہوگی، یہی اخلاص ہے۔

❄❄❄

شکر

اسی طرح شکر کا معاملہ ہے، شکر انسانی اعمال میں بہت ہی اہم مقام رکھتا ہے دراصل شکر ہی حقیقی راہ فلاح ہے، شکر کا ایک لمحہ ہزاروں سجدوں پر بھاری ہے، شکر کا ایک آنسو ہزاروں گناہوں کو کھا جاتا ہے، شکر اپنے رب کی نعمت سے آشنا ہونے کا نام ہے، شکر اللہ کی رضا حاصل کرنے کا حقیقی راستہ ہے۔ شکر یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی رضا پہ راضی ہو جائے اور جو کچھ اُس نے عطا کیا ہے اُسی کو کافی جانے، اور جو کچھ اُس نے نہیں دیا اُس پر صبر کرے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ انسان جب شکر کرتا ہے تو اُس کی نعمت میں اضافہ کا حکم دیتا ہے۔ شکر انسانی خصائص میں شمار ہوتا ہے، شکر یہ ہے کہ انسان اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھے، زبان سے اُن کا اقرار کرے، عمل سے اس اقرار پر مہر تصدیق ثبت کرے اور اعلانیہ اللہ کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا اظہار کرے۔ شکر کا الٹ کفر ہے، اسلام کی لغت میں کفر سے بُرا کوئی لفظ نہیں اور کفر ناشکری ہے، اللہ کی نعمتیں حاصل ہونے کے باوجود اللہ کا انکار ہے اور اللہ کے آگے جواب دہی سے انکار ہے، شکر نہ کرنے والے کو دہرا عذاب ہے، اس لیے شکر کی عادت اپنایئے۔ اللہ کی نعمتوں پر غور کرنے سے انسان کے دل میں شکر کی عادت پختہ ہو

جاتی ہے، شکر کی عادت انسان کو اللہ کے قریب لے جاتی ہے اور یہی درحقیقت مقصودِ اصل ہے۔

❋❋❋

توکل

اسی طرح توکل ہے،توکل کا لغوی معنی ہے بھروسہ کرنا،جبکہ اصطلاحی معنی میں توکل اللہ پر بھروسا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔توکل ایک قرآنی اصطلاح ہے لوگوں نے توکل کے معنی میں اشتباہ پیدا کر دیا ہے جس کا شاخسانہ خانقاہی نظام سے وابستہ ہے جن کے مطابق جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا اس لیے انسان کو ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر اللہ پر توکل کرنا چاہیے، تاہم توکل کے یہ معنی سراسر توہم اور مذہبی اپاہجوں کا خوش کن فلسفہ ہے جس کا اسلام سے ذرہ بھر بھی کوئی تعلق نہیں۔توکل یہ ہے کہ انسان جب بھی کوئی کام کرے تو عزم وہمت کے ساتھ کرے اور اپنی شدید محنت کے عمدہ نتیجے کے لیے اللہ پر بھروسہ کرے کہ اگر اُس کی بہتری اسی کام میں ہوئی تو اللہ اسے ضرور کامیاب کرے گا اور اگر وہ ناکام ہوا تو وہ صبر کرے گا اور دل میں اس خیال کو جگہ دے گا کہ اِس کام میں اُس کی بہتری نہ تھی اس لیے اللہ نے اُس کو مطلوبہ نتیجے فراہم نہیں کیے،تب وہ صبر کرتا ہے اور اِس صبر کے نتیجے میں اللہ اُس کے لیے مزید راہیں کھول دیتا ہے یہی توکل ہے۔چنانچہ جھوٹے صوفیوں نے توکل کا جو معنی بیان کیا ہے مسلمانوں کو اُس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔اس لیے کہ اگر تدبیر اور جدو جہد وکوشش کا ترک کرنا ہی توکل ہوتا تو دنیا کے لوگوں کو راہ راست دکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو مبعوث نہ

کرتا، اور نہ ہی اپنے پیغمبروں کو لوگوں تک پیام الٰہی پہنچانے کے لیے جدوجہد اور سرگرمی کی تلقین نہ کرتا اور نہ اس راہ میں جان و مال کی قربانی کا تقاضا کیا جاتا۔ نہ بدر و اُحد پیش آتے، نہ خندق و حنین کے معرکوں میں تیغ آزماؤں کی ضرورت پڑتی اور نہ رسول اللہ ﷺ کو ایک ایک قبیلہ کے پاس جا کر دعوت حق سنانے کی ضرورت پیش آتی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ توکل سے پہلے تدبیر ہے، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بدوی اترا اور نبی اکرم ﷺ کے پاس چلا آیا، نبی اکرم ﷺ نے اُس سے پوچھا کیا تم نے اپنے اونٹ کا پاؤں باندھا ہے، انھوں نے کہا میں نے اپنے رب پر توکل کیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پہلے جا کر اونٹ کا پاؤں باندھ اس کے بعد توکل کر''۔

توکل مسلمانوں کی کامیابی کا اہم راز ہے، حکم ہوتا ہے کہ جب تم کو لڑائی پیش آئے یا تم کسی اور مشکل میں گھر جاؤ تو سب سے پہلے باہم مشاورت کرو، جب تم ایک رائے پر متفق ہو جاؤ تو پورے عزم اور مستعدی کے ساتھ مشغول ہو جاؤ اور اللہ پر توکل کرو، اللہ پر یہ بھروسہ یقیناً تم کو کامیاب کرے گا۔ تاہم کامیابی کے بعد تم تکبر کا شکار مت ہو جانا بلکہ یوں کہنا کہ اس کامیابی میں اللہ کا فضل شامل تھا۔ توکل بے عملی کی نہیں بلکہ عمل کی دعوت ہے، انسان جب کوئی کام کرتا ہے تو اگر وہ مومن ہے تو اُس میں اللہ کی رضا کا خواہش مند ہوتا ہے یہی توکل ہے۔ توکل مسلمان کو صبر و حوصلہ عطا کرتا ہے، توکل امید کے چراغ کو ہمیشہ جلائے رکھتا ہے، توکل مسلمان کا زیور اور دین کا حسن ہے توکل اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اللہ کی رضا ہی ہر حال میں مقصودِ اصل ہے اللہ ہم کو توکل اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

❄ ❄ ❄

صبر

اسی طرح صبر ہے، صبر وہ طاقت ہے جس کے آگے پہاڑ بھی سرنگوں ہو جاتے ہیں، صبر انسان کی سب سے اعلیٰ خصلت ہے، صبر کے لغوی معنی ہیں روکنا، سہارنا، یعنی اپنے نفس کو سہارا دینا اپنی جگہ ثابت قدمی سے ڈٹے رہنا، صبر دل کی مضبوطی اور اخلاقی جرأت کا دوسرا نام ہے، صبر کی حقیقت میں لوگوں کو اشتباہ لگا ہے اور اُن کے نزدیک ظالم کے ظلم پر چپ ہو رہنا صبر ہے حالانکہ صبر تو سراسر اس کے برعکس ہے یعنی ظالم کے ہاتھ کو پکڑ لینا دراصل صبر ہے۔ صبر کا شمار اعلیٰ انسانی خصائص میں کیا جاتا ہے، صبر دل کی اُس حالت کا نام ہے جب انسان اللہ کی رضا پر سکوت اختیار کرے چاہے وہ مشکل وقت ہو، چاہے آسان وقت ہو۔ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کی تکلیف کے باوجود انسان اپنے مقصد پر جما رہے، اپنی جدوجہد کو جاری رکھے اور اللہ کی نصرت کا امیدوار رہے۔ دیکھیں کہ آنحضرت محمد ﷺ نے جب شہر مکہ میں حق کی آواز لگائی تو عرب کا ذرہ ذرہ آپ ﷺ کی دشمنی پر اترا آیا یوں لگتا کہ شجر و حجر آپ ﷺ سے عداوت پر آمادہ ہیں، ہر طرف سے طعن و تشنیع کی بارش ہونے لگی، چہار طرف سے مخالفتیں اور رکاوٹیں سر اٹھانے لگیں۔ چنانچہ بشریت کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ حالات کی سختی سے گھبرا جاتے مگر اللہ کا کلام آپ ﷺ پر بدستور اتر رہا تھا جس میں آپ ﷺ کو صبر کی تلقین فرمائی جا رہی تھی۔ چند

آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا۔ (سورہ طور۔۴۸)

اے پیغمبر! اپنے رب کا حکم آنے تک صبر کرو۔

فَاصْبِرُوا حَتَّى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۔ (سورہ اعراف۔۸۷)

خدا کا فیصلہ آنے تک صبر کرو۔

وَاصْبِرْ حَتَّى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ۔ (سورہ یونس۔۱۰۹)

اللہ کا فیصلہ آنے تک صبر کرو وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ۔ (سورہ ھود۔۴۹)

صبر کرو آخری کامیابی پرہیزگاروں ہی کی ہے۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۔ (سورہ روم۔۶۰)

صبر کرو، اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے۔

اِن تمام آیات میں ایک اشتراق یہ ہے کہ مشکل حالات میں ثابت قدمی انسان کو منزل تک لے جاتی ہے، ضرورت صرف صبر اور بھروسے کی ہے۔ صبر کی منزل قدرے دشوار گزار ہے۔ حقیقی صبر صرف انبیاء و رسل کی میراث ہے۔ بہت سے علماء نے صبر کا شمار اعلیٰ عبادت میں کیا ہے۔ صبر دل کی اُس کیفیت کا نام ہے جب وہ بڑے بڑے سانحے برداشت کر جاتا ہے مگر ماتھے پر بل تک نہیں ڈالتا اور مصیبت کے ہر پہاڑ کو اللہ کی رضا جان کر برداشت کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مشکلات میں صبر کریں اور اپنی نماز بڑھا دیں۔ صبر سے منزل حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ کی رضا بھی اور اللہ کی رضا ہی مقصودِ اصل ہے۔

❄❄❄

ذکر

اسی طرح ذکر ہے، جس کو علماء نے عبادت میں شمار کیا ہے۔یعنی اللہ کو بہت زیادہ یاد کیا جائے بندہ مومن کے دل میں جب اپنے پرودگار کا خیال پوری طرح بس جاتا ہے تو وہ مقررہ اوقات میں کی گئی عبادات کو ناکافی خیال کرتا ہے اور اپنے رب کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی زبان کو ذکر الٰہی کا عادی بنالیتا ہے۔اللہ کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھتا ہے تو کہتا ہے ’’سبحان اللہ‘‘۔کسی کام کی ابتدا کرتا ہے تو کہتا ہے ’’بسم اللہ‘‘۔اللہ کی کوئی نعمت پاتا ہے تو کہتا ہے ’’الحمد وللہ‘‘۔کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے، ان شاء اللہ، جب کام پورا ہوجائے تو کہتا ہے، ما شاء اللہ۔پھر ذکر کی ایک صورت فکر و تدبر بھی ہے، اللہ نے انسان کو عقل سے نوازا ہے جو مشاہدے کی عادی ہے، متاثر ہوجانے اور حیران ہوجانے کا داعیہ بھی انسانی فطرت میں شامل ہے، جب کوئی انسان اللہ سے اپنے تعلق کو بڑھالیتا ہے تب وہ اللہ کی کائنات پر غور وفکر کرتا ہے وہ کائنات کے انتظام وانصرام پر اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے۔زمین وآسمان کی مقصدیت اور حکمت پر غور کرتا ہے تو کائنات اپنے اسرار اُس کے سامنے کھولنا شروع کرتی ہے اور اپنے پرودگار کی صناعی پر ششدر رہ جاتا ہے اور ایمان کے درجوں میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے

۔چنانچہ ایک عامی کا ذکر وردو وظائف ہیں اور ایک عالم کا ذکر فکر و تدبر ہیں دونوں ہی سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور اللہ کی رضا ہی مقصودِ اصل ہے۔

❄❄❄

ترغیبات قرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انسان کے عمل کو خیر کی راہ پر ڈالنے کی ترغیب دی ہے اس لیے کہ انسان کا ہر عمل اُس کی سرگزشتِ حیات کے طور پر رقم کیا جا رہا ہے۔قیامت کے روز جب اُس کا دفترِ عمل کھلے گا تو وہ حیران رہ جائے گا اللہ تعالیٰ نے اُس کے اعمال کی حفاظت کا کس قدر کڑا اہتمام کیا تھا۔ قرآن حکیم میں اس طرح کی سینکڑوں آیات پائی جاتی ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ سب جانتا ہے۔اللہ وہ بھی جانتا ہے جس کو تم چھپاتے ہو اور اللہ وہ بھی جانتا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو۔گذشتہ باب میں پیامِ قرآن کے حوالے سے اُن آیات واحکامات کو بیان کیا گیا جن میں انسان اور اُس کے رب کے درمیان تعلق کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔یہاں ہم ایک انسان کا دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق کو زیرِ بحث لائیں گے اصطلاح میں اِن کو حقوق العباد کہا جاتا ہے۔قرآن حکیم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ جہاں انسان اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرے وہیں انسان کو یہ حکم بھی اُسی درجے میں دیا جا رہا ہے کہ وہ انسانوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔انسانوں کے حقوق ادا کرے،معاملات میں راست گوئی اور پاکیزگی اختیار کرے یتیم

،مسکین،ضرورت مند،ہمسایے،مسافر،پردیسی اورغریب ونادارلوگوں کےحقوق بھی ادا کرے۔گویا بندوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ بھی خدائی توحیداوراس کی عبادت کے مطالبہ کی طرح قرآن کےاولین اوراہم مطالبات میں شامل ہے۔

چنانچہ سورہ النساء میں ارشادہوا کہ!

وَاعْبُدُواْ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ۔

القرآن الحکیم(سورۃ النساء 36/4

ترجمہ؛

”اورتم سب اللہ کی بندگی کرو،اُس کے ساتھ کسی کوشریک نہ بناؤ،ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو،قرابت داروں اوریتیموں اورمسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ،اور پڑوسی رشتہ دار سے،اجنبی ہمسایہ سے،پہلو کے ساتھی سے،اورمسافروں سے اور اُن لونڈی غلاموں سے جوتمھارے قبضہ قدرت میں دیئے گئے ہیں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو“۔

سورہ نساء کی اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنا حق بیان کیا کہ اُس کی بندگی اس طرح کرو کہ کسی کواُس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ ساتھ ہی بندوں کے حقوق بیان کر دیئے کہ اِن اِن لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرواس لیے کہ اِن لوگوں کا تم پرحق ہےاوراللہ حقداروں کے حق ادا کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔قرآن حکیم نے خاص طور پہ والدین اورقرابت داروں

کے حقوق ادا کرنے پر سختی سے زور دیا ہے۔

چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً (23) وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً (24) رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلأَوَّابِينَ غَفُوراً (25) وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيراً (26) إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُوراً (27) وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاء رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلاً مَّيْسُوراً (28) وَلاَ تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلاَ تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوماً مَّحْسُوراً (29) إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيراً بَصِيراً (30)

القرآن الحکیم (سورۃ بنی اسرائیل 22.30/17)

ترجمہ؛

”تیرے رب کا فیصلہ تو یہ ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمھارے پاس اِن میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو انھیں ”اُف“ تک نہ کہو نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ اِن کے ساتھ احترام سے پیش آؤ نرمی اور رحم کے ساتھ اُن کے سامنے جھکے رہو، اور دُعا کیا کرو کہ اے اللہ اِن پر رحم فرما جس طرح انھوں نے رحمت اور شفقت کے ساتھ مجھے پالا تھا،

تمھارا رب خوب جانتا ہے کہ تمھارے دلوں میں کیا ہے۔اگر تم صالح بن کے رہو تو وہ ایسے سب لوگوں سے درگزر کرنے والا ہے جو اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوں اور اپنے رب کی بندگی کی طرف لوٹ آئیں۔رشتہ دار کو اُس کا حق دو مسکین اور مسافر کو اُس کا حق دو اور فضول خرچی سے بچو کہ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔اگر تم اِن حاجت مندوں سے فی الحال اغماض برتنا چاہتے ہو تا کہ تم اپنے اللہ کے اُس فضل کو تلاش کر سکو جس کے تم متمنی ہو تو انھیں نرمی سے جواب دو، نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لو اور نہ ہی اسے بالکل کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کے رہ جاؤ، تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کے حال سے پوری طرح باخبر ہے اور انھیں دیکھ رہا ہے''۔

آگے سورہ روم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

فَـآتِ ذَا الْـقُـرْبَـى حَـقَّـهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (38)

القرآن الحکیم (سورۃ روم 38/30)

ترجمہ:

''پس ادا کرو قرابت داروں کا حق، مسکینوں اور حاجت مندوں کا حق، پردیسیوں اور مسافروں کا حق، یہی درست طرزِ عمل ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا کے متلاشی ہیں، یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں''۔

⌘⌘⌘

حسن معاشرت

انسان بے شمار سماجی بندھنوں میں بندھا ہوا ہے۔وہ انسانوں کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا۔ بے شمار تعلق داریاں اور انگنت قرابتداریاں ہیں جنھوں نے مل کر اُس کی سماجی زندگی کو جنم دیا ہے۔لوگوں کے ایک کثیر گروہ کو یہ اشتباہ لگا ہے کہ انسانوں کے بیچ معاملات اور تعلقات دین سے الگ ہیں۔حالانکہ دین آیا ہی اس لیے ہے کہ وہ انسان کو وہ راہ بتائے جو راستی کی طرف جانے والی ہے جو اُسے اللہ کے ساتھ تعلق بنانے اور اِس تعلق کو نبھانے کی تعلیم دیتا ہے،ساتھ ہی وہ اُس کو انسانوں کے ساتھ تعلق بنانے اور تعلق نبھانے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔گویا دین کی نظر میں حقوق العباد اور حقوق اللہ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا بلکہ اِس کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ایک ساتھ ہی اِن کے اجر وثواب کی امید کو ظاہر کیا گیا ہے۔اللہ اُس شخص کی عبادت بھی قبول نہیں کرتا جو لوگوں کے درمیان جھوٹا اور خائن مشہور ہو۔بے ایمان اور بے عدل کے طور پہ جانا جائے۔لوگوں کے حق پر ڈاکا ڈالنے والا ہو۔اُس شخص کی نمازیں کیا نمازیں ہیں جو نماز پڑھ کے دوکان پر آئے اور آتے ہی کم تولنا شروع کر دے۔اُس شخص کی کیا عبادت ہے جو اپنی بیوی اور بچوں کا حق ہی ادا نہیں کرتا۔چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ دین دو حصوں میں منقسم ہے اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق۔اِن میں سے کسی ایک میں تساہل کا مطلب ہے وہ انسان آدھے

دین سے محروم ہے تو جس شخص نے آدھا دین چھوڑ دیا اُس کے لیے آخر کون سی خیر ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ انسان صرف تعلق داروں سے حسن سلوک کا مکلّف کیا گیا ہے بلکہ اُسے غیروں اور اجنبی لوگوں سے بھی حسن سلوک کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ کافر پڑوسی سے بھی احسان کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے الگ الگ حقوق بیان کر دیئے ہیں، بیوی کے حقوق الگ ہیں ماں کے حقوق الگ ہیں۔ کئی گھروں میں دیکھا گیا کہ مرد کی دانش گھاس چرنے چلی جاتی ہے یا تو وہ ماں کا اس قدر لاڈلا ہو جاتا ہے کہ بیوی کو فراموش کر بیٹھتا ہے یا پھر بیوی سے ایسا چمٹتا ہے کہ ماں باپ کا ہوش ہی نہیں رہتا۔ یہی وہ عدم توازن ہے جس کے نتیجے میں اچھا بھلا گھر جس کو جنت ہونا چاہیے تھا جہنم بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات احسن ہیں اور اُن پر عمل کرنے سے ہی انسان معاشرے میں ایک اچھے آدمی کے طور پر جانا جاتا ہے۔ جس کسی شخص کے حق میں لوگ بیان کریں کہ وہ اچھا آدمی ہے تو یقیناً اُس شخص نے اچھے اخلاقی معیار کو اپنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ بہت ہی نرمی کا سلوک اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ بچوں کے ساتھ شفقت کا حکم دیا ہے، بڑوں کے ساتھ ادب و تہذیب سے پیش آنے کا حکم دیا ہے۔ اگرچہ لوگوں کی اکثریت اِن معروفات سے واقف ہے مگر حیرت تو یہ ہے کہ بہت ہی کم لوگ ہیں جو اِن اعمال حسنہ کو اپنائے ہوئے ہیں۔ لوگوں کی اکثریت تو ترش رو اور بداخلاق ہے بات ایسے کرتے ہیں جیسے کھا ہی جائیں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کے اخلاق اچھے ہیں تم میں سے وہی اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ کتاب مقدس میں انسانوں کو دوسرے انسانوں کے حقوق کی طرف متوجہ کیا ہے۔ قرآن حکیم نے ہر پہلو سے انسان کی رہنمائی فرمائی ہے۔ فرد اور معاشرے کے حقوق پر الگ الگ بحث کی ہے۔ حقوق و فرائض کے دائرے الگ الگ متعین کیے ہیں۔ لوگوں کو احسن اعمال اور عمدہ اخلاق کے بدلے کے طور پر اجرِ عظیم کے حصول کی طرف متوجہ کیا ہے۔ انسان ہر

وقت حرکت میں رہتا ہے بیشتر اوقات میں وہ بات چیت میں مشغول ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان سے فرمایا کہ عمل کی دنیا میں احتیاط کرو اور اس بات کی طرف متوجہ رہو کہ تمھارا کوئی عمل خالق کی رضا کے خلاف نہ جائے اسی طرح زبان کے بارے میں فرمایا کہ انسان کی زبان ہی اُس کو جنت میں لے جانے والی ہے اور یہی زبان اُس کو جہنم میں ڈالنے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ جھوٹ، غیبت اور دوسروں کی برائی کرنے کے بجائے اسی زبان سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے اللہ کا ذکر کرنے اور اللہ کی حمد و ثنا کے لیے استعمال کیا جائے تو جنت کا حصول انسان کے لیے بہت آسان ہو جائے اللہ پاک ہر معاملے میں ہماری رہنمائی فرمائے۔

❋❋❋

اہل وعیال

انسانی اعمال اگر عمدہ ہوں اور خالق کی منشا کے مطابق ہوں تو انھیں اخلاق حسنہ کہا جائے گا۔ والدین کے حقوق اور اُن کے ادب واحترام کے متعلق آیات ہم نے ابھی اوپر تحریر کی ہیں والدین کے بعد انسان سب سے زیادہ اپنی بیوی اور بچوں کے قریب ہوتا ہے۔قرآن حکیم نے انسان کو اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ عمدہ سلوک اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔اللہ پاک نے مرد سے فرمایا ہے کہ چونکہ تم گھر کے حاکم ہو اس لیے اپنے بیوی بچوں کو اللہ کی اطاعت کا حکم دو تا کہ وہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (6)

القرآن الحکیم (سورۃ التحریم 6/66)

ترجمہ:

”اے ایمان والو: خود کو اور اپنے بیوی بچوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، وہاں عذاب دینے والے فرشتے بہت پتھر دل ہیں اور بڑے طاقتور

ہیں، وہ صرف اللہ کا حکم سنتے ہیں اور جس کام (عذاب دینے) کے لیے وہ مامور کیے گئے ہیں وہ اسے پورا کر کے رہتے ہیں''۔

اِن آیات کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل پر نگاہ کریں تو ہم دین وہدایت سے قدرے دور اور خالق کے خوف سے عاری زندگی بسر کر رہے ہیں۔اس احساس کے باوجود کہ ہم مسلمان ہیں ہماری دین سے واجبی دلچسپی اس بات کا اظہار ہے کہ ہم کو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زیادہ فکر ہے۔یہ فکر ایک روز ختم ہو جائے گی اور ہم خالی ہاتھ خالق کے سامنے جا پیش ہوں گے اور یہ ایک نہایت ہی خوفناک امر ہے۔اس دورنگی کو چھوڑ دیں اور دین میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں جو قرآن کا اصل حکم ہے۔ہم خود روزِ محشر کے خوف سے عاری زندگی بسر کر رہے تو اپنے بچوں سے اِس بات کی توقع کس طرح کر سکتے ہیں کہ وہ تقویٰ اختیار کریں، اللہ سے ڈریں اور اُس کی رضا کو تلاش کریں۔دین سے واجبی سی وابستگی کے سبب ہم دین کے اصل احکامات اور مزاج سے بھی واقف نہیں۔اللہ کو یہ بات خوب معلوم ہے کہ ہم میں سے بہت ہیں جو اپنی بیویوں سے بُرا سلوک کرتے ہیں، انھیں اُن کے اصل مقام سے بہت پست خیال کرتے ہیں اور اُن کے حقوق ادا کرنے سے گریزاں ہیں۔چنانچہ قرآن حکیم میں خاص بیویوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں۔

مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (سورہ بقرہ۔228)

''عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں دستور کے مطابق''۔

آگے فرمایا کہ!

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔۔(سورہ نساء-19)

اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی بسر کرو۔

دراصل تو یہ سارا معاملہ اُس سوچ اور مزاج کا ہے جو اسلام انسان میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔اگر انسان مسلمان ہونے کے باوجود ایک آزاد اور لااُبالی زندگی کا عادی ہے جس میں وہ خالق کی ہدایت کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تب اُسے بیوی بچوں کے حقوق نہیں بتائے جا سکتے ہیں بلکہ جو کچھ معاشرے میں مروّج ہے وہ عام طور پہ انھیں کی پیروی کرے گا۔تاہم اُس کی جاہلیت اور غصہ ونخوت بعض اوقات اُسے معاشرتی عرف سے بھی محروم کر دیتے ہیں اور وہ اپنی بیوی پر تشدد کرتا ہے،اُس پر ظلم کرتا ہے اُس سے بُرا سلوک کرتا ہے۔ایسے آدمی کو بیوی کے حقوق کیا یاد دلائے جائیں جو انسانی شرف کی بنیادی خصوصیات سے بھی عاری ہو۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وعید سنائی ہے کہ انھیں روزِ محشر خوب ذلیل کیا جائے گا اور جب تک وہ اِن لوگوں کے حقوق ادا نہ کر لیں گے جن سے انھوں نے دنیا میں زیادتی کی ہوگی تب تک اِن کا عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا۔محشر کے روز کمزور کا ہاتھ اور طاقتور کا گریبان ہوگا اور وہاں پورا پورا عدل کیا جائے گا۔چنانچہ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ بیوی بچوں والدین اور اقربا کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ اِن لوگوں کے حقوق احسن طریقے سے پورے کیے بغیر اپنے رب کو راضی کر لینا ممکن نہیں۔صاحب دانش لوگوں نے جو کہا اور سچ ہی کہا ہے کہ جس سے اللہ کی مخلوق نالاں ہو اللہ بھی اُس سے ناراض ہی رہتا ہے،جس سے اللہ کی مخلوق خوش ہو تو اللہ بھی اُس سے راضی ہو جاتا ہے۔جان لیں کہ بیوی بچوں اور والدین اور رشتے داروں کے حقوق کے بارے میں ہم لوگ تساہل کا شکار ہیں،اپنی ضد اور انا کا شکار ہیں،ہم معاف نہیں کرتے بلکہ دوسرے لوگوں کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں مصروف

رہتے ہیں۔ یہ سب اعمال انسان کو تباہ کرنے والے ہیں، اللہ ہمیں اِن سے محفوظ رکھے۔

❄❄❄

آدابِ معاشرت

قرآن حکیم میں انسان کی اخلاقی تربیت کا پورا اہتمام کیا گیا ہے اور اُسے گھر اور معاشرے میں رہنے کا سلیقہ عطا کیا گیا ہے۔ دراصل بدقسمتی سے ہمارے ہاں قرآن کو کتابِ ہدایت کی بجائے کتابِ برکت کے طور پہ زیادہ جانا جاتا ہے اس لیے لوگ اس امر سے آشنا ہی نہیں کہ قرآن حکیم نے انسان کی رہنمائی کا حق کس قدر گہرائی میں جا کر ادا کیا ہے۔ حتیٰ کہ فرمایا کہ جب کوئی کسی کے گھر جائے تو دوپہر کے وقت نہ جائے کہ یہ لوگوں کے آرام کا وقت ہے اور اُن کی بے وقت آمد سے میزبان کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے، اسی طرح فرمایا کہ یونہی منہ اٹھا کر دوسروں کے گھروں میں مت داخل ہو جایا کرو بلکہ اس سے پہلے گھر والوں کی اجازت طلب کیا کرو۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّھِیْرَۃِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّکُمْ ۔

القرآن الحکیم (سورۃ نور24 ؛ آیات57)

ترجمہ؛

''اے لوگو؛ جوایمان لائے ہولازم ہے کہ تمھارے مملوک اور تمھارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے تین اوقات میں اجازت لے کر تمھارے پاس آیا کریں صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جب کہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین وقت تمھارے پردے کے ہیں''۔

سورہ نور ہی میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ نور24 ؛ آیات27)

ترجمہ؛

''اے لوگو جوایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پہ سلام نہ بھیج لو یہی طریقہ تمھارے لیے بہتر ہے''۔

اسی طرح مسلمانوں کے معاشرے میں رہنے کے آداب بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے تو یہ فرمایا کہ یاد رکھو سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اس لیے اس طرح زندگی بسر کرو جس طرح بھائی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کرو اور اپنے بھائیوں کو بدی کے کاموں رُک جانے کا مشورہ دو۔لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اچھے اخلاق والوں کو ہی پسند کرتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (10)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجرات10/49)

ترجمہ؛

”سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں سو اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے“۔

پھر فرمایا کہ!

وَأَحْسِنُوَاْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (195)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 195/2)

ترجمہ؛

”(لوگوں کے ساتھ) اچھا سلوک کرو کہ اللہ اچھے سلوک والے کو پسند کرتا ہے“۔

آگے سورہ فتح میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً۔

القرآن الحکیم (سورۃ فتح 29/48)

ترجمہ؛

''مسلمان ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور رکوع وسجود میں مشغول رہتے ہیں''۔

سورہ حجرات میں مسلمانوں کے باہمی ارتباط اور اُن کی اخلاقی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ایسے احکامات سے نواز گیا کہ اگر مسلمانوں کے معاشرے میں اِن چند ہدایات کا چلن عام ہو جائے تو لوگوں کے درمیان موجود نفرت وقدورت کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔مگر افسوس ہے کہ ہم قرآن کی ہدایت کو نگاہ میں رکھے بغیر زندگی کے شب وروز گزار رہے ہیں اور اُن مصیبتوں اور دکھوں سے بھی دوچار ہیں جو اللہ کی ہدایات سے منہ موڑنے کا منطقی نتیجہ ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کو سمجھ کر پڑھنے اور اس کے بعد اُس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سورہ حجرات میں فرمایا کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاء مِّن نِّسَاء عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (11) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (12)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجرات 10.12/49)

ترجمہ؛

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ

اِن سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے وہ اِن سے بہتر ہوں، پس آپس میں ایک دوسرے سے طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد کرو، ایمان لانے کے بعد فاسقوں جیسے کام کرنا نہایت ناپسندیدہ ہے، جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں، اے لوگو، جو ایمان لائے ہو بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں، تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے، اللہ سے ڈرو کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحیم ہے"۔

❄❄❄

حسن معاملہ

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حسنِ معاملہ کی ترغیب دی ہے۔ دین دراصل جن بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اُن میں اول ایمان، دوم عقائد اور سوم اعمال ہیں۔ اعمال میں انسان کو توازن قائم کرنے اور اللہ کی حدود کے اندر رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حسن معاملہ یہ ہے کہ انسان ہر قدم اٹھانے سے پہلے غور کرے کہ اس بابت خالق کی منشا کیا ہے۔ اگر انسان قرآن کی مقرر کی گئی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے معاملات کو نپٹانے کی عادت کو اپنا لے تو انسانی معاشروں سے سارا فساد مٹ جائے۔ اصطلاح میں جن معاملات اور امور کو اخلاق حسنہ کہا گیا ہے وہی دراصل انسانی شرف کا باعث ہیں۔ انسان خامیوں اور خوبیوں کا مجموعہ ہے تاہم انسان کو عقل جیسی عظیم نعمت سے نوازا گیا ہے جس سے وہ اپنی زندگی کی راہوں کو متعین کرتا ہے۔ کلام الٰہی اور سنت رسول اُس کی عقلی رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر انسان اِن پر عامل ہو جائے تو اسے وہ تمام اخلاقی خصائص حاصل ہو جائیں گے جو کہ مطلوب ہیں اور اُس کے معاملات میں وہ حسن در آئے گا جس کے باعث وہ خاندان اور معاشرے میں صادق و امین کے طور پہ پہچانا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لیے قرآن حکیم میں بہت سی ہدایات اتاری ہیں جو اُس کے اعمال کی راہوں کو متعین کرنے والی ہیں۔ کچھ آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 187/2)

ترجمہ؛

''اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ''۔

سورہ النساء میں فرمایا گیا کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 29/4)

ترجمہ؛

''اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کے مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ، تاہم باہمی رضامندی سے کوئی معاملہ ہو تو کوئی حرج نہیں''۔

سورہ بقرہ میں حکم ہوا کہ!

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 275/2)

ترجمہ؛

''جو لوگ سود کھاتے ہیں اُن کا حال اُس شخص جیسا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا

کر دیا ہو“۔

سورہ المائدہ میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (90)

القرآن الحكيم (سورۃ المائدہ 90/5)

ترجمہ؛

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا، اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب شیطانی اور گندے کام ہیں اِن سے دور رہو، امید ہے تم کامیاب ہو جاؤ گے، شیطان تو یہ چاہتا ہے شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان بغض و عداوت ڈال دے اور تمھیں اللہ کی یاد سے روک دے“۔

یاد رہے کہ یہ محض چند آیات ہیں جن میں انسانوں کی رہنمائی اُن امور کی طرف کی گئی ہے جن کو قبول کر کے انسان حسن معاملہ میں امتیاز حاصل کر سکتا ہے کہ اللہ کی رضا اسی میں ہے۔ قرآن حکیم میں اِن آیات کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جن میں انسان کو عمل کی اُن راہوں کی طرف بلایا گیا ہے جن پر عامل ہو کر انسان اس دنیا میں بھی سرخرو ہو سکتا ہے اور آخرت میں اللہ کی رضا حاصل کر سکتا ہے اور جس نے روز محشر کامیابی حاصل کی اصل کامیابی اُسی کی ہے۔ ہم یہاں اُن تمام آیات کو تحریر نہیں کر سکتے جو انسان کی رہنمائی کے لیے اتاری گئی ہیں۔ مقصود صرف یہ ہے انسان کو اس بات کی طرف متوجہ کر دیا جائے کہ قرآن اُس کی کتاب ہے، وہ

قرآن کا مخاطب ہے، اُس کو قرآن کی طرف بڑھنا چاہیے۔تو اگر انسان ہدایت کی نیت سے قرآن کو اٹھالے گا تو منزل خود اُس کی طرف متوجہ ہو جائے گی۔

❋❋❋

صبرو تحمل

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات کی تمام مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔اور اُس کو اُن خصائص سے نوازا ہے جن کو اخلاق حسنہ کہا گیا۔اخلاق حسنہ میں صبر کو اہم مقام حاصل ہے۔اردو زبان میں اس لفظ کا مفہوم کچھ محدود سا ہو گیا ہے۔صبر سے ہم سمجھتے ہیں کہ کسی کے ظلم و زیادتی کو برداشت کر جانا اور اُس پر خاموش ہو جانا۔مگر قرآنی اصطلاح میں صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے ۔علماء نے اس ضمن میں لفظ صبر کی جو تشریح کی ہے اُس کے مطابق صبر یہ ہے کہ:

’’کسی عظیم اور مقدس مقصد کے لیے، یا اللہ کی رضا کے لیے، دنیا میں نیکی پھیلانے برائیوں کو مٹانے اور دوسروں کی خدمت کرنے میں انسان کو جن مشکلات، تکالیف اور صدموں کا سامنا کرنا پڑے، جن ناگواریوں اور مصائب کو برداشت کرنا پڑے، انھیں اللہ کی رضا جان کے برداشت کرنا اور ہر قسم کے موافق و ناموافق حالات میں عزم و استقلال کے ساتھ اپنے نصب العین پر جمے رہنے کو صبر کہا گیا ہے‘‘۔

چنانچہ صبر کی اس تشریح کے مطابق قرآن حکیم میں انسان کو جن ہدایات سے نوازا گیا اور جن جن امور پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی اِن کو جاننے کے لیے کچھ منتخب آیات کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

ارشا ہوتا ہے کہ!

إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3)

القرآن الحکیم (سورۃ والعصر 103/3)

ترجمہ؛

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے“۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 153/2)

ترجمہ؛

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“۔

سورہ الاعراف میں ارشاد ہوا کہ!

اسْتَعِيْنُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (128)

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 128/7)

ترجمہ؛

''اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے مگر آخری کامیابی انھی کی ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں''۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (200)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 200/3)

ترجمہ؛

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ اور حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو۔ اللہ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے''۔

آگے سورہ رعد میں ارشاد ہوا کہ!

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ (23) سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (24)

القرآن الحکیم (سورۃ رعد 23.24/13)

ترجمہ؛

''ملائکہ ہر طرف سے اُن کے استقبال کے لیے آئیں گے اور اُن سے کہیں گے تم پر سلامتی ہے۔ تم نے دنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا اُس کی بدولت آج تم اللہ کی اِن نعمتوں کے مستحق ہو۔ پس کیا خوب ہے یہ آخرت کا گھر''۔

❄❄❄

راست گوئی

سچ انسان کی اعلیٰ ترین خصلت ہے۔راست بازی شرفِ انسانیت ہے۔اسی کو صداقت کہا جاتا ہے۔ہم یہ سمجھتے ہیں کہ راست بازی سے مراد سچ بولنا ہے۔اگرچہ یہ بھی درست ہے تاہم قرآن حکیم نے صداقت کو جن معنوں میں استعمال کیا ہے وہ قدرے وسیع ہیں۔قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ صداقت اور سچائی کا مطلب صرف یہی نہیں کہ آدمی زبان سے سچ بولے ، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دل میں بھی سچائی ہو،اُس کے عمل میں بھی سچائی ہو،دل کی سچائی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا دل نفاق سے بالکل پاک ہو،اُس میں کوئی دغا وفریب نہ ہو،اُس کی نیت درست ہو۔اور عمل کی سچائی یہ ہے کہ انسان جس عقیدے پر یقین رکھتا ہو اُس کا عمل اُس کی گواہی دے۔جو اس کا قول ہو وہی اس کا فعل ہو،اس کے ظاہر و باطن میں پوری یکسانیت ہو۔اللہ کے جن بندوں کا یہ حال ہو قرآن کی اصطلاح میں وہ صادق ہیں۔اگر وہ اس صفت میں پختہ ہو جائیں تو قرآن نے اِن کو صدیق کہا ہے اور اُن کے لیے اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔قرآن حکیم سے صداقت اور راست بازی کے متعلق چند آیات تحریر کرنے سے قبل ہم اپنے قاری کو اس بات کی دعوت دینا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے گریبان میں جھانکے،اپنے طرزِ عمل پر غور کرے،اپنی زندگی پر ایک نگاہ کرے اور جاننے کی کوشش کرے کہ کیا وہ سچا ہے یا جھوٹا؟

سورہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاء وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقاً (69)

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 69/4)

ترجمہ؛

''اور جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں پس وہ جنت میں اللہ کے اُن خاص بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازش ہے، یعنی انبیاء، صدیقین ،شہدا اور صالحین، اور یہ لوگ بڑے ہی اچھے ساتھی ہیں''۔

سورہ حجرات میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (15)

القرآن الحکیم (سورۃ الحجرات 15/49)

ترجمہ؛

''حقیقت میں تو مومن وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر انھوں نے اس میں کوئی شک نہیں کیا، انھوں نے اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ دراصل یہی لوگ سچے ہیں''۔

سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوا مَعَ الصَّادِقِيْنَ (119)

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 119/9)

ترجمہ؛

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ''۔

سورہ مائدہ میں ارشاد ہوا کہ!

هَذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِىْ مِن تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ O

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 119/5)

ترجمہ؛

''یہ وہ دن ہے کہ نفع دے گا صادقین یعنی سچ بولنے والوں کو، اُن کی راست بازی کے عوض اُن کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اِن میں ہمیشہ رہیں گے، اُن کا اللہ اُن سے راضی ہے اور وہ اپنے اللہ سے راضی ہو گئے ہیں، اور یہ بڑی عظیم الشان کامیابی ہے''۔

سورہ احزاب میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ

وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب 34/33)

ترجمہ؛

”ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں، اللہ کی اطاعت کرنے والے مرد اور اللہ کی فرمانبردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں“۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا کہ!

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (16) الصَّابِرِيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْأَسْحَارِ (17)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 16.17/3)

ترجمہ؛

”یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب سے دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم تجھ پر ایمان لائے پس تو ہماری خطائیں معاف فرما دے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچالے، یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں، سچ بولنے والے ہیں، اطاعت گزار اور فیاض ہیں، اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں“۔

ایفائے عہد

قرآن حکیم نے انسان کو جن اخلاق حسنہ کی تعلیم دی ہے اُن میں ایفائے عہد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔فرمایا گیا کہ عہد کو پورا کیا کرو کیونکہ عہد کا حساب لیا جائے گا۔ایمان بھی ایک عہد ہے جو انسان اپنے رب سے کرتا ہے۔اس لیے اگر ایمان لانے کے بعد انسان کا عمل اُس کے یقین کے برابر نہیں ہوتا تو اُس کا عہد پختہ نہیں ہوا۔

چنانچہ سورہ احزاب میں ارشاد ہوا کہ!

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَى
نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيْلًا (23)

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب 23/33)

ترجمہ؛

’’ایمان والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اپنے رب سے کیا ہوا عہد پورا کیا ،اِن میں سے کوئی تو اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور کوئی آنے والے وقت کا منتظر ہے مگر

انھوں نے اپنے دل کو نہیں بدلا“۔

سورہ المائدہ میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُود۔

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 1/5)

ترجمہ؛

”اے ایمان والو! تمھارے جو عہد، معاہدے اور معاملے ہوں اُن کو پورا کیا کرو“۔

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا کہ!

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولًا (34)

القرآن الحکیم (سورۃ بنی اسرائیل 34/17)

ترجمہ؛

”عہد کو پورا کرو یقیناً (روزِ قیامت) عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا“۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا کہ!

وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا۔

القرآن الحکیم (سورۃ بقرہ 177/2)

ترجمہ؛

''وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکواۃ ادا کرتے ہیں اور اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں''۔

اللہ فرماتے ہیں میں خود بھی عہد کو پورا کرتا ہوں چنانچہ سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ۔

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 111/9)

ترجمہ؛

''اور اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے''۔

سورہ روم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَعْدَ اللَّهِ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (6)

القرآن الحکیم (سورۃ روم 6/30)

ترجمہ؛

''یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے اور اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

سورہ رعد میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (31)

القرآن الحکیم (سورۃ رعد 31/13)

ترجمہ؛

''یقیناً اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا''۔

سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الحج 47/22)

ترجمہ؛

''اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہ کرے گا''۔

امانت و دیانت

سب سے پہلے اس بات کو جان لیں کہ امانت و دیانت کا وہ مفہوم جسے بالعموم ہم جانتے ہیں وہ بہت محدود ہے۔قرآن حکیم میں امانت و دیانت کا لفظ جہاں استعمال ہوا ہے اُس کے معنوں میں بہت وسعت ہے جن کو سمجھے بغیر انسان نہ تو امین ہوسکتا ہے نہ دیانتدار۔اردو محاورہ میں تو ہم صرف اس قدر جانتے ہیں کہ امانت کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کے پاس کوئی چیز رکھوائی جائے تو مالک کے تقاضے پر اُس چیز کو احسن طور پر واپس لوٹا دیا جائے۔اسی طرح دیانت کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سچ بولنا، پورا تولنا اور عہد کو پورا کرنا دیانتداری کی نشانی ہے۔اگر چہ امانت و دیانت کے یہ معنی بھی غلط نہیں ہیں تاہم اِن میں وہ معنوی وسعت مفقود ہے جو مقصودِ حقیقی ہے۔قرآن حکیم میں اگر چہ لفظ امانت اِن معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے جن معنوں میں ہم اس لفظ کو اردو میں استعمال کرتے ہیں۔مگر قرآن حکیم میں کئی جگہ یہ لفظ دیگر معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ فرمایا کہ ایمان بھی امانت ہے۔عمل بھی امانت ہے، راست گوئی بھی امانت ہے، یعنی جب انسان اللہ کے احکام کو پوری طرح سمجھ کر اس پر عمل کرتا ہے تو وہ ایمان کا حق ادا کرتا ہے، عہد پورا کرنے کو بھی امانت کے مفہوم میں لیا گیا ہے۔حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مشورہ بھی امانت ہے اس لیے اپنے بھائی کو نیک مشورہ دو۔اسی طرح اگر چہ سچ بولنا

پورا تولنا بھی دیانت ہے مگر اللہ کے نزدیک دیانت یہ ہے کہ انسان پورے یقین کے ساتھ اللہ کے احکامات کا پابند ہو جائے یہی اُس کی دیانت ہے ذیل میں دی گئی سورہ مومنون کی آیات میں مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے جہاں یہ فرمایا کہ وہ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں امانتوں کو اُن کے حقداروں تک پہنچاتے ہیں وہیں ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر انسان اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والا نہ ہوگا تو اُس سے امانت و دیانت کی توقع فضول ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ!

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (8) وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ (9)

القرآن الحکیم (سورۃ المومنون 8.9/23)

ترجمہ:

''وہ جو امانتیں ادا کرنے والے ہیں، اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں یہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں''۔

سورہ النساء میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعاً بَصِيْراً (58)

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 58/4)

ترجمہ؛

''مسلمانو اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کردو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے''۔

قرآن مجید میں وصفِ امانت کو اس طرح بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے مقدس رسولوں اور اس کے مقرب ترین فرشتے حضرت جبرائیلؑ کی صفت بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ شعرا میں متعدد پیغمبروں کے تذکرے کے بعد فرمایا گیا کہ انھوں نے اپنی امتوں سے کہا کہ وہ اللہ کی طرف سے مامور ہیں اور امانتدار ہیں۔

ارشاد ہوا کہ!

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (178) فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ (179) وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ (180)

القرآن الحکیم (سورۃ شعرا 178.180/26)

ترجمہ؛

''میں تمھارے لیے اللہ کا امانتدار پیغمبر ہوں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں بلکہ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے''۔

اور حضرت جبرائیلؑ کے بارے میں ارشاد ہوا کہ!

وَإِنَّــهُ لَتَـنـزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (192) نَـزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِيْنُ (193)
عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُـنـذِرِيْنَ (194)

القرآن الحکیم(سورۃ شعرا 193.194/26)

ترجمہ؛

''یہ(قرآن)رب العالمین کا نازل کردہ ہے،اسے لے کرآپ کے دل پر ایک امانت دار روح(جبرائیلؑ) اتری ہے۔تاکہ آپ اُن لوگوں میں شامل ہو جائیں جو ڈر سنانے والے ہیں''۔

❋❋❋

عدل وانصاف

عدل بھی اخلاق حسنہ کا حصہ ہے۔عدل کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔حقیقت یہ ہے کہ جس معاشرے سے عدل اُٹھ جائے وہ معاشرہ انارکی اور بدامنی کا شکار ہو جاتا ہے۔عدل کسی بھی معاشرے کا حسن ہوتا ہے جس کے بغیر معاشرہ مردے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا عدل پہ ہی قائم ہے اور سب سے بڑا عادل خود اللہ رب العزت ہے جس نے انسانوں کی ہدایت کا اہتمام کر کے انسانوں پر احسان کیا ہے۔سابقہ صحیفوں سمیت قرآن حکیم میں لوگوں کو باہم عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے کہ اس کے بغیر انسان کی زندگی کبھی بھی صراط مستقیم پر استوار نہیں ہوسکتی۔عدل کیا ہے اس کو سمجھنا ازحد ضروری ہے۔ایک عدل وہ ہے جو انسان دوسرے لوگوں سے کرتا ہے ایک عدل وہ ہے جس کی وہ دوسرے انسانوں سے توقع کرتا ہے۔بعض اوقات جب انسان کے ساتھ عدل نہیں ہوتا تو وہ خود بھی عدل کی راہ سے منحرف ہو جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کو استقامت اختیار کرنے،عدل پر قائم رہنے اور اللہ کے فیصلے کا انتظار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔چنانچہ انفرادی عدل ہو یا اجتماعی عدل جب کوئی معاشرہ اس سے انحراف کی راہ اختیار کرتا ہے تو وہ خود کو اللہ کی رحمت سے دور کر لیتا ہے اس لیے عدل وانصاف کی راہ اختیار کرنا ہی دراصل انسانی شرف کا تقاضا ہے اگر چہ یہ راہ قدرے دشوار ہے اور بعض اوقات اس راہ پر چلنے کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے تاہم جو لوگ اللہ پر مستحکم

یقین رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ کے ہاں اُن کا اجر محفوظ ہو چکا ہے اور عدل وانصاف کی راہ میں اُن کو جو بھی مشکلات اور جو بھی دشواریاں پیش آئیں گی اللہ تعالیٰ اُس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الحدید 25/57)

ترجمہ؛

''ہم نے اپنے رسول بھیجے کھلے کھلے احکامات دے کر، اور اُن کے ساتھ اتاریں ہم نے ہدایت کے لیے کتابیں اور عدل وانصاف کا فرمان، تاکہ لوگ اپنے معاملات میں عدل وانصاف سے کام لیں''۔

سورہ النساء میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاء لِلّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيّاً أَوْ فَقَيراً فَاللّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلاَ تَتَّبِعُواْ الْهَوَى أَن تَعْدِلُواْ وَإِن تَلْوُواْ أَوْ تُعْرِضُواْ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيراً (135)

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 135/4)

ترجمہ؛

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علم بَردار اور خدا کے واسطے کے گواہ بنو اگر چہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد خود تمھاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑے۔ فریق معاملہ خواہ غریب ہو خواہ مالدار اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہنا اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو یاد رکھو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اُس کی خبر ہے''۔

سورہ مائدہ میں فرمایا گیا کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (8)

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 8/5)

ترجمہ؛

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ ۔ عدل کرو کہ یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو اس لیے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے''۔

سماحت وسخاوت

سخاوت انسانی خصائص میں بہت اہم مقام رکھتی ہے۔جن اخلاقی نیکیوں پر قرآن مجید نے خاص طور پر زور دیا ہے سخاوت اُن میں شامل ہے۔سخاوت وسماحت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو اس دنیا میں جو نعمت جو قوت عطا کی ہے وہ اِس کو خود تک محدود نہ کر لے بلکہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ اُس کی دولت ،نعمت، علم ، ہنر اور ہر خیر میں دوسرے لوگوں کا حصہ رکھا گیا ہے جو اسے ادا کرنا چاہیے۔خاص طور پہ علم کی دولت اور رزق میں دوسرے لوگوں کا حصہ رکھا گیا۔سخاوت کے مقابل بخل ہے جو نہایت ہی رذیل عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ بھی۔سخاوت وسماحت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور بندگانِ خدا کی خدمت اور اعانت کی تمام صورتیں دراصل اسی عنوان کے تحت ہیں ۔ضرورت مندوں پر خرچ کرنا حاجت مند کی ضرورت کو پورا کرنا۔بے کس اور بے بس کا ہاتھ تھامنا۔خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کے کام آنا، لوگوں کے دُکھ درد میں اُن کے ساتھ شامل ہونا،لوگوں کی عیادت کرنا لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آنا وغیرہ ۔یہ صورتیں سماحت وسخاوت ہی کی شاخیں ہیں اور قرآن مجید نے انھیں بنیادی نیکی قرار دے کر مختلف عنوانوں کے تحت اس جذبے کو پروان چڑھایا ہے ۔کچھ منتخب آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

يَـا أَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَـنُـواْ أَنفِقُواْ مِمَّا رَزَقْنَـاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ
فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (254)

القرآن الحکیم (سورۃ بقرۃ 254/2)

ترجمہ؛

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے اِس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس روز کوئی خرید و فروخت نہ ہوگی، نہ کوئی دوستی کام آئے گی نہ کوئی سفارش چلے گی۔ اور اصل ظالم تو وہی ہیں جو کفر کی روش اختیار کرتے ہیں''۔

سورہ بقرہ میں ہی اگلے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَلأنفُسِكُمْ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاء وَجْهِ اللّهِ
وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (272)
لِلْفُقَرَاء الَّذِيْنَ أُحصِرُواْ فِي سَبِيْلِ اللّهِ لَا يَسْتَطِيْعُونَ ضَرْباً فِي الأَرْضِ
يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاء مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيْمَاهُمْ لَا
يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافاً وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّهَ بِهِ عَلِيْمٌ (273)
الَّذِيْنَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرّاً وَعَلاَنِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ
عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (274)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 272.274/2)

ترجمہ؛

''جو مال تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ تمھارے اپنے ہی لیے بھلائی ہے۔ آخر تم

اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا کو حاصل کرسکو، جو مال بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے اللہ کے ہاں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تمھاری ذرا بھی حق تلفی نہ ہوگی۔خاص طور پر تمھاری مدد کے مستحق وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے کاموں میں ایسے الجھے کہ اپنی ذات کے لیے کچھ کمانے کو اُن کے پاس وقت ہی نہیں بچتا۔اُن کی خودداری دیکھ کرناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوش حال لوگ ہیں مگر تم اُن کے چہروں سے اُن کو پہچان لو یہ لپٹ لپٹ کر مانگنے والے لوگ نہیں ہیں۔ایسے لوگوں کی اعانت میں تم جو مال خرچ کروگے وہ اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گا۔جو لوگ اپنے مال شب وروز کھلے عام یا پوشیدہ طور پہ خرچ کرتے ہیں اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس محفوظ ہے اور اُن کے لیے کسی خوف ورنج کا کوئی مقام نہیں‘‘۔

❋❋❋

ایثار و قربانی

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو برابر قرار دیا ہے ہاں مگر کچھ لوگوں کو اُن کے تقویٰ کی بنا پر دوسرے لوگوں سے برتر قرار دیا ہے۔ابھی ہم نے سخاوت کے ضمن میں کچھ آیات پیش کیں۔سخاوت بہت بڑی نیکی ہے۔لیکن سخاوت تب ہے جب اللہ نے انسان کو نواز رکھا ہو۔ایثار اُس سے بلند درجہ ہے یعنی جس کو اللہ نے نواز رکھا ہے اُس نے دوسرے لوگوں پر خرچ کیا یہ سخاوت ہے، مگر کسی شخص کو اللہ نے آزمائش میں مبتلا کر رکھا ہے اور خود اُس شخص کے پاس اپنی ضرورت کا رزق بھی نہیں ہے ایسے میں جب وہ کسی دوسرے کی ضرورت دیکھتا ہے تو اپنی ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دیتا ہے یہ ایثار ہے۔خود بھوکا رہے دوسروں کو کھلائے،خود مشکل میں ہو دوسروں کے لیے آسانی پیدا کرے۔خود تکلیف اٹھائے تا کہ دوسرے آرام سے رہیں ۔الغرض ایثار حسن اخلاق کا بہت ہی اعلیٰ درجہ ہے اور اس درجے کو پانے کے لیے نفس کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے تب جا کر کہیں انسان ایثار کے مرتبے کو پا سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (9)

القرآن الحکیم (سورۃ حشر 9/59)

ترجمہ؛

’’وہ مقدم رکھتے ہیں دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر اگرچہ وہ خود تنگ دستی کا شکار ہوں، حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں‘‘۔

سورہ دہر فرمایا کہ!

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً (8)

القرآن الحکیم (سورۃ دھر 8/76)

ترجمہ؛

’’اور اللہ کے یہ بندے خود بھوک کے ہونے کے باوجود اپنا کھانا کسی مسکین، یتیم یا قیدی کو کھلا دیتے ہیں‘‘۔

استغناء وقناعت

انسانی شرف میں قناعت کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔قناعت واستغناء کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ انسان اللہ کی مرضی پر راضی ہو جائے۔سماحت وسخاوت کی طرح استغناء وقناعت بھی نفس انسانی کی ایک پاکیزہ صفت ہے۔قناعت پسند شخص اتنے پر ہی راضی ہو جاتا ہے جتنا اُس کے رب نے اُس کو عطا کیا ہے اور وہ اپنی جھونپڑی میں ہی خوش رہتا ہے اُسے دوسروں کے محلات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔جو کچھ اُس کے رب نے اُسے عطا کیا ہے وہ اتنے کو ہی اپنا حق جانتا ہے اور دوسروں کی دولت کو للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھتا۔وہ اِس پختہ یقین کا حامل ہوتا ہے کہ اللہ نے اُسے جس حال میں رکھا ہے اسی میں اللہ کی رضا ہے اور وہ اپنے اللہ کی منشا کو دل سے قبول کر لیتا ہے۔آج کی دنیا میں قناعت تقریباً مفقود ہو چکی ہے فقیر سے لے کر شاہ تک کی یہی خواہش ہے کہ وہ دوسروں کی جیب سے سارا مال نکال لے اور اپنی جیب میں ڈال لے اگر انسان قناعت واستغنا کو اپنا لے تو دنیا سے آدھے دُکھ ختم ہو جائیں اس لیے کہ ضرورت تو فقیر کی بھی پوری ہو جاتی ہے جب کہ خواہش بعض اوقات بادشاہوں کی بھی پوری نہیں ہوتی ۔اللہ ہمیں استغناء وقناعت سے نوازے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 32/4)

ترجمہ؛

''اور مت تمنا کرو، مت لالچ کرو اُن چیزوں کا جن میں اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے''۔

سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجاً مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ
الدُّنيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى (131) وَأْمُرْ أَهْلَكَ
بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقاً نَّحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى
(132)

القرآن الحکیم (سورۃ طٰہٰ 131.132/20)

ترجمہ؛

''اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیاوی زندگی کی اُس شان وشوکت کو جو ہم نے تم میں سے بعض لوگوں کو عطا کر رکھی ہے۔ وہ تو ہم نے انھیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے دی ہے۔ اور تیرے رب کا دیا ہوا رزق حلال ہی بہتر اور پائندہ تر ہے۔ اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔ ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتے بلکہ جو کچھ تمہیں ملتا ہے وہ ہم ہی عطا کرتے ہیں اور انجام کار بھلائی اہل تقویٰ ہی کے لیے ہے''۔

حلم ودرگزر

حلم ودرگزر کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی کی ایذا رسانی اور اشتعال انگیزی کو فراخ حوصلگی اور عالی ظرفی سے برداشت کر جائے اور انتقام لینے اور سزا دینے کی پوری قدرت رکھنے کے باوجود اس غلط کار اور جاہل شخص سے کوئی تعرض نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حلم و درگزر کو اہل تقویٰ کی صفات میں شمار کیا ہے۔ تاہم اس ضمن میں ایک بات ضرور سمجھ لینی چاہیے کہ قرآنی تعلیم کے مطابق حلم ودرگزر کا تعلق ذاتی ونجی معاملات وحقوق سے ہے۔ اگرچہ انسان کو اس بات کی آزادی عطا کی گئی ہے کہ اُس کے ساتھ جتنی زیادتی ہوئی ہے وہ اس کا بدلہ لے سکتا ہے مگر اعلیٰ اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کسی جاہل شخص کے منہ لگنے سے باز رہے اور حلم و درگزر کو اختیار کرے۔ تاہم اگر کوئی شخص یا لوگوں کا کوئی گروہ دنیا میں فساد پھیلانا شروع کر دے اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو اعلانیہ توڑنا شروع کر دے تو قرآن ایسے شخص یا اشخاص سے حلم ودرگزر کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اِن کے خلاف طاقت کے استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ برائی کے خلاف جہاد کرو حتیٰ کہ حق باطل پر غلبہ پا لے۔ حلم ودرگزر کے معاملے میں کچھ قرآنی آیات کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ (55) إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (56)

القرآن الحکیم (سورۃ قصص 55.56/28)

ترجمہ؛

''اور جب وہ جاہلوں کی بیہودہ گوئی کو سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں۔تم کو سلام ہو ہم جاہلوں کا طریقہ اختیار کرنے کو تیار نہیں ۔اے نبی (ﷺ) تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ اُن کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں''۔

آ گے سورہ فرقان میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً (63) وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَقِيَاماً (64) وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ فرقان 63.64/25)

ترجمہ؛

''اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں، اگر جاہل اُن کے منہ آ جائیں تو کہتے ہیں تم کو سلام ہو، وہ اپنے رب کے حضور سجدوں اور قیام میں راتیں گزارتے

ہیں اور اپنے رب سے دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دوزخ کی آگ سے بچالے"۔

❄❄❄

جرأت وشجاعت

شجاعت دل کی ایک کیفیت کا نام ہے جس کے تحت وہ جانتا ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ ہر وقت موت سے خوفزدہ نہیں رہتا۔ شجاعت انسان کے اعلیٰ خصائص میں شامل ہے۔ شجاع آدمی کو اللہ بھی پسند کرتا ہے اور اللہ کے بندے بھی اُس کی عزت کرتے ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ وقت کے سب سے بڑے شجاع تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار جب مدینہ کی فضا میں دشمن کے حملے کا خوف چھایا ہوا تھا۔ تب بہت زور سے کوئی آواز آئی صحابہ نے کہا ہم نے سمجھا کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے خیر ہم نکلے تو ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک گھوڑے پر سوار ہیں اور واپس آ رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا آرام کرو کچھ بھی نہیں میں دور تک دیکھ آیا ہوں۔ ہم نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کہاں گئے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے ایک آواز سنی تھی سوچا دیکھ لوں شاید دشمن نے کوئی شرارت نہ کی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ شجاعت مسلمان کا زیور ہے اور بزدل انسان کو مرد کہنا بھی دشوار ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ بھی نہایت جری اور شجاع تھے اور انھوں نے عربوں کے خلاف جنگوں میں خوب دادِ شجاعت دی۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنيَانٌ مَّرْصُوصٌ (4)

القرآن الحکیم(سورۃ صف 4/61)

ترجمہ؛

''اللہ کو تو وہ لوگ پسند ہیں جو اُس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں''۔

سورہ الانفال میں حکم ہوتا ہے کہ!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلَحُونَ (45) وَأَطِيعُوا اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (46)

القرآن الحکیم(سورۃ الانفال 45.46/6)

ترجمہ؛

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب کسی گروہ سے تمھارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو، امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ تمھارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمھارے قدم اکھڑ جائیں گے، صبر کرو اللہ یقیناً صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

حیا وِ عفت

شرم و حیا اور عفت و پاک دامنی بھی اخلاق حسنہ میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ انسان کی نظروں میں حیا نہ ہو تو وہ ایک جانور ہے اس لیے کہ حیا اللہ کی طرف سے عطا کردہ وہ اثاثہ ہے جس سے انسان مطہر و پاک رہتا ہے۔ گناہ کا اولین محرک نگاہ ہے اگر انسان اپنی نگاہوں کو جھکا کر رکھے تو اُس کے وقار میں اضافہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں پسندیدہ قرار پائے گا۔ ہمارے ہاں یہ غلط تصور عام ہو چکا ہے کہ شرم و حیا صرف عورت کے لیے ہے۔ تو کیا مرد بے حیا ہونا چاہیے؟ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عورت کی عزت ہے اُسی طرح مرد کی بھی عزت ہے۔ جس طرح عورت کا وقار ہے اسی طرح مرد کا بھی وقار ہے۔ جس طرح حیا عورت کا زیور ہے اسی طرح حیا مرد کا بھی اثاثہ ہے۔ قرآن حکیم میں مرد اور عورت دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ مغرب کے مقابلے میں ابھی ہمارے معاشروں میں شرم و حیا کا چلن موجود ہے جس کی وجہ دین سے رغبت اور ایسے رسم و رواج ہیں جن کی بنیاد الہٰامیات پر رکھی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں شرم و حیا سے آراستہ رکھے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کی نظروں میں حیا نہیں اب وہ جو چاہے کرے ہمیں اُس کی کوئی پرواہ نہیں“ اسی طرح قرآن حکیم میں بھی

متعدد مرتبہ انسانوں کو اس امر جلیل کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (30) وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ نور 30.31/24)

ترجمہ؛

”اے نبی (ﷺ) مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ اُن کے لیے پاکیزہ طریقہ ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ اور اے نبی (ﷺ) اپنی عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں“۔

سورہ احزاب میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللَّهَ كَثِيْراً وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيْماً (35)

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب 35/33)

ترجمہ؛

”اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے

والے مرد، کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد، اللہ تعالیٰ نے اِن سب کے لیے مغفرت کا فیصلہ کر رکھا ہے اور تیار کر رکھا ہے اِن کے لیے اجرِ عظیم"۔

سورہ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُواْ بِاللّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَاناً وَأَن تَقُولُواْ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ (33)

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 33/7)

ترجمہ؛

"اے نبی (ﷺ) اِن سے کہہ دیں کہ میرے رب نے یہ چیزیں حرام کی ہیں بے حیائی کے کام خواہ کھلے ہوں خواہ چھپے، اسی طرح اللہ نے حرام کیا ہے گناہ اور ناحق زیادتی کو، اور اس بات کو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق وہ بات کہو جس کا تمہیں علم نہیں"۔

اور سورہ النحل میں حکم دیا گیا کہ!

وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (90)

القرآن الحکیم (سورۃ النحل 90/16)

ترجمہ؛

''اللہ تمہیں منع کرتا ہے ظلم وزیادتی سے اور بے حیائی کے کاموں سے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو''۔

❄❄❄

طہارت وپاکیزگی

طہارت وپاکیزگی انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہے۔طہارت انسان کواللہ کاپسندیدہ بندہ بناتی ہے۔اگرچہ یہاں جسم کی ظاہری طہارت مراد ہےیعنی انسان کاجسم صاف ستھرا ہواُس کے کپڑے صاف اوراجلے ہوں۔تاہم اللہ تعالیٰ نفس کی پاکیزگی کوبھی پسندفرماتا ہے نیت کی پاکیزگی کوبھی پسندفرماتا ہے،خیال کی پاکیزگی کوبھی پسندفرماتا ہے،نگاہ کی پاکیزگی کوبھی پسند فرماتا ہے،گفتارکی پاکیزگی کوبھی پسندفرماتا ہے،اطوارکی پاکیزگی کوبھی پسندفرماتا ہے۔مگر یہ سب اُسی وقت ممکن ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی منشا کوسمجھتا ہواوراللہ کےاحکام کی پیروی میں سرگرمی دکھانے والا ہو۔جسم کی طہارت کونبی اکرمﷺ نےنصف ایمان قراردیا ہے۔طہارت وپاکیزگی کی عادت انسان کواللہ کےقریب کرتی ہے۔اسلام نےغسل اوروضوکاحکم فرمایاہےتوا س سے یہی منشا ہے کہ انسان طہارت اور پاکیزگی کی طرف مائل ہو۔یعنی طہارت کا اسلام میں اس قدراعلیٰ مقام ہے کہ اگرانسان کاغسل ناقص ہوتو وہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا اللہ کی کتاب کونہیں چھوسکتا،اگروضونہ ہوتو نماز میں شامل نہیں ہوسکتا۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے پاکیزگی کولازم کیا ہےتو اس لیے کہ انسان اُن روحانی منازل کی مسافرت طے کرسکے جو اُس کے پیدا کرنے کا اصل اورحقیقی مقصد ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ زندگی اس طریق سے طے کرنے کاحکم دیا ہے،جس میں وہ پاک صاف ہوکراُس کےآگےسجدہ کرےاُس کی رضا

کو تلاش کرے، اخلاق و اعمال میں اُس اعلیٰ اسلوب کی پیروی کرے جس کی نشاندہی قرآن حکیم میں کی گئی ہے اور انعام میں اِس کی دنیا میں اللہ کی رحمت کا حق دار ٹھہرے اور آخرت میں بھی جنت کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو۔جسم کی پاکیزگی و طہارت سے انسان روح کے اُس احساس لطیف کو محسوس کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حقیقی اطمینان مضمر رکھا ہے۔حقیقی خوشی کو مغلوف کیا ہے۔اللہ کے متقی اور مطہر لوگوں کے دل سے دنیا کی ہوس و آز رخصت ہو جاتی ہے اور وہ طمانیت کے اُن جہانوں میں سانس لینے لگتے ہیں جس میں روحانی مدارج کی بلندی ہے ۔روحانیت ہی دراصل انسان کا حقیقی اثاثہ ہے مگر اس کی راہ ظاہری طہارت و پاکیزگی سے ہو کر گزرتی ہے۔ظاہری پاکیزگی کا ایک پہلو یہ بھی ہے انسان معاشرے اور سماج میں بھی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔اس لیے طہارت کی اہمیت کو سمجھنے اور اس کو عادت بنانے کی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں مطہر اور پاکیزہ اٹھائے۔اس ضمن میں قرآن حکیم میں اتاری گئی چند آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۔۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 222/2)

ترجمہ؛

”اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو گناہوں سے رُکے رہیں اور پاکیزگی اختیار کریں“۔

سورہ بقرہ میں ہی آگے ارشاد ہوتا ہے کہ!

إِنَّ اللّٰـهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ 222/2)

ترجمہ؛

''اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توبہ کرنے والے اور پاک صاف رہنے والے لوگوں سے''۔

سورہ مدثر میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (4) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (5)

القرآن الحکیم (سورۃ مد ثر 4.5/74)

ترجمہ؛

''اپنے کپڑے پاک صاف رکھو اور ہر قسم کی گندگی سے دور رہو''۔

سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

يَتَطَهَّرُوا وَاللّٰـهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (108)

القرآن الحکیم (سورۃ مد ثر 4.5/74)

ترجمہ؛

''اپنے کپڑے پاک صاف رکھو اور ہر قسم کی گندگی سے دور رہو''۔

مناظرِ قرآن

قرآن شاہکار منظروں کی کتاب ہے۔ جس کے ہر منظر سے منزلوں کے سنگِ میل عکس در عکس جھانکتے ہیں۔ قرآن کے بیشتر منظر تخیل و گماں سے دور مگر عقل کو قائل کرنے والے ہیں۔ عبرت و آگاہی سے لبریز اِن منظروں کے آئینے نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں اور نصیب والوں کے لرزاں اشک اِن منظروں میں یقین کے رنگ بھرتے ہیں۔ وجودِ خاکی سے مزین حضرت انسان کی اکثریت نے یقین و گماں کے اِن منظروں کا انکار کیا اور ہوس و آز کی اُس راہ کے مسافر ہوئے جس کے دوسرے سرے پر فلاح کی کوئی بھی منزل نہ تھی۔ قرآن کے منظروں کو جاننے کے لیے قرآن سے تعلق بنانا پڑے گا۔ اِن صفحات میں ہم نے قرآن سے پانچ منظروں کا انتخاب کیا ہے (زندگی، موت، محشر، جنت، دوزخ) کہ شاید اِن منظروں کی تشریح و تفصیل سے کسی بھولے بھٹکے کو منزل کی راہ ہاتھ لگ

جائے۔اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔

❄❄❄

زندگی

قرآن کے بے انت منظروں میں سے ایک منظر زندگی ہے، حیات ہے، جسے ہم پورے شعور کے ساتھ جانتے اور محسوس کرتے ہیں، اگرچہ نہیں جانتے کہ زندگی کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ اور زندگی کی راہوں سے گزرنے کا احسن طریق کیا ہے۔ اپنی نگاہوں کے سامنے پچھلی زندگی پر ایک نگاہ ڈالیں تو آپ جانیں گے کہ دنیا کی اکثریت نے زندگی کو لذت کوشی اور ہوائے نفس کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ مختلف قومیں، مختلف مذاہب اور مختلف خطوں کے رہنے والے لوگوں نے زندگی کی اپنے اپنے انداز میں تشریح کی ہے۔ اگرچہ ایک قلیل تعداد اُن لوگوں کی بھی ہے جنھوں نے زندگی کو خالق کی امانت جانا اور اُسے خالق کی منشا کے مطابق گزارنے کی کوشش کی مگر دنیا کی مہیب آبادیاں اپنے فکر و نظر میں اس نظریہ حیات کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ۔ دنیا کی مہیب اکثریت کا اس بات پر یقین ہے کہ اللہ ہے اور دنیا کی اکثریت اللہ رب العزت کے وجود پر یقین رکھتی ہے اور جانتی ہے کہ مذاہب عالم نے انسان کو اخلاقی دستور العمل فراہم کیا ہے جس پر عمل کرنے سے زندگی سہل ہو جاتی ہے۔ اس بات کو لوگ امر واقعہ کے طور پر تو جانتے ہیں مگر عملی طور پر وہ نہ صرف اللہ بلکہ اللہ کے احکامات، اللہ کے انبیاء و رسل، اللہ کی تعلیمات، اللہ کی کتابوں اور اللہ کی رضا سے انکاری ہیں بلکہ محض آوازِ نفس کے پجاری

ہیں۔ظاہری طور پر وہ چاہے خود کو کسی مذہب سے وابستہ قرار دیں یا نہ دیں۔تاریخ کے دریچوں میں جھانکیں تب بھی انسانوں کی اکثریت الہامی ہدایت سے منہ موڑے اور اللہ کے پیغمبروں کا انکار کرتے ہی نظر آتی ہے۔آج کی جدید اور متمدن دنیا میں جہاں بے شمار چھوٹے چھوٹے موضوعات پر سیمینار منعقد کیے جا رہے ہیں، گاہ گاہ عالمی کانفرنسوں کی رونق ہے، کہتے ہیں ہر طرف علم کی روشنی ہے، سائنس کے معرکے ہیں، عقل وخرد کی فرمانروائی ہے، ہر دِن، ہر آن نگاہوں کو ششدر کر دینے والے نظارے ہیں، دنیا سمٹ گئی ہے، معلومات کا سیل بے کراں ہے جس نے ہر طرف سے انسان کو گھیر رکھا ہے، مگر حیرت ہے کہ کوئی یہ سوچنے کو تیار نہیں یہ کہ زندگی جس کو انسان گزار رہا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟ انسان کی منزل کیا ہے؟ خالق کی منشا کیا ہے؟ اس بہت بڑی حقیقت پر کوئی سیمینار منعقد نہیں کیا جاتا، کوئی عالمی کانفرنس نہیں بلائی جاتی ،کوئی ٹیلی ویژن چینل اس امر سے آگاہی فراہم نہیں کرتا، کوئی سیاسی رہنما لوگوں کو اس طرف متوجہ نہیں کرتا، کوئی دن اس امر کی طرف موسوم نہیں کیا جاتا، کوئی مسیحا لوگوں کو زندگی کی حقیقت کی طرف نہیں بلاتا، سائنس کی عظیم الشان تجربہ گاہیں، وسیع وعریض اور دنیا پر علمی دھاک بٹھانے والے بڑے بڑے تعلیمی ادارے، عالمی مالیاتی ادارے، عالمی سماجیات کے ادارے، عالمی انسانی حقوق کے ادارے، عالمی طبعیات کے ادارے، عالمی امن کے لیے کوشاں ادارے، علم نفسیات کے ماہرین، علم فلسفہ کے ماہرین، مذاہب عالم کے پرچارک کوئی بھی تو نہیں جو انسان کو بتائے کہ اس زندگی کا مقصد کیا ہے؟

ہاں مگر قرآن نے انسان کو ضرور بتایا ہے کہ اُس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟

ارشاد ہوا کہ!

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (56)

القرآن الحکیم (سورۃ ذاریات 56/51)

ترجمہ؛

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ''۔

یہ ایک اعلان ہے جو قرآن نے کھلی زبان میں کیا ہے۔اس حکم کی روشنی میں آج کی دنیا پر نظر ڈالیں تو جان لیں گے کہ چین سے لے کر کوریا تک، چڑھتے سورج کی زمین جاپان سے لے کر ڈوبتے سورج کی سرزمین ناورے تک انسانوں کے مہیب سمندر اس حکم سے انکاری ہیں ۔اور اللہ تو یہ سب پہلے ہی جانتا تھا اس لیے اُس نے قرآن میں یہ اعلان بھی کر دیا کہ انسان خسارے میں ہے۔اس لیے کہ جب انسان نے اللہ کے احکام کا انکار کیا تو اس کے بعد نفع کا کیا ذکر، اسکے بعد تو صرف نقصان ہی نقصان ہے اور اللہ پہلے سے اس بات کو جانتا تھا اس لیے فرمادیا کہ!

وَالْعَصْرِ (1) إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ (2)

القرآن الحکیم (سورۃ والعصر 1.2/103)

ترجمہ؛

''قسم ہے زمانے کی انسان خسارے میں ہے''۔

اب اس بات میں تو کوئی شک نہ رہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کرے، مگر انسانوں کی اکثریت نے اس سے انکار کیا تو ظاہر ہے وہ خسارے کی راہ کو چلے۔اسی بات کو سورہ عصر میں بیان کیا گیا ہے جس کی آیات اوپر

تحریر کی گئیں۔قرآن میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ اللہ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ دنیا کی مہیب آبادیوں نے اُس کے احکامات سے انکار کردیا ہے،اللہ فرماتا ہے اِن کو چھوڑ دو یہ تو جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

أُولَـٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَـٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (179)

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 179/7)

ترجمہ؛

''یہ لوگ تو جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔یہی لوگ ہیں جو اصل میں گمراہ ہیں''۔

آگے سورہ فرقان میں فرمایا کہ!

إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا (44)

القرآن الحکیم (سورۃ الفرقان 44/25)

ترجمہ؛

''یہ تو جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں''۔

یہ بات کھل جانے کے بعد کہ زمین کے سینہ پر موجود جن لوگوں نے اس دنیا کو ہوائے نفس پر قربان کردیا،اس مہلت عمل میں اپنے اللہ کی رضا حاصل کرنے کی بجائے شراب جوئے اور

زنا میں مشغول ہو گئے، اللہ سے شرک کیا اور اُس کے رسولوں کا انکار کیا، اللہ کو اُن کی کوئی پرواہ نہیں اس لیے کہ اللہ کو جانوروں کی پرواہ کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد اب دنیا کا کوئی شخص اللہ کی رضا حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ آنحضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول نہ مانے، اُن پر ایمان نہ لائے اور اللہ نے اُن پر جو کتاب (قرآن) اتاری ہے اُس کے مطابق اپنی زندگی کو بسر نہ کرے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ سرِ زمین اب صحیفہ ہدایت صرف قرآن ہے قرآن ہی وہ واحد محفوظ الہامی کتاب ہے جس میں انسان کو کامیابی کا راز بتایا گیا ہے تو جس نے اس کتاب کا ہی انکار کر دیا اُس نے اپنی زندگی کو ضائع کر دیا۔ حالانکہ زندگی کا دستور العمل تو یہ تھا جس کو اللہ نے بیان کر دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (5)

القرآن الحکیم (سورۃ بنیہ 5/98)

ترجمہ؛

”اور ہم نے تو اُن کو صرف یہی حکم دیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں پورے خلوص کے ساتھ، اور صرف اُسی کے (تابعدار) بندے بن جائیں اور نماز پڑھیں اور زکواۃ دیں کہ یہی تو دین ہے“۔

توجس نے اللہ کے احکامات کا کھلا انکار کیا وہ عنقریب اپنے رب کے عذاب کو دیکھ لے گا۔ اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے اس لیے کہ وہ انسان کا خالق ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (16)

القرآن الحکیم(سورۃ ق 16/50)

ترجمہ؛

''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اُس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو جانتے ہیں، ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں''۔

سورہ توبہ میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّ اللّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ يُحْيِـي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللّهِ مِن وَلِيٍّ وَلاَ نَصِيرٍ (116)

القرآن الحکیم(سورۃ توبہ 116/9)

ترجمہ؛

''بے شک اللہ اور صرف اللہ ہی کی بادشاہت اور فرمانروائی ہے آسمانوں اور زمین میں ،وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت، اس کے سوا کوئی بھی تمھارا حمایتی اور مددگار نہیں''۔

سورہ المائدہ میں بیان کیا گیا کہ!

لِلّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (120)

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 120/5)

ترجمہ؛

’’زمین اور آسمان اور تمام موجوادت کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو پیدا کیا، انسان کو اپنا خلیفہ بنایا، اُسے راہ راست کی تعلیم دی نجات کی راہوں سے آگاہی بخشی، اخلاق حسنہ کی تعلیم دی، معروف ومنکر سے آگاہ کیا زندگی کے پل پل کو گزارنے کی ترتیب بتائی، کفر سے رُک جانے کا حکم دیا، کائنات پر غور فکر کرنے کی ترغیب دی تاکہ انسان اپنے خالق کو پہچان جائے اور اُس کے سامنے جھک جائے کہ جب وہ اُس کے سامنے جھک جائے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کو اپنی رحمت کے سائے میں لے لے گا۔ مگر انسان نے اللہ کے احکامات کو پس پشت ڈالا، زندگی کی مہلت کو یونہی عبث برباد کر دیا، کسی نے مادی برتری کے حصول میں ساری توانائیاں صرف کر دیں تو کسی نے لذت کوشی وعیش وعشرت کو اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی رونق اور لہولعب نے لوگوں کی اکثریت کو دھوکے میں مبتلا کیا اور وہ خالق کی تعلیمات کو بھول کر صدائے نفس کی پیروی میں مہمک ہو گئے اور خالی ہاتھ اللہ کے حضور جا پہنچے۔ حالانکہ یہ دنیا اور اس کی ساری رونقیں اللہ کے نزدیک پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتیں۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

فَمَن زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ وَما الۡحَيَاةُ الدُّنۡيَا إِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُورِ (185)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 185/3)

ترجمہ؛

''دراصل تو وہی کامیاب ہوا، جو دوزخ کی آگ سے بچ گیا اور جنت میں داخل کیا گیا ،اور یہ دنیا تو محض کھیل تماشا ہے''۔

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَمَا هَـٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ O

القرآن الحکیم (سورۃ العنکبوت 64/29)

ترجمہ؛

''اور یہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے حقیقت یہ ہے کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اگر اُن کو علم ہوتا تو وہ ایسا ہرگز نہ کرتے''۔

سورہ کہف میں ارشاد ہوا کہ!

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا Oوَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا O

القرآن الحکیم (سورۃ الکہف 7/18)

ترجمہ؛

''ہم نے زمین کی چیزوں کو انسان کے لیے باعث رونق بنایا تا کہ اس کی آزمائش کر

سکیں کہ اِن میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے اور زمین کی تمام چیزوں کو ایک روز ہم فنا کر دیں گے"۔

❄❄❄

موت

موت بھی ایک ایسا منظر ہے جس سے سب آشنا ہیں، موت وہ تلخ حقیقت ہے جس کو جتنا مرضی نظر انداز کیا جائے اُس نے ایک روز آ ہی جانا ہے۔موت کا منظر بھی قرآن کے اہم مناظر میں شامل ہوتا ہے۔قرآن حکیم میں انسان کو اس بات سے مطلع کیا گیا ہے کہ موت دراصل اسی زندگی کا ایک تسلسل ہے۔موت فنا ہرگز نہیں بلکہ منظر کی تبدیلی ہے۔موت سے ایک نیا سفر شروع ہوتا ہے جس کا اختتام روزِ محشر کو ہوگا۔بعض انسانی گروہوں نے خیال کیا ہے کہ موت کے بعد بس مٹی میں مٹی ہو جانا ہے، یہ ملحدین کا خیال ہے۔بعض نے خیال کیا ہے کہ اگر انھیں عذاب بھی ہوا تو محض چند روز کا ہوگا اس کے بعد اللہ انھیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا یہ یہودیوں کا خیال ہے۔بعض نے کہا کہ اُن کے پیغمبر اُن کے گناہوں کا کفارہ ادا کر چکے ہیں اس لیے موت کے بعد وہ سیدھے جنت میں جائیں گے، یہ اہل نصاریٰ کا خیال ہے۔بعض نے کہا کہ موت کے بعد انسان نیا جنم لیتا ہے اور اس دنیا کے اعمال کو نگاہ میں رکھتے ہوئے خالق انسان کو نیا جسم عطا کرتا ہے اگر تو انسان عمدہ اخلاق و کردار کا مالک ہو تو دوسرے جنم میں بھی وہ انسان ہی پیدا ہوگا تاہم اگر وہ گنہگار ہے تو ممکن ہے اگلے جنم میں وہ کتے یا گدھے کی شکل میں پیدا کیا جائے۔آخر سات جنموں کے بعد ایشور (اللہ) انسان کو جنت یا جہنم کی طرف

بھیج دے گا اور موت کے متعلق یہ ہندوؤں کا تخیل ہے جو ایک قدیمی مذہب ہے۔اسی دنیا کے دیگر مذاہب میں بھی کم وبیش آخرت اور موت کے بعد زندگی کا تصور ضرور پایا جاتا ہے بعض میں مبہم اور بعض میں واضح ۔چونکہ موت روزمرہ کا معاملہ ہے اور انسان چاہے جس قوم،جس ملک،جس خطے،جس مذہب سے بھی تعلق رکھتا ہو موت سے یقیناً آشنا رہتا ہے اس لیے تقریباً ہر مذہب و ہر ملت میں موت کے متعلق کچھ ایسے نظریات ضرور پائے جاتے ہیں جن سے جہانِ آخرت کا ثبوت حاصل ہوتا ہے۔چنانچہ کم از کم دنیا کا ہر آدمی اس حقیقت سے ضرور آگاہ ہے جسے قرآن نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ہر نفس کو بہر حال موت ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔۔

القرآن الحكيم(سورة آل عمران 185/3)

ترجمہ؛

”ہر نفس کو موت ہے“

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تاج رسالت سے نوازا اور انھوں نے اپنی قوم کو راستی اور فلاح کی دعوت دی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو رد کر دیا اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا ۔خاص طور پر انھوں نے حیات بعداز موت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ارشادات کو تو فوراً رد کر دیا اور کہا کہ!

بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ (81) قَالُوا أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَاباً وَعِظَاماً

أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَ (82) لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِن قَبْلُ إِنْ هَذَا إِلَّا
أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (83)

القرآن الحکیم (سورۃ مومنون 81.83/23)

ترجمہ؛

''بلکہ انھوں نے ویسی ہی بات کہی جیسی کہ اُن کے آباؤ اجداد کہہ چکے تھے کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہماری ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو ہمیں پھر زندہ کیا جائے گا، ہم نے یہ وعدے بہت سنے ہیں اور ہمارے باپ دادا بھی سنتے رہے ہیں، یہ افسانہ ہائے پارینہ ہیں، اور کچھ بھی نہیں''۔

سورہ نمل میں فرمایا کہ!

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَئِذَا كُنَّا تُرَاباً وَآبَاؤُنَا أَئِنَّا لَمُخْرَجُونَ (67)

القرآن الحکیم (سورۃ نمل 67/27)

ترجمہ؛

''اور کافروں نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے، اور ہمارے آباؤ اجداد جو پہلے ہی مر کر مٹی میں مٹی ہو چکے ہیں ، اِن سب کو اور ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا''۔

سورہ ق میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَاباً ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ (3) قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنقُصُ

الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِندَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ (4)

القرآن الحکیم (سورۃ ق 2.4/50)

ترجمہ؛

''منکرین نے کہا: یہ تو بہت عجیب بات ہے کہ جب ہم مر جائیں گے اور خاک ہو جائیں گے (تب پھر سے زندہ کیے جائیں) یہ واپسی تو عقل سے بعید ہے حالانکہ زمین اِن کے جسم سے جو کچھ کھاتی ہے وہ سب ہمارے علم میں ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ لکھا ہوا اور محفوظ ہے''۔

تاہم اللہ تعالیٰ نے اہل کفار کے اِس اعتراض کو کوئی اہمیت نہیں دی اور نہ ہی یہ جاہلانہ تخیل اس قابل تھا کہ اس کو کوئی اہمیت دی جاتی۔ مگر اللہ مخلوقات کا خالق ہے، اور وہ اپنی مخلوقات سے محبت کرتا ہے اس لیے اُس نے ضروری خیال کیا کہ کافروں کو اُن کے برے انجام سے ڈرائے اور انھیں زندگی اور موت کی حقیقت سے آگاہ کرے۔ چنانچہ فرمایا کہ تم کس قدر جاہل ہو اور ذرا بھی نہیں سوچتے کہ اگر میں نے تمھیں ایک دفعہ پیدا کر لیا ہے تو میرے لیے تمھیں دوسری بار پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ چنانچہ اُن کو عقل سے کام لینے کی دعوت دی گئی اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی ترغیب دی گئی تا کہ اُن کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں۔

ارشاد ہوا کہ!

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (79) الَّذِي
جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ (80)
أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَى أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم بَلَى

وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (81) إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (82) فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (83)

القرآن الحکیم (سورۃ یس 79.83/36)

ترجمہ؛

"اِن سے کہو! انھیں وہی دوبارہ پیدا کرے گا جس نے انھیں پہلے پیدا کیا ہے، اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے، وہی ہے جس نے تمھارے لیے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی، کیا وہ جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اس بات پر قادر نہیں کہ اِن جیسوں کو پیدا کر سکے۔ کیوں نہیں جب کہ وہ ماہر خلاق ہے۔ وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے، اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو"۔

اسی ضمن میں سورہ روم میں ارشاد ہوا کہ!

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (27)

القرآن الحکیم (سورۃ روم 27/30)

ترجمہ؛

"وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا، چنانچہ اِن کو ایک دفعہ پیدا کر لینے کے بعد اِن کو دوبارہ پیدا کرنا اُس کے لیے آسان تر ہے۔ زمین و آسمان میں اُس کی شان سب سے بلند اور اعلیٰ ہے اور وہ زبردست اور حکمت

والا ہے‘‘۔

حقیت یہ ہے کہ زندگی اور موت تو ایک ہی امرِ عظیم کے دو پہلو ہیں جو ایک دوسرے سے باہم اس طرح مربوط ہیں کہ اِن کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ جاہلانہ تخیل کہ انسان مر کر مٹی میں مٹی ہو جائے گا کوئی عقلی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو کھول دیا ہے کہ زندگی کے بعد حیات ہے اور انسان کو اُس کا جسم لوٹا دیا جائے گا اور وہ اپنے اعمال کی جزا پا کے رہے گا۔ تاہم یہ بھی ایک خوفناک حقیقت ہے کہ آج کا انسان موت کے بعد آنے والی زندگی کے بارے میں کچھ زیادہ سنجیدہ نظر نہیں آتا۔ اُس نے اپنی زندگی کو اس نہج پر ڈال رکھا ہے جس میں آخرت کی جوابدہی کا ذرا سا احساس بھی نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ انسانوں کی مہیب اکثریت اس بات پر تو ضرور یقین رکھتی ہے کہ انھیں مرنا ہے اور اس کے بعد پھر جی اٹھنا ہے اور اپنے خالق کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے حاظر بھی ہونا ہے مگر یہ محض ایک فکری نظریہ بن کے رہ گیا ہے عملی طور پر لوگ موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں انتہائی لا اُبالی ہیں اور انھوں نے اس زندگی کو ہی سارے عیش اور خوشی کے حصول کی جگہ قرار دے لیا ہے۔ چنانچہ انسانوں کی ایک عظیم اکثریت اپنے معیارِ زندگی کو بہتر بنانے ،زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے اور اُن آرزوؤں کی تکمیل میں مصروف ہے جن کی خالق کے نزدیک کچھ بھی اہمیت نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اِن کے پست اہداف کی مذمت فرمائی ہے اور انھیں آخری ہچکی سے پہلے اپنے رب کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دی ہے اور انھیں اپنی رحمت سے بے حد امید دلائی ہے۔ مگر ساتھ ہی اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ انسان دنیا کی رونق سے متاثر ہو گیا ہے اور لہو لعب میں ڈوب کر زندگی کے مقصد کو فراموش کر چکا ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ!

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ (1) حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (2)

القرآن الحکیم (سورۃ التکاثر 1.2/102)

ترجمہ؛

''افسوس کہ زیادہ سے زیادہ دنیا حاصل کرنے کے جنون نے تم کو غافل بنا دیا، حتی کہ تم اپنی قبروں کے کناروں تک آ پہنچے''۔

❄❄❄

محشر

اسلام کے تصورِ حیات میں ذرا سا بھی اشتباہ نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے معاملے کو بالکل صاف اور واضح بنادیا ہے۔فرمایا کہ میں نے تمہیں زندگی بخشی تا کہ تم نیک عمل کرو میرے احکامات کی اطاعت کرو،اور اس طرح زندگی گزارو جس طرح اللہ کے فرمانبردار بندے گزارتے ہیں تو جب تم کو موت آئے گی تو فرشتے تمہیں سلام کہیں گے اور تمہیں بشارت دیں گے کہ اللہ تم سے راضی ہو گیا آؤ اور اُس کی رضا کی حقیقت کو جانو۔ چنانچہ ایک سخت روز جب ہر طرف خوف کے سائے ہوں گے کائنات کے تمام لوگوں کو زندہ کیا جائے گا اور وہ اپنی قبروں سے اُٹھ بھاگیں گے اور اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔ اُس روز کسی سے کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی ، ہر ایک کو اُس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا ، نیکو کار اللہ کی رحمت کے سائے میں ہوں گے اور انھیں اللہ کی وسیع وعریض نعمتوں بھری جنت میں داخل کر دیا جائے گا مگر وہ جنھوں نے اس دنیا کو لہو لعب کی نذر کر دیا اور خالق کے احکامات کو بھولے رہے انھیں ایک درد ناک عذاب کے حوالے کر دیا جائے گا۔ یہ ہے اسلام کا سیدھا اور آسان تصور حیات جس میں ذرا بھی شک نہیں۔ روزِ محشر کا شمار بھی قرآن کے اہم مناظر میں ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دنیا کی عظیم اکثریت نے اس روز کو اپنی زندگی کی کتاب سے مٹا دیا ہے حالانکہ وہ موت کو اپنی زندگی سے الگ نہیں کر سکے۔ تاہم اس دنیا کی رونق اور لذت کوشی نے انھیں شیطان کے

الجھاوے میں ڈال دیا اور وہ اس سخت روز کی ہیبت کو بھول بیٹھے ہیں۔مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ قیامت آنے والی ہے اور بہت جلد آنے والی ہے۔جس نے اس سخت دن کی تیاری کی وہ بہت ہی شاہ بخت نکلا،مگر جس نے اس روز کو نظر انداز کیا جلد ہی اُس کو اپنی بدقسمتی کا اندازہ ہونے والا ہے اس لیے کہ جس طرح آنکھیں بند کر لینے سے کتو بر بلی سے کبھی نہیں بچا اسی طرح لایعنی بحثوں میں الجھ کر اور کھوکھلے فلسفوں کے سہارے جن لوگوں نے اس دن کا انکار کیا ہے وہ آخر کار اُن کی زندگی میں آ کر رہے گا۔قرآن حکیم میں بار بار اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ کوئی شک میں نہ رہے کہ وہ سخت دن قریب آ لگا ہے۔ارشاد ہوتا ہے کہ!

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ O

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 185/3)

ترجمہ؛

”ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو پورا بدلہ قیامت کے روز ہی دیا جائے گا اور جو شخص دوزخ کی آگ سے بچ گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہی کامیاب قرار پائے گا۔اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف دھوکے کا سودا ہے“۔

سورہ زلزال میں ارشاد ہوا کہ!

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ ○وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ
○

القرآن الحکیم(سورۃ الزلزال 6-8/99)

ترجمہ؛

”تو جو شخص دنیا میں ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ روزِ محشر اُسے دیکھ لے گا،اور جو شخص دنیا میں ذرا برابر بھی برائی کرے گا تو وہ اُسے بھی آخرت میں دیکھ لے گا“۔

سورہ فاطر میں ارشاد ہوا کہ!

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى۔

القرآن الحکیم(سورۃ فاطر 18/35)

ترجمہ؛

”کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بار اپنے سر نہ لے گا اور اگر کسی پر بڑا بار ہوا اور وہ اپنا ہاتھ بٹانے کے لیے کسی کو بلائے تو کوئی اُس کا بوجھ اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوگا،خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں“۔

سورہ لقمان میں ارشاد ہوا کہ!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْماً لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئاً۔

القرآن الحکیم (سورۃ لقمان 32/31)

ترجمہ؛

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اُس دن کا خوف کرو جب کہ نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کام آئے گا“۔

سورہ الانبیاء میں فرمایا کہ!

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً وَإِن كَانَ
مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِيْنَ (47)

القرآن الحکیم (سورۃ الانبیاء 47/21)

ترجمہ؛

”اور قیامت کے روز ہم ٹھیک وزن کرنے والے ترازو رکھ دیں گے پھر کسی نفس پر کچھ ظلم نہ ہوگا، اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اس کو لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے کے لیے کافی ہیں“۔

سورہ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
(8) وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُوْلَـئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا
بِآيَاتِنَا يِظْلِمُوْنَ (9)

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف 8.9/7)

ترجمہ؛

''اس روز اعمال کا تولا جانا برحق ہے۔پھر جس کے اعمال کا وزن بھاری ہوگا وہی فلاح پانے والا ہوگا اور جس کے اعمال کا وزن ہلکا ہوگا یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنے آپ کونقصان میں ڈالا ہوگا''۔

سورہ الزلزال میں ارشاد ہوا کہ!

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ (6) فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (7) وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (8)

القرآن الحكيم (سورة الزلزال 6.8/99)

ترجمہ؛

''اُس روز لوگ جدا جدا نکلیں گے تا کہ اِن کے اعمال انھیں دکھائیں جائیں پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ بھی اسے دیکھ لے گا''۔

سورہ آل عمران میں فرمایا کہ!

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (25)

القرآن الحكيم (سورة آل عمران 25/3)

ترجمہ؛

''ہر نفس کو جیسا اُس نے کیا ہے اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور اُن پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا''۔

سورہ المومنون میں فرمایا کہ!

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءلُونَ (101)
فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (102) وَمَنْ خَفَّتْ
مَوَازِينُهُ فَأُوْلَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ (103)

القرآن الحکیم (سورۃ المومنون 101.103/23)

ترجمہ؛

''پھر جب صور پھونک دیا گیا تو اس روز اُن میں کوئی نسبی تعلق باقی نہ رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے جن کے اعمال کا پلا بھاری ہوگا وہی فلاح پائیں گے اور جن کے اعمال ہلکے ہوں گے یہ وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے خود کو خسارے میں ڈالا ، یہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلتے رہیں گے''۔

جنت

جنت قرآن کے اُن منظروں میں سے ہے جن کا احوال مغلوف ہے۔ دراصل تو جنت اللہ کی ایسی نعمت ہے انسانی آنکھ جس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ انسانی گمان جہاں تک سفر نہیں کر سکتا۔ قرآن حکیم میں جنت کو جو ایک باغ سے تشبیہ دی گئی ہے تو اس سے مراد محض یہ ہے کہ انسان باغ کے منظر سے کسی قدر آشنا ہے اور باغ کا حسن اُسے مسحور کرتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس باغ کو انسانی آنکھ نے دیکھا ہے اُس کو جنت کے باغوں سے کوئی خاص نسبت نہیں ہے علماء نے کہا کہ چونکہ انسان کے حواس انھی چیزوں کو قیاس کر سکتے ہیں جنھیں اُس کی آنکھ نے کبھی دیکھا ہو اس لیے جنت کو باغ کہا گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جنت اللہ کی کس قدر بلند و بالا نعمت ہے اس کا قیاس کرنا قدرے دشوار ہے۔ احادیث کے مطالعے سے جنت کے جن مناظر تک رسائی حاصل ہوتی ہے وہ انسان کو ششدر کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ یعنی ایسی نعمتیں جن کا انسان اِس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ذرا غور کریں اُس بلند و بالا محل کی ماہیت پر جو سرخ یاقوت سے اس طرح تعمیر کیا گیا ہو کہ اُس میں کوئی جوڑ نہ ہو، وہ محل کئی منزلہ ہو، اُس کی چمک سے نگاہیں خیرہ ہوتی ہوں، اُس محل کے ہر کمرے میں نیک و جوان عورتیں انسان کی منتظر ہوں۔ یاد رہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس محل کی بشارت دی

تھی۔علاوہ ازیں جنت کی نہریں ہیں جن میں دودھ اور شہد بہتا ہے،جن کے کنارے سونے چاندی سے بنے ہیں اور اِن کناروں پر قیمتی ہیرے جڑے ہیں اور پھر حوریں ہیں جن کو خالق کے سوا کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔اور جوانی ہے،خوشی ہے،ابدی زندگی ہے،اللہ کی رضا ہے اور اس سارے منظر کی ہمیشگی ہے اور اللہ کی یہ نعمت صرف ایک تقاضے کے بدلے انسان کو مل رہی ہے اور وہ تقاضا ہے اطاعت کا۔تو انسان کس قدر بدقسمت ہے جس نے ذرا سے فائدے،ذرا سی عارضی لذت کے بدلے اللہ کی ابدی جنت کی نعمت کو بھلا رکھا ہے۔قرآن حکیم نے جنت کا بہت تذکرہ کیا ہے اور انسان کی کامیابی کو جنت کے حصول سے منسلک کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَما الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ O

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 185/3)

ترجمہ؛

"اور جو شخص دوزخ کی آگ سے بچ گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہی کامیاب قرار پائے گا۔اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف دھوکے کا سودا ہے"۔

سورہ دہر میں جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ!

فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُوراً (11) وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيراً (12) مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْساً وَلَا زَمْهَرِيراً (13) وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ

قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا (14) وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ
قَوَارِيرَا (15) قَوَارِيرَ مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيراً (16) وَيُسْقَوْنَ فِيهَا
كَأْساً كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا (17) عَيْناً فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا (18)
وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤاً مَّنثُوراً
(19) وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيماً وَمُلْكاً كَبِيراً (20) عَالِيَهُمْ ثِيَابُ
سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ
شَرَاباً طَهُوراً (21) إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاء وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُوراً
(22)

القرآن الحکیم (سورۃ دھر 11.22/76)

ترجمہ؛

”تو اللہ نے اہل جنت کو اس دن کی تکلیف سے بچالیا۔اور اُن کو تروتازگی اور شادکامی سے ملایا، اور اُن کے صبر کے بدلے میں اُن کو رہنے کے لیے باغ اور پہننے کے لیے ریشمی کپڑے دیئے، اور وہ اُن باغوں میں تخت لگائے ہوئے ہوں گے، اُن میں نہ دھوپ ہوگی نہ ٹھنڈ، اور اُن کے سائے اُن پر جھکے ہوں گے، اُن کے خوشے پست ہوکر لٹک رہے ہوں گے، چاندی کے برتن اور نقرئی شیشوں کے آبخورے جو ناپ کر بنائے گئے ہیں اُن کو لوگ اُن کے پاس لیے پھریں گے اور اُن کو وہاں وہ پیالہ پلایا جائیگا جس میں سونٹھ ملی ہوگی۔اس میں ایک چشمہ سلسبیل نام کا بھی ہوگا اور سدا رہنے والے کم سن غلام اُن کی خدمت میں گھوم رہے ہوں گے اور تو انھیں دیکھے تو سمجھے کہ موتی بکھرے ہیں، اور جب تو یہ سب دیکھے تو وہاں نعمت وعیش اور بڑی بادشاہی دیکھے، اُن کی پوشاک سرسبز اور نرم ریشم اور دبیز کپڑے کی ہوگی اور اُن کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور اُن کا پروردگار اُن کو پاک شراب پلائے گا اور تمھاری مزدوری کی قدر کی

جائے گی۔

سورہ نساء میں بتایا کہ جنت کن لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے!

وَالَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً۔

القرآن الحکیم (سورۃ نساء 57/4)

ترجمہ؛

''اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم اُن کو اُن باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اِن میں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔

مومنین سے اللہ وعدہ فرماتا ہے کہ!

وَالَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً وَعْدَ اللّٰهِ حَقّاً وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلاً (122)

القرآن الحکیم (سورۃ نساء 122/4)

ترجمہ؛

''اور جو ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے عمل کیے ہم اُن کو باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ہمیشہ کے لیے وہاں رہ پڑیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے زیادہ کس کا وعدہ سچا ہوگا''۔

مومنین سے اللہ نے فرمایا کہ جنت تو دراصل میری رضا ہے!

قَالَ اللّٰہُ ھٰذَا یَوْمُ یَنفَعُ الصَّادِقِیْنَ صِدْقُھُمْ لَھُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِی مِن تَحْتِھَا الْأَنْھَارُ خَالِدِیْنَ فِیْھَا أَبَداً رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُواْ عَنْہُ ذَلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ O (119)

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ 119/5)

ترجمہ؛

"اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس دن راست باز لوگوں کو اُن کی سچائی کا بدلہ دیا جائے گا اُن سے کہا جائے گا داخل ہو جاؤ اِن باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اللہ اُن سے راضی اور خوش ہے اور یہ لوگ اللہ سے راضی اور خوش ہیں"۔

سورہ ابراہیم میں ارشاد فرمایا کہ!

وَأُدْخِلَ الَّذِیْنَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِن تَحْتِھَا الأَنْھَارُ خَالِدِیْنَ فِیْھَا بِإِذْنِ رَبِّھِمْ تَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلاَمٌ (23) أَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرۃٍ طَیِّبَۃٍ أَصْلُھَا ثَابِتٌ وَفَرْعُھَا فِیْ السَّمَاءِ (24) تُؤْتِیْ أُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ بِإِذْنِ رَبِّھَا وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُونَ (25)

القرآن الحکیم (سورۃ براھیم 22.25/14)

ترجمہ؛

’’اور جو ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے کام کیے اُن باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ان میں سدا رہیں گے، وہاں سلامتی کی مبارکباد ہے، تو کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے کیسی مثال بیان کی ہے، نیک بات ایک ستھرے درخت کی طرح ہے جسکی جڑ مضبوط ہو اور ٹہنی آسمان میں ہو، اپنے پروردگار کے حکم سے وہ ہمہ وقت پھل لایا کرتا ہے اور خدا مثالیں بیان کرتا ہے کہ شاید لوگ سوچیں‘‘۔

سورہ بنیہ میں ارشاد فرمایا کہ!

جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ (8)

القرآن الحکیم (سورۃ بنیہ 8/98)

ترجمہ؛

’’ان کی مزدوری اُن کے رب کے حضور میں بسنے کے وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے وہ اپنے رب سے راضی ہو گئے اور اللہ اِن سے راضی ہو گیا‘‘۔

سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (100)

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ 100/9)

ترجمہ؛

''اور اُن کے لیے وہ باغ مہیا کیے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ اِن میں ہمیشہ رہا کریں گے''۔

❄❄❄

دوزخ

آگ کی اُس مہیب وادی کو دوزخ کہا جاتا ہے جس میں اُن لوگوں کو داخل کیا جائے گا جنھوں نے اپنی مہلتِ حیات کو خواہش نفس میں ضائع کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے انسان پر کس قدر احسانات کیے ہیں انھیں شمار تک کرنا دشوار ہے۔اللہ نے انسان کو کائنات کی سب سے حسین مخلوق بنایا، کائنات کی ہر چیز کو انسان کا مطیع وفرمانبردار بنا دیا،سورج کو حکم دیا کہ نکل تا کہ میرے بندے تیری روشنی میں میرا رزق تلاش کریں، رات کو حکم دیا کہ چھا جا تا کہ میرے بندے سکون سے آرام کر سکیں، بادلوں سے کہ برس جاؤ تا کہ میرے بندے طرح طرح کے لذید پھل کھا سکیں،طرح طرح کی اجناس زمین سے اُبھریں تا کہ میرے بندے طعام دہن سے لذت افروز ہوں،حتیٰ کہ سمندروں، پہاڑوں، ہواؤں،موسموں،سب کو حکم دیا میرے بندے کے موافق ہو جا، پھر عقل دی جس کے ذریعے انسان نے چاند پر کمندیں ڈالیں کائنات کے اسرار کھوجے، پھر پیغمبر بھیجے اور کتابیں اتاریں تا کہ میرا بندہ جان جائے کہ خالق کی رضا کیا ہے۔اور یہ سلسلہ احسانات کی حد تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بستی بستی انبیاء اتارے،قریہ قریہ اُس کے پیغمبر انسان کو بتاتے رہے شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے اُس سے بچ کر رہنا۔الغرض اللہ کے احسانوں کی کوئی حد نہیں۔اور اس قدر احسانات کا بدلہ کیا مانگا صرف اطاعت اگر اس

قدر مہیب احسانوں کے باجود انسان خالق کا باغی ہوا اور اُس کے احکامات ماننے سے انکار کرے تو حق بنتا ہے کہ ایسے انسان کو آگ کے اُس مہیب گڑھے میں پھینک دیا جائے اور یہی انسان کی سب سے بڑی ناکامی ہے۔ جہنم قرآن کا سب سے خوفناک منظر ہے اللہ ہمیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور آگ کے اس مہیب عذاب سے بچالے۔ آمین۔

سورہ آل عمران میں فرمایا کہ!

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (106) وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (107)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران 105.107/3)

ترجمہ؛

''جس دن کچھ منہ سفید ہوں گے اور کچھ سیاہ، تو جو سیاہ ہوئے وہ ایمان کے بعد کافر ہوگئے تھے، وہ اپنے کفر کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھیں گے اور جن کے منہ سفید ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور اُس رحمت میں سدا رہیں گے''۔

سورہ الاحزاب میں ارشاد فرمایا کہ!

إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيراً (64) خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب 23 /64.65)

ترجمہ؛

''بے شک خدا نے کافروں پہ لعنت کی اور اُن کے لیے وہ آگ مہیا کی جس میں وہ

ہمیشہ پڑے رہیں گے“۔

سورہ نساء میں فرمایا کہ!

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ وَظَلَمُواْ لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقاً (168) إِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 168/4)

ترجمہ؛

”بے شک جنھوں نے کفر کیا اور حد سے آگے بڑھے، اللہ اُن کو بخشے گا نہ اُن کو سیدھی راہ دکھائے گا بلکہ اُن کو جہنم میں ڈال دے گا جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے“۔

سورہ النساء میں ہی آگے فرمایا کہ!

وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَاباً عَظِيْماً (93)

القرآن الحکیم (سورۃ النساء 93/4)

ترجمہ؛

”اور جو کوئی کسی مومن کو ارادتاً قتل کرے گا تو اُس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اُس پر اللہ کا غضب ہوگا اللہ اُس کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور اس کے لیے سخت سزا کا اہتمام کرے گا“۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ (35) فَبِأَيِّ آلَاء
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (36) فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاء فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ
(37) فَبِأَيِّ آلَاء رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (38) فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ
وَلَا جَانٌّ (39) فَبِأَيِّ آلَاء رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (40) يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ
بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ (41) فَبِأَيِّ آلَاء رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ (42) هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ (43)
يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ (44) فَبِأَيِّ آلَاء رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ
(45)

القرآن الحکیم (سورۃ رحمان 35.45/56)

ترجمہ؛

''تم پر آگ کے صاف اور دھواں ملے شعلے چھوٹیں گے پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے گا تو اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، پھر جب آسمان پھٹ کر تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائے گا تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے پھر اس دن کسی انس و جن سے اس کے گناہ کی نسبت پوچھا نہ جائے گا تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، گنہگار اپنی نشانیوں سے پہچان لیے جائیں گے، پھر وہ پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑے جائیں گے تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، یہ وہ دوزخ ہے جس کو گنہگار جھٹلاتے تھے وہ اس دوزخ اور گرم پانی کے بیچ میں گشت کریں گے تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

❄❄❄

اشاریہ

*1

Becky Hopkinsn

Islamic Horizons

Bridgeview, Ilinios USA

---

*2

شیخ الحدیث حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

حجۃ البلاغ (جلد دوم)

---

*3

اصمعی عربوں کا مشہور مورخ اور لغت دان ہے اس کا پورا نام عبدالملک بن قریب الاصمعی ہے اس نے متعدد کتابیں لکھی ہیں اور اس نے ۲۳۱ھ میں وفات پائی۔

علامہ آلوسی شکری (بلوغ الارب جلد اول ص۔ 74)

X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X

*4

خلف الاحمر عربوں کے معروف شاعر حماد الراویہ کا شاگرد تھا اسے عربی زبان پر پورا عبور حاصل تھا اسے لاکھوں کی تعداد میں اشعار یاد تھے کہا جاتا ہے کہ لامیہ قصیدہ جو شنفریٰ کی طرف منسوب تھا در اصل اسی کا لکھا ہوا تھا اس نے ۱۸۴ھ میں وفات پائی

علامہ محمود شکری آلوسی (بلوغ الارب جلد اول ص75)

X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X

*5

جب رسول اللہ ﷺ نے پردہ فرمایا تو اُن لوگوں کی تعداد ایک لاکھ تھی جنھیں سارا قرآن یا قرآن کے کچھ حصے زبانی یاد تھے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی (محاضرات قرآن)

X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X

*6

حفاظ قرآن کے نام ہم نے علوم القرآن سے تحریر کیے جو علامہ تقی عثمانی کی کتاب ہے۔

علامہ تقی عثمانی (علوم القرآن)

X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X

*7

ابتدا میں اہل عرب جن چیزوں پر قرآن حکیم کو تحریر کیا کرتے اُن کی تفصیل محاضرات قرآن سے درج کی گئی۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی (محاضرات قرآن)

X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X

*8

کاتبین وحی کے نام ہم نے علوم القرآن سے تحریر کیے جو علامہ تقی عثمانی کی کتاب ہے۔

علامہ تقی عثمانی (علوم القرآن)

X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X

*9

یہ اقتباس مولانا وحید الدین کی کتاب عظمت اسلام سے نقل کیا گیا۔

مولانا وحید الدین (عظمت اسلام ص ؛ 59)

X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X

*10

اس روایت کو امام بخاری کی صحیح سے نقل کیا گیا ہے۔

امام محمد بن عبداللہ بخاری۔

صحیح بخاری جلد سوم (باب فضائل قرآن)

X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X

*11

حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی یہ روایت امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ہم نے اسے مناہل العرفان سے درج کیا ہے۔

(مناھل العرفان ص 133 جلد 1)

ᴥ ᴥ

*12

علامہ جرجانی کی کتاب کا نام ہے "رسائل فی اعجاز القرآن"۔

علامۃ القاھر الجرجانی (رسائل فی اعجاز القرآن ص ؛ 109)

مطبوعہ دار المعارف مصر

ᴥ ᴥ

*13

اس مضمون کو لکھنے کے لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب الفوز الکبیر پیش نظر رہی۔

شاہ ولی اللہ محدث دھلوی۔۔۔ الفوز الکبیر

ᴥ ᴥ

*14

یہ پیراگراف محترم جاوید احمد غامدی کی کتاب میزان سے تحریر کیا گیا ہے۔

جاوید احمد غامدی۔۔۔ میزان

ᴥ ᴥ

*15

یہ پیراگراف جسٹس امیر علی کی کتاب سے تحریر کیا گیا۔

جسٹس امیر علی (1849 - 1928)

(THE SPIRIT OF ISLAM)

ᴥ ᴥ

*16

حضرت لبید ابن عامرؓ کا یہ شعر ہم نے میزان سے تحریر کیا۔

جاوید احمد غامدی۔۔۔ میزان

ᚷ ᚷ

*17

یہ پیراگراف ہم نے الاستیعاب سے تحریر کیا۔

ابن عبدالبر۔۔۔ الاستعیاب

ᚷ ᚷ

*18

Philip k Hitti

(History of the Arabs P. 127)

London. 1970

ᚷ ᚷ

*19

Mintgumre Watt;

Bell's Interoduction to the Quran.

(Chapter2 ; Page 17)

ᚷ ᚷ

*20

Mintgumre Watt;

Bell's Interoduction to the Quran.

(Chapter2 ; Page 18)

ﷸ ﷸ

*21

J M Rodwell

اصل میں یہ اُس کی جرمن کتاب کا انگریزی ترجمہ ہے جو 1953ء میں لندن سے شائع ہوا ۔(مقدمہ ۔۔ صفحہ ۸ مطبوعہ لندن)

ﷸ ﷸ

*22

بحیرہ راہب سے رسول اللہ ﷺ کی ملاقات کے متعلق یہ روایت جامع ترمذی سے تحریر کی گئی۔

جامع ترمذی (باب المناقب)

ﷸ ﷸ

*23

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۔۔

مقالہ قرآن ۔۔(ص483۔۔جلد13)

مطبوعہ لندن 1950ء

ﷸ ﷸ

*24

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۔۔

مقالہ مریم ۔۔(ص999۔۔جلد14)

مطبوعہ لندن 1950ء

ﷸ ﷸ

*25

Aporcyphal book

Naks werson Makmulan

London (1923)

*26

F - Bohal

Encyclopeadia of Islam. (V-3 / P-1067)

London.

*27

Margoliouth D S

Incyloopaedia of Religion and Ethics

(P-543)

London.

*28

Margoliouth D S

Incyloopaedia of Religion and Ethics

(P-547)

London.

XXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXX

*29

مسنداحمد کے باب مسنداتِ عائشہؓ میں یہ روایت درج کی گئی۔

مسنداحمد (حصہ زوائد)

مسنداتِ عائشہؓ (ص۔ 269۔۔جلد 6)

مطبوعہ دارصادر بیروت

XXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXX

*30

Montgomery Watt

Bell,Introduction to the Quran.

{P-46}

XXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXX

*31

جن کتابوں میں اس روایت سے کلام کیا گیا ہے اُن میں بہت سی کتابیں شامل ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

امام نووی کی اتقان، علامہ ابن حزم کی المحلّی، امام رازی کی فواتح الرحموت، قاضی ابوبکر کی شرح مسلّم الثبوت، علامہ زاہد کوثری کی مقالات کوثری،

علاوہ ازیں، علوم القرآن، مولانا محمد تقی عثمانی، ماہنامہ الابلاغ شعبان 1393ھ، فتح الباری اور مجمع الزوائد میں اس امر کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔

---

*32

یہ اکتباس حافظ ابن الصلاح کی کتاب سے درج کیا گیا۔

حافظ ابن الصلاح ۔مقدمہ فتح الملہم

(جلد۔1 ؛ ص 54)

---

*33

مفسرین قرآن کے یہ نام علوم القرآن سے تحریر کیے گئے۔

مولانا محمد تقی عثمانی ۔علوم القرآن

(؛ ص 479)

---

*34

عہد جاہلیت کے اس شاعر کا نام جعران العود بیان کیا گیا ہے“۔

علامہ محمود شکری آلوسی۔

بلوغ الارب (جلد چہارم ۔ ص 411)

---

*35

اِن آیات کا ترجمہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے ترجمہ قرآن سے مدد لی گئی۔

سیّد ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ

---

*36

صحیفہ یونسؑ کا یہ اقتباس ہم نے جناب جاوید احمد غامدی کی کتاب میزان سے تحریر کیا‘‘۔

میزان ۔ جاوید احمد غامدی

X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X

*37

یہ پیراگراف جواد علی کی تاریخ سے نقل کیا گیا۔

المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام۔ جواد علی

X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X

*38

تقویٰ کے متعلق یہ الفاظ تدبر قرآن سے تحریر کیے گئے۔

امین احسن اصلاحی۔۔ تدبر قرآن

(جلد اول ؛ ص 451)

X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X X

ماخذ و مصادر و مراجع

القرآن الحکیم

سیرۃ النبی ﷺ	*****	مولانا شبلی نعمانیؒ
سنن ابی داؤد	*****	امام ابی داؤدؒ
موطا امام مالک	*****	امام محمد مالکؒ
مشکوٰۃ شریف	*****	امام محمد رازیؒ
صحیح مسلم شریف	*****	امام مسلمؒ

جامع ترمذی ***** امام ترمذیؒ

تاریخ ابن خلدون ***** علامہ ابن خلدونؒ

تاریخ الامم والملوک ***** امام ابن جریر طبریؒ

تاریخ اسلام ***** اکبر شاہ نجیب آبادیؒ

تاریخ اسلام ***** معین الدین شاہ ندویؒ

انسان کامل ***** محمد منیر قریشیؒ

مسلمان امتیں ***** ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سیرت ابن ہشام ***** ابن ہشامؒ

نقوش (رسول نمبر) ***** ادارہ

مجموعہ مضامین ***** پروفیسر احمد رفیق اختر

اسلام اور عصر حاضر	*****	مولانا وحید الدین خانؒ
ضیاالقرآن	*****	جسٹس محمد کرم شاہؒ
تفہیم القرآن	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
خلافت وملوکیت	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
سنت کی آئینی حیثیت	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
الجہاد فی الاسلام	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
خطبات	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
سیرت سرورِ کونین ﷺ	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
پردہ	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
اسلام کے بنیادی تصوارت	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

پیغمبر اعظم و آخرؐ	*****	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
محمد عربی ﷺ	*****	مولانا وحید الدین
محسن انسانیتؐ	*****	نعیم صدیقی
تدبر قرآن	*****	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
کشت زر بار	*****	پروفیسر احمد رفیق اختر
خطبات بہاولپوری	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
بلوغ الارب	*****	علامہ محمود شکری آلوسیؒ
العقد الفرید	*****	ابن عبدربہؒ
رویات تمدن قدیم	*****	سیّد علی عباس جلالپوری
الامینؐ	*****	محمد رفیق ڈوگر

سیرت الرسول ﷺ	*****	محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ
کائنات اور انسان	*****	علی عباس جلالپوریؒ
حجۃ البالغہ	*****	شاہ ولی اللہ دہلویؒ
تمدن ہند	*****	علی بلگرامیؒ
سیرت عائشہؓ	*****	سیّد سلمان ندویؒ
تحقیق ماللہند	*****	علامہ البیرونیؒ
کرم کی برسات	*****	ڈاکٹر محمد خالد عاربی
ابوسفیانؓ	*****	الطاف حسن گیلانی
تاریخ اسلام	*****	شیخ محمد رفیق
تاریخ مدینہ	*****	محمد صادق بہاولپوری

مقالات	*****	سرسیداحمد خان
تاریخ اسلام	*****	حسن ابراہیم
جزیرۃ العرب	*****	علامہ ہمدانی
تاریخ اسلام	*****	ڈاکٹرحسن ابراہیم
المروج الذہب	*****	المسودیؒ
تفصیل الازمنہ	*****	یوسف بن عبدالملکؒ
العرب قبل ازاسلام	*****	علامہ جرجی زیدانؒ
الروض الانف	*****	امام سہیلیؒ
شرح سنن ابی داؤد	*****	امام خطابیؒ
قانون اسلام	*****	سرسیداحمد خانؒ

عہد نامہ قدیم

عہد نامہ جدید

احکام القرآن ***** امام رازیؒ

الاحکام السطانیہ ***** امام ماوردیؒ

کتاب المثالب ***** ابن ہشام

اعلام النبوۃ ***** امام ماوردیؒ

الطرق الحکمتیہ ***** علامہ ابن قیمؒ

البیان والتبیان ***** امام جاحظ

الکامل ***** علامہ ابن کثیرؒ

کتاب البیان ***** امام لیثیؒ

ضرب الامثال	*****	میدانیؒ
کتاب العمدہ	*****	علامہ ابن رشیقؒ
کتاب الاوائل	*****	اسماعیل بن عبداللہ موصلیؒ
الوفاء	*****	ابن جوزیؒ
مفردات القرآن	*****	علامہ راغب اصفہانیؒ
الجامع الصغیر	*****	امام سیوطیؒ
شرح المواہب اللدنیہ	*****	امام زرقانیؒ
البیان والتعریف	*****	ابراہیم بن محمد الحسینیؒ
الصحاح اللغتہ	*****	امام جوہریؒ
مقاتل الفرسان	*****	ابوعبیدہؒ

دیوان	*****	حضرت حسان بن ثابتؓ
الشفاء	*****	قاضی عیاضؒ
طبقات الکبری	*****	ابن سعدؒ
سیرت حلبیہ	*****	امام حلبیؒ
مدارج النبوۃ	*****	محدث دہلویؒ
جمع الوسائل	*****	ملا علی قاریؒ
المواہب اللدنیہ	*****	امام قسطلانیؒ
جواہر البحار	*****	امام بیہقیؒ
السیرۃ النبویہ	*****	ابن عساکرؒ
شعب الایمان	*****	امام بیہقیؒ

المعجم الصغیر	*****	امام طبرانیؒ
فتح الباری	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
اخبار مکہ	*****	امام فاکہیؒ
الکفایہ فی العلم الراویہ	*****	خطیب بغدادیؒ
التمہید	*****	ابن عبد البرؒ
الثقات	*****	ابن حبانؒ
سبل الہدیٰ والرشاد	*****	امام صالحیؒ
المنصف	*****	ابن ابی شیبہؒ
شرح مسلم	*****	امام نوویؒ
شمائل الرسول	*****	امام ابن کثیرؒ

صفوۃ الصفوۃ	*****	ابن جوزیؒ
امتاع الاسماع	*****	امام طبرانی
میزان الاعتدال	*****	امام ذہبیؒ
الاستیعا ب	*****	ابن عبدالبرؒ
التفسیر الکبیر	*****	امام رازیؒ
کتاب الزہد	*****	ابن مبارکؒ
السنن	*****	دارمیؒ
الآحادولمثانی	*****	امام شیبانیؒ
المسند	*****	ابن جعدؒ
السنن الکبریٰ	*****	امام نسائیؒ

تہذیب الکمال ***** امام مزیؒ

المسند ***** اسحاق بن راہویہؒ

تہذیب الاسماء ***** امام نوویؒ

الاصابہ ***** ابن حجر عسقلانیؒ

الریاض النضرۃ ***** امام زرقانیؒ

شرح المؤطا ***** طبرانیؒ

معجم الاوسط ***** عبدالرزاقؒ

الادب المفرد ***** امام بخاریؒ

لسان المیزان ***** ابن حجر عسقلانیؒ

تذکرۃ الحفاظ ***** امام ذہبیؒ

المسند	*****	ابو عوانہ ؒ
مسلمانوں کا ہزار سالہ اقتدار	*****	پروفیسر ارشد جاوید
رسول اکرم کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹر حمید اللہ ؒ
قرآن اور جدید سائنس	*****	ڈاکٹر حشمت جاہ ؒ
رسول عربی اور عصر جدید	*****	سیّد محمد اسماعیل ؒ
علم کی اسلامی تشکیل	*****	خورشید احمد ندیم
میزان	*****	جاوید احمد غامدی
شرح الشفا	*****	ملا علی قاری ؒ
تاریخ الخمیس	*****	دیار بکری ؒ
الایمان	*****	ابن مندہ ؒ

السنن ***** ابن ماجہ ؒ

ترکۃ النبیؐ ***** ابو اسماعیل بغدادیؒ

الرسولؐ ***** عبدالحلیم محمود ؒ

روح المعانی ***** علامہ محمود شکری آلوسی ؒ

قیامت اور جدید سائنس ***** ڈاکٹر حشمت جاہ ؒ

الدیباج ***** امام سیوطی ؒ

مکارم اخلاق ***** ابن ابی الدنیاؒ

السنن الکبریٰ ***** امام بیہقی ؒ

الخصائص الکبریٰ ***** امام سیوطی ؒ

المسند ***** امام احمد بن حنبل ؒ

الطبقات	*****	ابن خیاطؒ
الجامع الصحیح	*****	امام ترمذی
السنن	*****	ابوداؤدؒ
شرح معنی الآثار	*****	امام طحاویؒ
مجمع الزوائد	*****	ہیثمیؒ
فیض القدیر	*****	مناویؒ
الترغیب والترہیب	*****	منذریؒ
مشکل الآثار	*****	امام طحاویؒ
اسلامی ریاست	*****	پروفیسر خورشید احمدؒ
کیمیائے سعادت	*****	امام غزالیؒ

البیان فی التفسیر القران ***** ابن جریر طبری ؒ

مشکواۃ المصابیح ***** الخطیب ؒ

الجوامع السیاسیہ ***** امام ابن تیمیہ ؒ

بیان العلم وفضلی ***** ابن عبدالبر ؒ

تاریخ السلامی السیاسی ***** حسن ابراہیم الدکتور ؒ

النظم الاسلامیہ ***** حسن ابراہیم الدکتور ؒ

کتاب الخراج ***** الامام ابو یوسف ؒ

تحفۃ الاشراف ***** المزی ؒ

حسن المحاضرۃ ***** امام سیوطی ؒ

مقائس اللغۃ ***** ابن فارس ؒ

اعلام الموقعین	*****	ابن قیمؒ
سنن الدارمی	*****	الدارمیؒ
الزہد	*****	امام احمد بن حنبلؒ
تفسیر ابن کثیر	*****	از ابن کثیرؒ
تاریخ الکامل	*****	ابن اثیرؒ
فتوح البلدان	*****	امام بلازریؒ
المذاہب الاربعہ	*****	عبدالرحمانؒ
کتاب النوبیہ	*****	ابن ہشامؒ
عیون الاخبار	*****	ابن قتیبہؒ
شذرات الذہب	*****	ابن عمادؒ

الشفاء	*****	قاضی عیاضؒ
غریب الحدیث	*****	امام ابن اثیرؒ
وفا الوفا	*****	امام سمہودیؒ
کتاب الاصنام	*****	ابن قتیبہ
لسان العرب	*****	ابن منظورؒ
الرسول القائد	*****	خطاب محمود شیثؒ
البدر الطالع	*****	امام شوکانیؒ
الاداب	*****	امام بیہقیؒ
دلائل النبوۃ	*****	ابن ندیمؒ
الشمائل	*****	امام ترمذیؒ

المنار	*****	رضا رشیدؒ
علم الراویہ	*****	خطیب بغدادیؒ
السنۃ قبل التدوین	*****	خطیب العجاجؒ
الکشاف	*****	زمخشریؒ
مسند الفردوس	*****	دیلمیؒ
معجم الکبیر	*****	طبرانیؒ
تفسیر درمنشور	*****	امام جلال الدین سیوطیؒ
المبسوط	*****	شمس الائمہؒ
المراسیل	*****	سجستانیؒ
غریب الحدیث	*****	خطابیؒ

صحیح ابن حبان ***** ازابن حبانؒ

عمل الیوم ولیلة ***** للنسائیؒ

تاریخ الادب الجاہلی ***** شوقی ضیف الدکتورؒ

مفتاح الجنۃ ***** امام سیوطیؒ

علوم الحدیث ***** صبحی صالحیؒ

شرح معانی الاثار ***** امام الطحاویؒ

تاریخ الادب الاسلامی ***** شوقی ضیف الدکتورؒ

شرح مسلم ***** شبیر احمد عثمانیؒ

فلسفہ التشریح فی الاسلم ***** صبحی صالحیؒ

الاحدیث المشہرہ ***** شمس الدین سخاویؒ

حدیث دفاع	*****	میجر جنرل اکبر خانؒ
اسلامی طریق جنگ	*****	میجر جنرل اکبر خانؒ
الفیض القدیر	*****	المناویؒ
الکامل فی الضعفاء	*****	ابن عدیؒ
محاسن التاویل	*****	قاسمی جمال الدینؒ
مسلمانوں کا نظم مملکت	*****	حسن ابراہیمؒ
سود	*****	سیّد مودودیؒ
حیات محمدؐ	*****	محمد حسنین ہیکلؒ
الوثائق الساسیہ	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
تجدید احیائے دین	*****	سیّد مودودیؒ

الاحکام القرآن	*****	محمد بن احمد قرطبیؒ
مسلم نشاۃ ثانیہ	*****	ڈاکٹر محمد امین
مسلمان اور سائنس کی تحقیق	*****	حبیب احمد صدیقیؒ
نامور مسلمان سائنس دان	*****	حمید عسکریؒ
نظام الحکومت نبویہ	*****	شیخ عبدالحئیؒ
الاسلام والحضاوۃ العربیہ	*****	کرد علیؒ
سائنس وطب میں مسلمانوں کا عروج	*****	حفیظ الرحمٰن صدیقیؒ
فیض الباری	*****	محمد انور شاہؒ
سو مسلم سائنس دان	*****	رفیق انجمؒ
شاندار سائنسی کارنامے	*****	زکریا ورقؒ

تخریج الحدیث	*****	مولانا محمد سعیدؒ
سنت کا تشریحی مقام	*****	محمد ادریس میرٹھیؒ
احادیث الموضوعہ	*****	ملا علی قاریؒ
ترجمان القرآن	*****	مولانا ابوالکلام آزادؒ
رسول عربیؐ	*****	مولانا ابوالکلام آزادؒ
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
منصب امامت	*****	شاہ اسماعیل شہیدؒ
یورپ پر اسلام کے احسانات	*****	غلام جیلانی برقؒ
حسنت جمیع خصالہ	*****	طالب ہاشمیؒ
دعوت دین اور اس طریق کار	*****	امین احسن اصلاحیؒ

فی ظلال القرآن	*****	سیّد قطب شہید ؒ
احسن التفاسیر	*****	احمد حسن دہلوی ؒ
قصص الانبیاء	*****	محمد حفظ الرحمٰن ؒ
مدارج النبوہ	*****	معین فراحی ؒ
سیرت الرسول	*****	محمد بن عبدالواہاب ؒ
الرحیق المختوم	*****	صفی الرحمان مبارک پوری ؒ
محمد عربیؐ	*****	محمد احمد برانق ؒ
اسلامی ریاست	*****	امین احسن اصلاحی ؒ
ترجمان السنۃ	*****	بدر عالم میرٹھی ؒ
اسلام کا معاشرتی نظام	*****	خالد علوی ؒ

اسلام کا سیاسی نظام ***** محمد اسحٰق سندیلوی ؒ

تفہیمات ***** سیّد مودودیؒ

سیرت نبویؐ ***** ڈاکٹر مصطفیٰ صباحیؒ

پیغمبر انسانیت ***** شاہ محمد جعفر پھلواریؒ

سیرت رسول عربی ***** علامہ نور بخش توکلیؒ

خطبات مدارس ***** سید سلیمان ندویؒ

عہد نبوی نظام حکمرانی ***** ڈاکٹر حمید اللہؒ

سیرۃ المصطفیٰؐ ***** محمد ادریس کاندھلویؒ

تاجدار دو عالمؐ ***** عزائم عبدالرحمانؒ

اسلام کا اقتصادی نظام ***** حفظ الرحمٰنؒ

معجزات سرور کونین ***** طالب ہاشمیؒ

ارشادات دانائے کونین ***** طالب ہاشمیؒ

منصب امامت ***** طالب ہاشمیؒ

اخلاق پیغمبری ***** طالب ہاشمیؒ

معارف الحدیث ***** محمد منظور نعمانیؒ

فصاحت نبوی ***** ڈاکٹر ظہور احمد اظہرؒ

رہبر کامل ***** مولانا عبد المجید خادمؒ

اسوہ رسول اکرمؐ ***** ڈاکٹر محمد عبد الحیؒ

اخلاق نبوی ***** سیّد محمد اسحاقؒ

نبی رحمت ***** سیّد ابو الحسن ندویؒ

محمد رسول اللہ ؐ ***** شیخ محمد رضا مصری ؒ

محمد رسول اللہ ﷺ ***** توفیق الحکم ؒ

پیغمبر انقلاب ***** مولانا وحید الدین خان ؒ

عبقریت محمد ؐ ***** عباس محمود العقاد ؒ

نبی اکرم ؐ کی معاشی زندگی ***** ڈاکٹر نور محمد غفاری ؒ

خاندان نبوت ***** محمد ادریس ؒ

معرکہ اسلام اور جاہلیت ***** صدر الدین اصلاحی ؒ

مغازی رسول ؐ ***** حضرت عروہ بن زبیر ؓ

تاریخ مکہ ***** منظور احمد شاہ ؒ

منصب نبوت ***** سیّد ابو الحسن ندوی ؒ

شمائل کبری	*****	عبدالحکیم خانؒ
سیرۃ اکبریٰ	*****	مولانا ابوالقاسمؒ
راہ عمل	*****	مولانا جلیل احسنؒ
زادراہ	*****	مولانا جلیل احسنؒ
وفود عرب	*****	طالب ہاشمیؒ
سیرت سیّدہ فاطمہؓ	*****	طالب ہاشمی
معارف القرآن	*****	مفتی محمد شفیعؒ
ترجمہ قرآن	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
البستان	*****	واثق باللہ
کتاب السماء ولغات	*****	امام نووی

محمد رسول اللہؐ	*****	محمد صادق ابراہیمؒ
رسول مبینؐ	*****	محمد احسان الحق سلیمانیؒ
سیرت محمدیؐ	*****	سرسید احمد خانؒ
سیرت سرورِ کونینؐ	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

WESTERN AUTHORS.

Dalbeer...Mater ,Eather,Motion.

J.G.Freezer... Man God and Immortalilty.

S. Hussan Naser... Islamic Science.

J.Heksely... Religion Without Revolation.

Philps Hitty... History of Arabs.

Springler...Fall of west.

Carbin... EN Iranien Islam.

Sir jamees jeen...Modren Islimic Thought.

Johan Wellosan...Philosophy of Reilgion.

R.I.Gulick..Muhammad The educator.

Cob..Islamic Contribution to word culture.

Briffault...The making of Humanity.

Bosworth... The Lagacy of Islam.

S, Charles Darwen...Origion of Species.

Mont Watt...History of Islamic Spain.

B.Russal...The Conquest of Happiness

Michael H Hart... The 100

M,White...The limitaaions of Sciens

Ameer Ali... The Spirit of Islam.

Edendton...The age of analysis.

James jeans...The Mysterious Univers.

Hanes Berg...Modren scientefec thought.

W Back...Modern Science & natur Life.

Zohansicy...Gentic and origen of Species.

Karal Marx...Das Kapital.

Lebon...The Erab Civilazation.

Genetic Code .... Issaac Asimov.

Trawleing...History of Religion.

B, Russiall History of civiliazation.

Freud... Toam and Tabuos.

Freud....Pleasure thinking.

Robert Semith....Religion of Erabs.

well deurant...The age of faith.

Walteare...The History of China.

Freud...His Dream & Sex Theories.

Pierre Lecomde... Human Destiny.

Pro, Brian..New Horizons in Psychology.

P.Nik... Fondamentals of Politics.

Glance at Historical Materialism.ASpirken.

Pro, Hageel... Wonder Of Life

Dr. Hehoom... Human Understanding.

Fraied.... Totam and Taboos

Fried.....Pleasure Thinking

Robert Smith...Religion of the semites.

RussallBurtrand ...The Conquest of Happiness.

JOHAN WILLSON ...Philosophy and Religion

Tyndall...Matter and Motion.

MORTEN WHITE....The Limitations of Science.

ARUTHOR ENDEKTAN...The age of Analysis

Sir Jameus Jeens...Modren Scitefic Thought.

Dob Zohans..Genetic and The origin of species.

Raney Grew...Civilization of the east.

Sir Leonard Woolley...Abraham.

Freazer...The Golden Bough.

Edward Mc Nall.... Westren Civilization.

Breufalt.... The Making of Humanity.

Dr, Dedat ... The Ultimate Miracle.

A. Curte...Discover Behind The iron Curtain.

Dr,Harwey Day...The Hidden Power of vibration.

Russal...History of Westren Philosophy.

Jon Stevens... Secred Calligraphy of east.

Dr,simith... Divin Origin.

B Russal...History of Arebs.

Dr,Zafar, Towards understandin Qurran.

DR, mir Aneesudin... The Holly Quran.

Dr M Taqi... The Noble Quran.

Asimov... Exploring the earth and cosmos.

S,Hawhing...A Brief History of Time.

Al,Gore ... Erth in Balance.

J.Sylvester... The Gene Age.

R.Hill.... Physical Methalogy.

David Burine... Micro Life.

STephen Jay Gold... The Panda Thumb.

Rachel Carson... Silent Spring.

Mir,Steween... Geodetic Survey.

J.Parker ... Erth Sciences.

Aavagardo.... Water Realities.

Lyantan Keith...Between Two Words.

Allan Baratan...Recovery and Recycil.

Oliver Owen... Natural Conservations.

A.J.Longly....Environment of Technology.

Richard Wedford....Envionmetel Management

Robert Raymond...Out of Fiery.

P.R.Trevidi....Energy Resources.

Dr.Shafi Hader... Four Tools for a Musilm.

Dr.Shafi Hader... Scince in Quraan.

M.A.Qazi.... Quranic Concept.

A.Ryabchikov....Changing Face of earth.

Dr.Shafi Hader... Deep Thinking.

S.Manzoor...Scientific Significance in Quraan.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Miracle Life.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Fate of Cosmos.

Muhammad Shihabuddin nadvi... Cloning.

Syed Mubarak... Quranic Phlosephy.

Ellisow Hawks...Mysteries Of Science.

E.L.Abel... Moon Madnes.

Abdul Mobin Khan... Basic Immunology.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Life.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Universe.

Barnaby Rogerson... The Prophet Muhammad

Ingird Mattson.... The Study of Qurran.

Dr, Mohammad Rana... History of Islam.

Adrinne Jansen... Asian Face Of Islam.

Thomos C,... Years of Innovation.

Erich.V, ... Miracles Of God.

I.A. Ibrahim... Understanding Islam.

Dr,Kazmi ...Guinness Concept.

Dr.Shafi Hader..Quraan and Quality Concepts

Judit Bower...Enviromental Systems.

Syed Mubarak...Quranic Therapy.

Shah Manzoor... Quranic Verses.

B.Person...History of Prophet Mohammad.